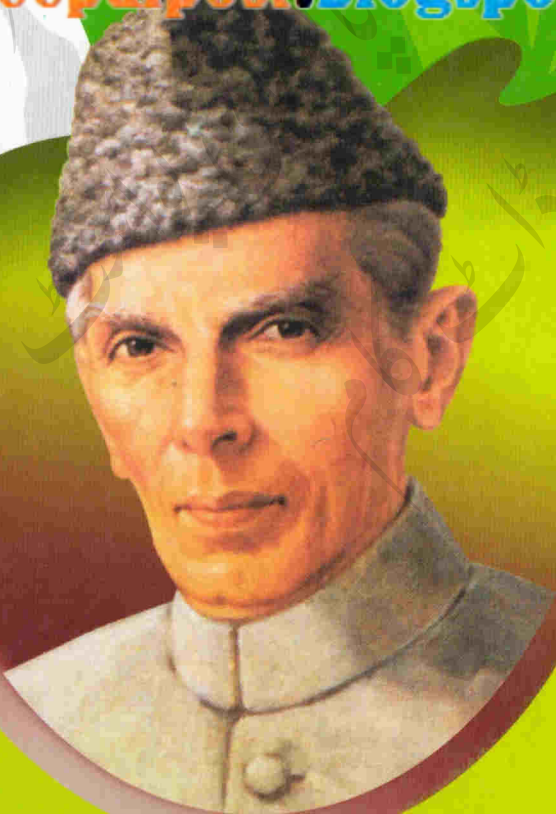


پیری میں بھی جواں ہے

محمد علی جناحؒ

www.freepdfpost.blogspot.com



وقار اصغر پیروز

پیری میں بھی جواں ہے

محمد علی جناح
رَحْمَةُ اللهِ
تَعَالٰی
عَلَيْهِ

قائد اعظم محمد علی جناح کی صحت، بیماری اور آخری ایام کا احوال

وقار اصغر پیروز
اسٹنٹ پروفیسر شعبہ تاریخ

جی۔سی۔یونیورسٹی (فیصل آباد)

فہرست مضامین

11	باب نمبر 1 قائد اعظم کی گرتی صحت اور بڑھتا حوصلہ
40	باب نمبر 2 پاکستان کے مسائل اور قائد اعظم
82	باب نمبر 3 قائد اعظم کا دورہ صوبہ سرحد
106	باب نمبر 4 قائد اعظم کوئٹہ اور زیارت میں
136	باب نمبر 5 زیارت سے کوئٹہ
166	باب نمبر 6 کوئٹہ سے کراچی
196	باب نمبر 7 ماڑی پور سے گورنر جنرل ہاؤس تک
209	باب نمبر 8 قائد اعظم قوم کے کاندھوں پر

"..... as there are various rumours of all sorts about my health, let me assure you all that there is nothing organically wrong with me nor do I suffer from any complaint, malady or disease of any kind. I am perfectly strong and healthy constitutionally. I am only suffering from the over work and the strain through which I have had to go, and the only remedy for it is complete rest"

The Eastern Time Lahore 11 April 1945.

باب نمبر 1

قائد اعظم کی گرتی صحت اور بڑھتا حوصلہ

زندگی کے آخری دس برسوں کے دوران قائد اعظم محمد علی جناح کی سیاسی سرگرمیوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ بڑھاپے کی ان سرحدوں میں بہت پہلے داخل ہو چکے تھے جہاں انہیں آرام کی سخت ضرورت تھی۔ ان کی بیوی رتی¹ کی وفات² (20 فروری 1929ء) کے بعد ان کی صحت و زندگی کا ہمہ وقت خیال رکھنے والی بہن فاطمہ جناح (1893ء-1967ء) کو ان کی گرتی ہوئی صحت سے سخت تشویش رہتی تھی۔ ان کی خواہش ہوتی کہ ان کا بھائی چند دن آرام و سکون سے گزارے اور اپنی صحت کی طرف دھیان دے۔ ان کے ڈاکٹر انہیں آرام کا مشورہ دیتے رہتے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح جب بھی ان کے طویل اوقات میں کام کرنے اور ہندوستان بھر کے مسلسل طوفانی دوروں پر اعتراض کرتیں تو وہ انہیں یہ کہہ کر لا جواب کر دیتے۔

"کیا تم نے سنا ہے کہ کسی جنرل نے چھٹی کی ہو جب اس کی فوج

میدان جنگ میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہو۔"³

وہ واقعی ہندوستان میں مسلمانوں کی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے۔

قرارداد لاہور 1940ء کی منظوری کے بعد ان کی مصروفیات بہت بڑھ گئیں تھیں۔ انہیں رائے عامہ کو علیحدہ وطن کے حق میں استوار اور منظم کرنا تھا۔ اس زمانے میں محدود ذرائع ابلاغ تھے۔ قومی سطح پر کوئی مسلم اخبار موجود نہ تھا جو مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرتا اور ان کے احساسات کی ترجمانی کرتا۔

رائے عامہ کو ہموار کرنے کیلئے سب سے مؤثر اور بہتر ذریعہ عوامی اجتماعات اور جلسے تھے۔ علیحدہ وطن۔۔۔۔۔ تقسیم ہندوستان کا مطالبہ ہندوؤں کے لیے انتہائی حیران کن تھا۔ خود مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو قطعاً اندازہ نہ تھا کہ پاکستان کیا تھا؟۔۔۔۔۔ اس کا حصول کیسے ہو

تکلیف محسوس کر رہے تھے۔ مایوس ہو کر انہوں نے یہ کوشش ترک کر دی۔ بالآخر ٹرین ایک اسٹیشن پر رکی۔ انہوں نے گارڈ سے درخواست کر کے گرم پانی کی ایک بوتل منگوائی اور اس سے درد والی جگہ پر نکور کیا۔ جس سے ان کا درد کسی حد تک کم ہوا۔ دہلی میں ڈاکٹر نے اُن کے تفصیلی معائنے کے بعد بتایا کہ اُن کے پھیپھڑے کی جھلی پر درم آ گیا ہے اور انہیں کم از کم دو ہفتے لازمی آرام کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد انہوں نے فاطمہ جناح سے کہا۔

"کس قدر بد قسمتی کی بات ہے۔ یہ اجلاس بہت اہم ہے۔ میری

وہاں موجودگی نہایت ضروری ہے۔ اور ایک میں ہوں کہ بستر میں

جبری آرام کے قیث کا پابند کر دیا گیا ہوں۔"

وہ بمشکل دو روز تک بستر میں رہے۔ مگر اُس کے بعد دوبارہ کام میں مصروف ہو گئے۔

وہ ایک انتھک اور بے چین شخص تھے جو اپنی قوم کی تاریخ کے پریشان دور میں پیدا ہوئے تھے۔⁶

وہ کام کے رسیا تھے۔ فارغ رہنا انہیں پسند نہیں تھا۔ کام کے دوران اُن پر بیمار ہونے کا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔ مسلسل کام اُن کی بیماری اور کمزوری کا اصلی سبب تھا۔ جب بھی انہیں آرام کا مشورہ دیا جاتا تو وہ کہتے۔

"مجھے بہت کام کرنا ہے۔۔۔ میں وقت ضائع نہیں کر سکتا۔"⁷

طویل اجتماعات اور جلسوں کے بعد اکثر وہ گھر پہنچ کر سیدھے بستر میں لیٹ جاتے تھے۔ اُن میں لباس تبدیل کرنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔

چند ماہ بعد اپریل 1941ء میں وہ بمبئی سے مدراس مسلم لیگ کے 28 ویں سالانہ اجلاس (منعقدہ 12 تا 15 اپریل)⁸ میں شرکت کے لئے جا رہے تھے۔ ٹرین ابھی مدراس سے چند گھنٹوں کی مسافت پر تھی کہ وہ سیٹ سے غسل خانہ جانے کے لئے اُٹھے۔ مگر چند قدم چل کر نڈھال ہو کر وہ ٹرین کے چوبی فرش پر بیٹھ گئے۔ محترمہ فاطمہ جناح فوراً اُن کے پاس پہنچیں اور اُن سے اُن کی بے ہمتی کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے۔

گا؟ اور اس کے کیا خدو خال ہوں گے؟ انہیں شہر شہر جا کر پاکستان کا مطلب اور مفہوم سمجھانا تھا۔ ان دنوں مسلم لیگ کے پاس کوئی سیاسی سیکرٹریٹ نہ تھا۔ اور نہ ہی انہیں سیکرٹریوں کی سہولت حاصل تھی۔ پاکستان کے مقدمے کو بڑھانے کے لیے وہ تنہا سرگرم عمل تھے۔ وہ اخبارات کے تراشے خود تراشتے۔ مسلم لیگ کی صوبائی اور ضلعی شاخوں سے خود پورٹریٹ وصول کرتے۔ مخالفوں کی تقریروں اور بیانات پر نظر رکھتے۔ زندگی کے مختلف طبقہ کے مسلمان انہیں نئے وطن کی تفصیل کے بارے میں خطوط لکھتے۔ ان سب کو وہ مفصل اور جامع جواب دینے کی کوشش کرتے۔ طویل اجتماعات میں سیاسی ورکروں اور سیاسی لیڈروں کو پاکستان کے بارے میں مکمل جواز اور یقین بخشتے۔۔۔ اپنی تقاریر خود تیار کرتے اور اپنی تھکاوٹ سفر کے دوران کچھ اُدگھ کر۔۔۔ اور کچھ سو کر زور کرتے۔

1940ء میں ان کا قد پانچ فٹ ساڑھے دس انچ اور معمول کا وزن 112 پونڈ تھا۔⁴

(جو پاسپورٹ انہیں 1946ء میں کراچی سے جاری ہوا تھا اس میں ان کا قد پانچ فٹ ساڑھے گیارہ انچ درج ہے)⁵ اپنی ذمہ داریوں اور مصروفیات کی وجہ سے وہ ایک ایک اونس کر کے اپنا وزن کھورہے تھے۔ وہ اپنی صحت اور اس قسم کے دیگر معاملات سے قطعی طور پر بے نیازی برت رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس قسم کے "نجی" معاملات اُن کے کام میں حائل ہوں۔

نومبر 1940ء میں وہ مرکزی قانون ساز اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے بمبئی سے دہلی روانہ ہوئے۔ محترمہ فاطمہ جناح اُن کے ساتھ شریک سفر تھیں۔ وہ ٹرین میں بستر پر لیٹے ہوئے تھے کہ اچانک زور سے چلائے۔ محترمہ فاطمہ جناح لپک کر اُن کے پاس پہنچیں اور اُن سے اس طرح بلبلا اُٹھنے کی وجہ دریافت کی۔ درد کی شدت نے اُن کی قوت گویائی سلب کر دی ہوئی تھی۔ چنانچہ کچھ کہنے کی بجائے وہ انگلی سے ریزہ کی ہڈی کے نیچے دائیں جانب صرف اشارہ کر کے رہ گئے۔ چلتی ٹرین میں طبی امداد کا ملنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے درد کم کرنے کے خیال سے اُن کے جسم کے متاثرہ حصے کو آہستہ آہستہ ملنا اور دبانا شروع کر دیا۔ ایسا کرنے سے وہ مزید

ان دنوں بمبئی کا گورنر سر راجر لیملی (Sir Roger Lumley)، لارڈ لینتھگو

(1952ء-1877ء Lord Linlithgow) کو اسرے ہندوستان کی آئینی تبدیلیوں کے منصوبے کے حوالے سے اُن سے مل کر اُن کی رائے جاننے کا خواہش مند تھا۔ اس سلسلے میں اس نے انہیں ملاقات کی دعوت بھیجی۔ لیکن انہوں نے اپنی طبیعت کی ناسازی کی بناء پر معذرت کر لی۔¹³ ایسا بہت کم ہوا تھا کہ انہوں نے صحت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر سیاسی کنارہ کشی کی ہو۔ ان دنوں وہ گھر میں اپنے کمرے کی مقدس تنہائی میں لیئے مسلم مسائل سے بچنے کے لئے اپنے وجود کو اپنی مضبوط قوت ارادی سے مستحکم کرتے رہے۔

1941ء-1940ء کے دو برسوں کے دوران انہوں نے اوسطاً پانچ مرتبہ اپنے ڈاکٹروں سے مشورہ لیا۔ اُن کے مسلسل گھر پر آرام کرنے کی وجہ سے اخبارات میں اُن کی صحت کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ اُن کے دوست احباب اور عقیدت مند خبریں پڑھ کر دست بہ دعا ہو جاتے تھے۔ اُن کے ایک دوست "میجر گارڈنر نے تو انہیں دعا کے ساتھ ساتھ ایک ایسی دوا بھی تجویز کر دی جو اُن کی نسبت گاندھی جی (1948ء-1869ء)¹⁴

کیلئے بہت زیادہ موزوں تھی۔ انہوں نے اپنے ایک خط میں انہیں لکھا کہ

"دودھ سے بہتر دنیا میں کوئی غذا نہیں۔ بشرطیکہ اُسے اُبالا نہ جائے۔ نہ پاستری طریقے سے اس کے جراثیم ہلاک کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے علاوہ انڈے دودھ میں پھینٹ کر کھائیے۔ انڈے اگر کچے کھا سکیں تو کیا کہنا۔ تازہ پھل اور ترکاریاں خوب کھائیں۔"¹⁵

نسخہ پڑھ کر یقیناً وہ مسکرائے ہوں گے۔ وہ اُن لوگوں سے تھے جو کھانے کے لئے زندہ نہیں تھے بلکہ زندہ رہنے کے لئے کھاتے تھے۔ اُن کا مسئلہ خوراک نہیں تھا بلکہ آرام تھا۔ انہوں نے 3 مئی کو اُن کے خلاصہ مشورے کا جواب یوں دیا۔

"میں بے حد کمزوری اور تھکاوٹ محسوس کر رہا ہوں۔"

مدراس میں ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد انہیں بتایا کہ اُن کو معمولی نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے، اُس نے انہیں ایک ہفتہ کیلئے مکمل آرام کا مشورہ دیا۔

اپنی کمزوری کے باعث وہ مدراس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب نہ کر سکے لیکن اگلے دن وہ خطاب کے لئے بصد تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح نے اُن کی ضد کے سامنے ہتھیار پھینکتے ہوئے درخواست کی کہ وہ مختصر خطاب فرمائیں گے۔ اُس کا انہوں نے وعدہ کر لیا مگر جب وہ خطاب کیلئے کھڑے ہوئے تو انہیں اپنی بیماری اور وعدہ دونوں ہی بھول گئے اور وہ دو گھنٹے سے زیادہ بولتے رہے۔⁹

جون 1942ء میں وہ ریاست میسور کے دورے پر تھے۔¹⁰ مہاراجہ میسور نے اپنے وزیراعظم کے ذریعے خصوصی طور پر آپ کو یہاں کے دورے کی دعوت دی تھی۔¹¹

آپ ایک روز بنگلور بھی رہے۔ میسور کی نندی پہاڑی کا علاقہ بہت ہی صحت افزا مقام تھا۔ یہاں کی آب و ہوا اور فضا اُن کے لیے بہت موزوں ثابت ہو سکتی تھی۔ محترمہ فاطمہ جناح نے نہایت اصرار کر کے انہیں کچھ دن قیام کا مشورہ دیا۔ جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ نندی ہل میں اُن کا قیام پندرہ دن رہا۔ اس قیام کے دوران اُن کی ملاقات مہاراجہ میسور سے بھی ہوئی۔ اُن کے علاوہ وہاں کے مقتدر لوگوں سے بھی اُن کے روابط ہوئے۔ وہ ایک ہفتے کے لئے اوناکنڈ بھی گئے۔ یہ مدراس کا گرمائی دار حکومت تھا۔ یہ جگہ میسور سے 80 میل کے فاصلے پر تھی۔¹²

وہ خالصتاً آرام کی غرض سے یہاں قیام پذیر ہوئے تھے۔ انہیں آرام سے جو صحت حاصل ہوئی، وہ واقعی تھی۔ کیونکہ "وہ آہستہ آہستہ حملہ کرنے والی بیماری" جس نے ان کی پوری طاقت کو نچوڑ لیا تھا، اب ناقابل علاج ہو چکی تھی۔

اس سال پورے موسم سرما میں اُن کی طبیعت خراب رہی۔ وہ مسلسل کھانسی اور ہلکے پھلکے بخار میں مبتلا رہے۔ وہ مستقلاً گھر پر قیام پذیر رہے۔ میل ملاقات انہوں نے انتہائی محدود کر دی۔

"یہ آپ کی بڑی نوازش ہے۔ لیکن شکر ہے کہ مجھے کوئی تشویش ناک بیماری نہیں۔ یہ سارا فساد کام کی زیادتی کا ہے۔ میرا مقصد ہے کہ کچھ دن مکمل آرام کروں اور بالکل پرسکون زندگی بسر کروں یہی میرے درود کا درماں ہے۔" 16

وہ اپنی گفتگو میں اور خط و کتابت میں کبھی اپنی ذات اور بیماری کو زیر بحث نہ لاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کی زندگی کے اہم گوشوں اور بیماری کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتی۔ وہ اپنی طبیعت کی خرابی کو ہمیشہ تھکاوٹ ہی سے منسوب کیا کرتے تھے۔ پچھپھڑوں کی جھلی کا درم، مسلسل تھکان اور بے آرامی جس کی وجہ سے اُن کو کئی کئی روز بخار اور کھانسی کی اذیت رہتی تھی۔ وہ اس حالت میں تھے جس میں انہیں آرام کی سخت ضرورت تھی۔ مگر وہ مسلم عوام کے پاس جانے کے لئے سخت بے چین رہتے تھے۔ اپنے عظیم مقصد کا جوش و خروش اُن کے تھکے ماندے جسم کو انتہائی قوت بخشتا تھا۔

اپنے جوش میں وہ اپنی بیماری، تھکن، کمزوری اور بخار کو بھولے رہتے تھے۔ وہ جب جلسوں میں لوگوں سے خطاب کرتے تھے تو اُن کے لب و لہجہ سے اُن کی بیماری کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ ہر وقفے کے دوران حاضرین جلسہ قائد اعظم زندہ باد کے نعرے لگاتے اور وہ اپنی آواز کو عوام کے دلوں میں پیدا ہونے والی اُمیدوں، اُمنگوں اور مسرتوں کے ساتھ ساتھ بلند سے بلند تر کرتے چلے جاتے۔ جواب تک خود کو کھلے آسمان تلے بولناک اندھیرے کی قید میں محسوس کر رہے ہوتے تھے۔ اُن کی قوم ہرگز نہیں جانتی تھی کہ اس کا لیڈر کس قدر تھکا ماندہ مضطرب، جسمانی طور پر کمزور اور بیمار تھا۔ وہ اپنی قوم کے ہیرو تھے اور ہیرو کے ہیرو پن کو بھلا کون الزام دے سکتا تھا۔ 17

1942ء میں سیرا یلن رینچ (Sir Evelyn Wrench) کی ملاقات اُن سے بمبئی میں ہوئی۔ اُنہوں نے دوران گفتگو اُن سے پوچھا کہ اُن کا ذریعہ تفریح کیا ہے اور وہ فراغت کے وقت اپنے فرائض منصبی کی فکریں کیوں کر بھلاتے ہیں۔

اُنہوں نے جواب دیا۔

"میرا پیشہ اس نوعیت کا ہے کہ مجھے تفریح کیلئے وقت ہی نہیں ملتا۔" 18

تفریح کا شغل اُن کی زندگی میں کہیں نہ تھا۔ بالعموم وہ مصروفیات سے گھر واپس آ کر کمرے کی مقدس تنہائی میں لیٹ جاتے اور ہانپتے ہانپتے سانس لیتے۔ تاریخ کے دوسرے بہت سے مشاہیر کی طرح وہ تنہائی میں زیادہ آرام محسوس کرتے تھے اور اُن کے اندر دھکتی ہوئی آگ قوم کے دلوں کو زور سے بھی گرمائے رکھتی تھی۔ خوش قسمتی سے وہ اپنی مرضی کے مطابق سو جانے کی صلاحیت کے بھی مالک تھے۔ چنانچہ دن بھر کی پریشانیاں اور تفکرات ان کے تحت الشعور کے باہر تک ہی محدود رہتیں تھیں۔ حتیٰ کہ وہ گہری نیند کی حالت میں بھی اُن کے خیالات میں نہیں اُتر پاتی تھیں۔ ہر صبح کے ساتھ اُن کے نام تازہ خطوط تازہ درخواستیں آ جاتیں اور نئے نئے مسائل اور بھاری بھر کم معاملات فیصلوں کے منتظر ہوتے تھے۔ 19

مئی 1943ء میں وہ ایک بار پھر اپنی مصروفیات کی وجہ سے تھکاوٹ کا شکار ہو گئے۔ 20 تھکاوٹ کی وجہ سے انہیں باکا ہلکا بخار مسلسل رہنا شروع ہو گیا۔ حسبِ عادت اُنہوں نے اس کیفیت کو کوئی اہمیت نہ دی۔ نتیجہً وہ بستر سے لگ گئے۔ کوئی ایک ماہ تک اُن کی سیاسی سرگرمیاں معطل رہیں۔ علاج معالجے اور کچھ دن بستر پر آرام کی وجہ سے وہ اگرچہ صحت یاب ہو گئے لیکن اُن کے ڈاکٹروں کا مشورہ تھا کہ وہ چند دن کسی پُر فضا پہاڑی مقام پر گزاریں۔ تاکہ وہ اپنی بیماری سے کھوئی ہوئی طاقت اور صحت دوبارہ حاصل کر لیں۔ اُنہوں نے اس سلسلے میں کوئٹہ (بلوچستان) کے انتخاب کو پسند کیا۔ وہ ایک عرصہ سے بلوچستان کا دورہ کرنا چاہتے تھے۔ اُن کے مجوزہ پاکستان کی تسبیح بلوچستان کے بغیر نامکمل تھی۔ اب انہیں یہ موقع میسر آ رہا تھا کہ آرام کے ساتھ ساتھ وہاں مسلم لیگ کی تنظیم سازی کرتے اور وہاں کے مسائل اور معاملات کو سمجھتے۔ یہ علاقہ ایسا تھا کہ وہ وہاں سے پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد سے بھی بہ آسانی روابطہ رکھ سکتے تھے۔

بلوچستان مسلم لیگ کے صدر قاضی عیسیٰ خان (1976ء-1913ء) جنہوں نے

بلوچستان کی طرف سے قرارداد پاکستان کی حمایت کی تھی، وہ بھی مسلسل انہیں بلوچستان آنے کی دعوت دے رہے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح کو قطعاً یہ اندازہ نہیں تھا کہ انہوں نے آرام کے پروگرام میں مصروفیات کے سلسلے شامل کر لیے تھے۔ وہ خوش تھیں کہ کوئٹہ جیسے بڑے فضاء مقام پر ان کا بھائی صرف آرام کرنے گا اور اس کی صحت بحال ہو جائے گی۔

طبیعت سنہلتے ہی وہ سندھ کے دورے پر روانہ ہو گئے جہاں انہوں نے سندھ مسلم لیگ کے 13 جون کے ایک اہم اجلاس میں شرکت کی۔ 21 سندھ مسلم اکثریت کا اہم صوبہ تھا۔ مجوزہ پاکستان میں اس کی اہمیت کے پیش نظر یہ ان کی خصوصی توجہ کا مرکز تھا۔ یہاں کے سیاست دان جو کہ بالعموم زمیندار تھے، سیاست میں اپنی ذات کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ تمام عرصے بھول کر قومی دھارے میں شریک ہو کر اہم کردار ادا کریں۔ چند دن یہاں قیام کر کے انہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اہم لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور چند اجتماعات سے بھی خطاب کیا اور پھر 25 جون 1943 کو ٹرین کے ذریعے کوئٹہ روانہ ہو گئے۔

قائد اعظم محمد علی جناح 25 جون 1943 کو بلوچستان کے صدر مقام کوئٹہ پہنچے۔ قاضی محمد عیسیٰ خان، ارباب کرم خان موسوی عبدالرشید، پیر احمد خان زئی، حاجی صولت خاں ترین، عبدالغفار اچکزئی، حاجی ناصر علی پیرزادہ، سردار محمد علی رئیسانی، سیٹھ یوسف علی، رانا ولی محمد، خان کلیم اللہ خان، خان محمد غازی خان، راجہ عدالت خان، ملک کرم الہی ایڈوکیٹ، شیخ منظور احمد وکیل، یحییٰ بختیار، خان آف قلات کے پرائیویٹ سیکرٹری عبدالرؤف خان کے علاوہ کارکنان مسلم لیگ، مسلم سٹوڈنٹس سکاؤٹس، اسلامیہ ہائی سکول، اراکین بچہ مسلم لیگ اور ہزاروں افراد ان کے استقبال کو پیش پیش تھے۔ 22 ان کو ایک شاندار جلوس کی صورت میں قاضی عیسیٰ خان کی رہائش گاہ پر لایا گیا۔

راستے آرائشی جھنڈیوں کے ساتھ ساتھ ان کی تصاویر اور تقریروں کے چیدہ چیدہ نقروں سے سجے ہوئے تھے۔ ان کا والہانہ استقبال اس بات کا گواہ تھا کہ اہل بلوچستان ان کے نظریات و خیالات سے متفق تھے۔ اور پاکستان کے حصول میں وہ ایک اہم کردار ادا کرنے کے

لئے تیار تھے۔ ان کا یہ دورہ سیاسی کم تھا۔ آرام کی غرض سے زیادہ تھا۔ لیکن اہل بلوچستان کی محبت میں سرشار ہو کر وہ آرام کرنا بھول گئے اور انہوں نے علاقے کے اہم مسلم نمائندوں سے رابطے شروع کر دیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے پاکستان کی تعبیر اور تشریح کے لئے کوئٹہ میں عوام کے اجتماعات سے خطاب بھی کیا۔ انہوں نے 3 جولائی 1943 کو کوئٹہ میں بلوچستان مسلم لیگ کے تیسرے سالانہ اجلاس میں کہا۔

مسلمان ایک عبوری دور سے گزر کر استقلال کی راہ پر گامزن ہیں۔ اسلامی اکثریت کے تمام صوبوں میں مسلم لیگ کی وزارتیں قائم ہو چکی ہیں۔ بنگال، پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد سب کے سب معاشرتی اصلاحات اور ثقافتی و اقتصادی ترقی کے لئے کوشاں ہیں۔ آسام کی وزارت میں بھی مسلم لیگ ہی کا اقتدار ہے۔ تاریخ شاید ہے کہ مسلمان آج سے پہلے کبھی اس قدر متحد نہیں ہوئے تھے جتنے وہ آج ہیں۔

اب وہ وقت آ گیا ہے کہ مسلمانان بلوچستان بھی اپنی گراں خوئی سے چونکیں اور امت مسلمہ کی صفوں میں شامل ہو جائیں۔ آپ کے صوبے میں بھی مسلم لیگ کا نظام روز بروز وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کی یہی بیداری قومی تعمیر کی بنیاد ثابت ہوگی۔ کسی قوم کو بیدار کرنا ایک بڑا کام ہے اور اس کو منظم کرنا اس سے بھی دشوار عمل ہے۔

میں اہل بلوچستان سے اپیل کرتا ہوں کہ اب وہ بھی بیدار ہوں۔ حسد و کینہ پروری اور ذاتی مفادات کو نظر انداز کر دیں۔ ذرا ذرا سے اختلافات، نجی قضیے اور قبیلوں کی توہم پرستیوں کو خیر باد کہیں۔ اگر انہوں نے اتنا کر لیا تو یقیناً بلوچستان آگے بڑھ کر ہندوستان میں

اپنا باعزت مقام حاصل کر لے گا۔

میں بلوچستان کے نوابوں کو یہ مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ وہ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کو نظر میں رکھیں۔

بلوچستان میں تعلیمی فقدان کی تمام تر ذمہ داری موجودہ نظم و نسق کی خامی پر عائد ہوتی ہے۔ یہاں کی شہری ترقی نہ ہونے کے برابر ہے۔ کوئٹہ جیسے مقام پر بھی مقامی حکومت کو خود اختیاری نہیں دی گئی ہے۔ حالانکہ ایسے شہروں میں جو کوئٹہ سے کمتر درجہ کے ہیں۔ منتخب بلدیات اور مقامی مجالس قائم ہیں۔ میں مرکزی مسلم لیگی جماعت کو اس کی پوری اطلاع دوں گا کہ وہ اس سلسلے میں مقتضہ میں آواز اٹھائیں۔

ان مشکلات سے باشندگان بلوچستان کو پست ہمت نہ ہونا چاہیے کہ اپنی تنظیم کریں اور مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں۔ دوسرے صوبوں کے مسلمانوں نے مسلم لیگ میں شریک ہو کر اسے ایک مستحکم عظیم بنا دیا ہے۔

کانگریس نے مسلم لیگ میں انتشار پیدا کرنے کے لئے بڑی باریک چالیں چلیں۔ لیکن آخر میں وہ سب ناکام ہو گئیں۔ جب ہم ہندوؤں کی برائی نہیں چاہتے اور ان میں افتراق نہیں پیدا کرتے تو پھر وہ کیوں اپنی حرکات سے باز نہیں رہتے۔²³

انہوں نے زور دے کر آخر میں کہا۔

یاد رکھو کہ مسلم کا خدا ایک ہے۔ قرآن ایک ہے اور پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ایک ہے۔ ہمارا پلیٹ فارم بھی ایک ہی ہونا چاہیے اور

ہماری آواز بھی ایک ہے اور ہمارا نصب العین فقط پاکستان ہے۔²⁴

قائد اعظم محمد علی جناح کو بلوچستان کی پسماندگی سے بہت دکھ پہنچا۔ انہوں نے تہیہ کیا وہ اس کی پسماندگی کو دور کرنے کیلئے بہت کوشش کریں گے۔

کوئٹہ کا موسم ان مہینوں جون، جولائی اور اگست میں بہت خوشگوار ہوتا ہے۔ مصروفیات کے ساتھ آرام جو کہ مصروفیات سے زیادہ تھا، نے ان کی صحت پر بہت اچھے اثرات مرتب کئے۔²⁵ 11 جولائی کو وہ خان آف قلات میر احمد یار خان کی دعوت پر قلات چلے گئے۔ ان کے ہمراہ ان کی بشیرہ محترمہ فاطمہ جناح، ایک سیکرٹری اور دو ذاتی ملازمین تھے۔ قلات سے وہ زیارت آ گئے۔ زیارت کی دعوت انہیں گورنر جنرل کے ایجنٹ سراو برائے مذاکف نے دی تھی۔²⁶ یہاں انہوں نے دو دن کیلئے قیام کیا۔ انہیں زیارت کی حسین وادی اور یہاں کے جونپور کے درختوں کے حسن نے بہت مسحور کیا۔ یہ وادی انہیں پہلی ہی نظر میں بہت پسند آئی۔ وہ اس کے قدرتی حسن اور سکوت کے ایسے اسیر ہوئے کہ بعد ازاں اپنی زندگی کے آخری ایام یہاں گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

بلوچستان میں ان کا قیام تقریباً 25 دن کا تھا۔ ان کے قیام کے دوران بلوچستان مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن بھی معرض وجود میں آئی جس کے پہلے صدر سردار زادہ خیر محمد خان ترین بنے گئے۔²⁷ 18 جولائی کو وہ کوئٹہ کی پرفضا موسم کے صحت پر اچھے اثرات اور اہلیان بلوچستان کی دلی تائید و حمایت لے کر براستہ سندھ روانہ ہو گئے اور 23 جولائی کو واپس بمبئی پہنچ گئے۔²⁸

بلوچستان کے دورے سے آئے ہوئے ابھی تین ہی دن ہوئے تھے کہ 26 جولائی 1943ء کو رفیق صابرنامی شخص جس کا تعلق خاکسار تحریک سے تھا، نے بمبئی میں قائد اعظم محمد علی جناح کی رہائش گاہ مالا باریل پر زبردستی گھس کر ان پر چاقو سے قاتلانہ حملہ کر دیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ دوپہر کے وقت ایک اجنبی مکان میں داخل ہوا اور کہا کہ وہ قائد اعظم سے ملنا چاہتا ہے۔ بڑے دروازے کا پٹھان چوکیدار اجنبی کو لے کر قائد اعظم کے سیکرٹری مطلوب الحسن سید۔

کو سمجھتے تھے انہوں نے خصوصی طور پر ایک اخباری بیان میں کہا کہ
 "اگرچہ یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا تاہم خدا کے فضل و کرم
 سے میرے کوئی شدید زخم نہیں آیا۔ میں اس وقت کچھ کہنا نہیں چاہتا
 مگر مسلمانوں سے پر امن رہنے کی اپیل کرتا ہوں۔ ہم سب کو شکر
 کرنا چاہیے کہ میں معجزانہ طور پر بچ گیا ہوں۔ مجھے یہ کہتے ہوئے
 دکھ ہوتا ہے کہ مجھ پر یہ بزدلانہ حملہ۔۔۔۔۔ ایک مسلمان نے کیا
 ہے۔" 31

ان پر حملے کی خبر پھیلنے ہی ان کے چاہنے والے ان کی رہائش گاہ پر جمع ہونے لگے۔ وہ
 ان کی ایک جھلک دیکھ کر اپنے اندیشوں کی تردید کرنا چاہتے تھے۔ ان کی بیٹی "دینا" جس نے
 اپنی پسند کی شادی ایک پارسی نژاد عیسائی نیول واڈیا 32 سے کی تھی۔ اس وجہ سے باپ بیٹی کے
 تعلقات میں کشیدگی آگئی ہوئی تھی، وہ بھی بے چین ہو کر اپنے باپ کی عیادت کو چلی آئیں۔ 33
 قائد اعظم کی خیریت معلوم کرنے کیلئے ملک کے گوشے گوشے سے ہزاروں تار آئے۔
 ان دنوں مسلم لیگ کا ایک وفد صوبہ سرحد کا دورہ کر رہا تھا۔ جہاں ایک ضمنی انتخاب ہو رہا تھا۔ خبر سننے
 ہی پٹھانوں کے ایک ہجوم نے جن کے چہروں پر فکر و پریشانی کے آثار تھے، لیگی لیڈروں کی قیام گاہ
 پر دھاوا بول دیا۔ ان کا اصرار تھا کہ قائد اعظم انہیں خود یقین دلائیں کہ وہ خیریت سے ہیں۔ "انہیں
 اخبارات کی یقین دہانیوں پر بھروسہ نہیں تھا۔ چنانچہ بمبئی فون کیا گیا اور قائد اعظم کو تمام صورت حال
 سے آگاہ کیا گیا۔ انہوں نے ان کی اس خواہش کا احترام کیا اور ان کے چند نمائندوں سے نیلی فون
 پر گفتگو کر کے اپنی خیریت کا یقین دلایا۔ اور انہیں خصوصی طور پر ہدایت کی کہ

میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، اسے بھول جانا چاہیے اور اپنی
 تمام تر قوت انتخاب جیتنے پر مرکوز کر دیجئے جو ہم پاکستان کی

(1984ء-1915ء) کے پاس لے آیا۔ انجینی نے سیکرٹری سے بھی یہی کہا کہ وہ ان سے ملنا
 چاہتا ہے۔ سیکرٹری نے انجینی کو سمجھایا کہ وہ پہلے سے وقت مقرر کر کے لوگوں سے ملتے ہیں اور اگر وہ
 اپنی آمد کا مقصد تحریر یا تادیب کے لیے وقت اور تاریخ لینے کی کوشش کرے گا۔ اس اثنا میں
 قائد اعظم محمد علی جناح کسی فائل کی تلاش میں اپنے سیکرٹری کے کمرے میں داخل ہوئے، انہیں
 دیکھتے ہی وہ چیخ کر ان سے کہنے لگا کہ اسے چند منٹ دیئے جائیں۔ انہوں نے انتہائی نرمی
 سے سمجھایا کہ آج وہ بہت مصروف ہیں اور ان کا سیکرٹری ان کو کوئی وقت دے دے گا۔ اس پر اس
 انجینی نے جیب سے چاقو نکال لیا اور ان کی گردن پر حملہ کرنے کی نیت سے جھپٹا۔ انہوں نے ہاتھ
 بلند کر کے اس حملہ کو روکنے کی کوشش کی۔ خوش قسمتی سے قاتل کا نشانہ بھی چوک گیا۔ سیکرٹری
 مطلوب الحسن سید اور پٹھان چوکیدار نے بھی پھرتی دکھاتے ہوئے تھوڑی جلد جہد کر کے حملہ آور پر
 قابو پا لیا۔ تاہم اس جلد و جہد میں قائد اعظم محمد علی جناح کے چہرے اور گردن پر زخم آئے۔ 29

قائد اعظم کی جان پر قاتلانہ حملہ پاکستان کے دشمنوں کی ایک انتہائی بزدلانہ حرکت
 تھی۔ یہ منصوبہ سوچا سمجھا تھا۔ وہ اس حملے سے قطعاً ہشت زدہ نہیں ہوئے۔ بلکہ ڈاکٹر سے زخموں
 کی پٹی کروا کر وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ ان کی ذات پر حملے کے کئی فسانے بن سکتے
 تھے۔ اخبار والے تو بڑھاپے کا خبر کو جانا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ کسی بھی موقع ہنگامے کے پیش
 نظر آپ نے فوراً ایک اخباری بیان جاری کیا جس میں بتایا گیا کہ رفیق صابر نامی ایک شخص نے
 انہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ مسلم عوام کو یہ معلوم ہو جائے کہ کسی ہندو نے ان کی
 زندگی پر حملہ نہیں کیا تھا ورنہ اس خبر کے عام ہوتے ہی فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو جانے کا اندیشہ
 تھا۔ 30

وہ کسی قسم کی سستی شہرت کے قائل نہ تھے۔ اخبارات اور عوام میں موضوع گفتگو بنے
 رہنے کے لیے وہ کسی قسم کے سکیڈل یا افواہوں کا سہارا نہیں لیتے تھے۔ اخبارات میں جب یہ خبر
 جلی سرخیوں کیساتھ شائع ہوئی تو مسلم عوام تڑپ کر رہ گئے۔ قائد اعظم مسلم عوام کی محبت اور عقیدت

بنیاد پر لڑ رہے ہیں۔³⁴

اس موقع پر ان کے قریبی دوست مرزا ابوالحسن اصفہانی (1981ء-1902ء) نے

انہیں 28 جولائی کو ایک پرتشویش خط لکھا جو ہندوستان کے مسلمانوں کی ترجمانی کرتا تھا۔

"ہندوستان کے مسلمانوں پر خدا تعالیٰ کا بڑا فضل و احسان

ہے کہ اس نے آپ کو قاتل کے خنجر کا دار و روئے کیلئے حاضر

دماغی و طا کر کے آپ کی جان بچالی۔ خدا کرے کہ آپ جلد

تندرست ہو جائیں اور اپنی قوم کی خدمت اور رہنمائی کے

لیے تادیر زندہ و سلامت رہیں۔" ³⁵

یہ حملہ ان کی ذات پر نہ تھا بلکہ پاکستان پر تھا۔۔۔ اگر خدا خواستہ یہ حملہ کامیاب ہو

جاتا تو شاید۔۔۔ پاکستان کا خواب۔۔۔ خواب ہی رہ جاتا۔ ان کی زندگی بچ جانے پر

ہندوستان کے مسلمانوں نے 13 اگست کو یوم تشکر منایا۔ ³⁶ اس موقع پر انہوں نے اپنے ماننے

اور چاہنے والوں کو نہ امن رہنے کی تلقین کی اور انہیں کسی قسم کے گروہی اختلافات میں الجھنے سے

باز رکھنے کی اپیل کی۔

اس واقعہ کے بعد سے مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا عمل وجود میں آیا۔ سرگرمی یونیفارم میں

لیگ کے نیشنل گارڈ نواب صدیق علی خان (م-1974ء) کی قیادت میں ان کی حفاظت کے لئے

ہر جگہ رہنے لگے۔

مئی 1944ء میں وہ آرام کی غرض سے کشمیر میں تھے۔ وہ مکمل طور پر ہندوستان کی

سیاست سے دور صرف آرام کرنا چاہتے تھے۔ انہیں آئندہ کے معرکوں میں اس کی بہت ضرورت

تھی۔ کشمیر میں اپنے آرام کے حوالے سے انہوں نے مرزا ابوالحسن اصفہانی کو لکھا۔

یہاں آنے کے چند دن کے اندر ہی تبدیلی آب و ہوا اور

آرام کی بدولت مجھے اپنی طبیعت بہت بہتر معلوم ہونے لگی

ہے۔ سات برس کی سخت مشقت کے بعد یہ پہلی چھٹی ہے جو

میں لے رہا ہوں اور مجھے اس کی ضرورت بھی ہے۔ ³⁷

اپنے کشمیر کے قیام کے دوران وہ ہندوستان کے حالات و واقعات سے بے خبر نہ

رہے۔ انہوں نے اس حوالے سے اپنے مخصوص افراد کو تاکید کی ہوئی تھی کہ انہیں اہم امور کے

بارے میں مطلع کرتے رہیں۔ ان کی اہم ڈاک بھی انہیں یہیں پہنچادی جاتی تھی۔ انہیں سری نگر

ہی میں گاندھی جی (موہن داس کرم چند گاندھی 1948ء-1869ء) کا 17 مئی کو لکھا ہوا خط ملا جو

انہوں نے گجراتی زبان میں لکھا تھا انہوں نے لکھا۔

بھائی جناح!

کبھی وہ دن بھی تھا کہ میں آپ کو اس پر آمادہ کر سکتا تھا کہ

مادری زبان (گجراتی) میں باتیں کریں۔ آج میں اسی

زبان میں لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ میں نے آپ کو اس

وقت ملنے کی دعوت دی تھی جب میں جیل میں تھا۔ جب سے

میں رہا ہوا ہوں، میں نے آپ کو خط نہیں لکھا۔ لیکن آج میرا

دل کہتا ہے کہ مجھے چاہیے کہ آپ کو لکھوں۔ آپ جب چاہیں

ہم ملیں گے۔ مجھے آپ اسلام کا اور اس ملک کے مسلمانوں کا

دشمن نہ سمجھئے۔ صرف آپ کا نہیں بلکہ میں ساری دنیا کا

دوست اور خادم ہوں۔ مجھے مایوس نہ کیجئے۔ ³⁸

قائد اعظمؒ اپنے نظریات اور خیالات میں اتنے واضح تھے کہ انہیں کسی سے بھی بالمشافہ

گفتگو کرتے ہوئے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوتی تھی۔ وہ گاندھی جی سے بات چیت کرنے کو تیار

تھے۔ انہوں نے کشمیر سے واپسی سے قبل انہیں خط کے ذریعے مطلع کر دیا کہ ان کی واپسی اگست

کے وسط تک ہوگی اور وہ انہیں بمبئی میں مل کر بہت خوش ہوں گے۔

مکمل ہوتا۔ ظاہری وضع قطع کا یہ فرق بہت اہم تھا۔ گاندھی قوت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ جناح خود مجسم قوت تھے۔ سیاسی معاملات میں جناح کا رویہ بالکل غیر جذباتی اور منطقی تھا۔ ان کا دائرہ فکر محدود تھا۔ لیکن اُن میں بے پناہ ذہنی قوت تھی۔ گاندھی اور جناح میں یہی بنیادی فرق تھا۔ " 40

ان دونوں کے دوسرے معالج ڈاکٹر نیل (1976ء۔ 1899ء) تھے جو کہ بمبئی میں پرنٹس کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ہیکٹر بولا کیٹھو مصنف پاکستان کا بانی، محمد علی جناح کو ایک ملاقات میں بتایا کہ جب انہوں نے ستمبر 1944ء میں ان کا معائنہ کیا تو اس وقت وہ مہاتما گاندھی سے ملاقاتوں میں مصروف تھے۔ ان کے خون کا دباؤ 90 تھا۔ وہ بہت کمزور اور نحیف تھے۔ انہوں نے انہیں مقوی دوائیں کھانے کی ہدایت کی۔ انہیں چپش کی شکایت تھی اور اس کے ساتھ انہیں کھانسی اور سینے میں درد تھا۔ ان کے پھیپھڑے نمونیا سے متاثر لگتے تھے۔ انہوں نے ان کے سینے کے ایکس رے لیے جس سے ان کے نمونے کی تصدیق ہو گئی۔

ڈاکٹر نیل کی تجویز کردہ دوائیوں سے انہیں کافی افادہ ہوا۔ اُن کے مشورے پر انہوں نے چند دن آرام بھی کیا۔ جس سے اُن کا وزن اٹھارہ پونڈ بڑھ گیا۔ ان کی صحت یابی کی خبریں اخباروں میں چھپیں، اُن کے سنے معالج ڈاکٹر نیل کا نام بھی آیا۔ وہ اخبار میں اپنا نام پڑھ کر اُن کے پاس گئے اور کہنے لگے۔

"دیکھئے کسی احمق نے میرا نام بھی اخباروں میں چھپوا دیا۔"

اس پر وہ کہنے لگے۔۔۔ وہ احمق میں ہی ہوں جس شخص نے میری اتنی خدمت کی، اس کا شکریہ میں کیوں نہ ادا کرتا۔ 41

قائد اعظم کے معالجوں میں ہم ازراہ تفتن گاندھی جی کا نام بھی لے سکتے ہیں۔ ستمبر 1944ء کی مشہور و معروف گاندھی جناح ملاقاتیں جہاں دو پرانے حریفوں کا سیاسی دنگل تھا

قائد اعظم محمد علی جناح کی گاندھی جی سے ملاقات اگست میں ممکن نہ ہو سکی کیونکہ وہ سری نگر سے واپسی پر سری، راولپنڈی، جہلم، گجرات، گوجرانوالہ، لاہور اور دیگر کئی شہروں میں عوامی اجتماعات اور جلسوں سے خطاب کرتے ہوئے بمبئی پہنچے۔ بمبئی پہنچتے ہی وہ مصروفیات اور سفر کی تھکان سے بیمار ہو گئے۔ اپنی بیماری کے حوالے سے انہوں نے اپنے ایک دوست کو لکھا۔

"سری نگر سے واپسی پر ہر جگہ لوگوں نے بڑی محبت اور جوش و خروش سے میرا استقبال کیا۔ میں نے حتی الوسع اُن کی ہر خواہش پوری کی لیکن میرا جسم ان ہنگاموں اور جلسوں جلوسوں میں شرکت کا بار نہ اٹھا سکا اور میں تھکان سے بیمار ہو گیا۔ بہر حال اب میں تقریباً بالکل اچھا ہوں اور امید ہے کہ جلد ہی اپنا کام پھر سنبھال لوں گا۔" 39

اپنی اس تھکان اور بیماری میں وہ ڈاکٹر ڈنشا، کے، مہتہ کے زیر علاج رہے۔ ڈاکٹر ڈنشا، کے، مہتہ غیر طبی تھراپی کیلئے اور خاص طور پر بائیو تھراپی، الیکٹرو تھراپی اور فیزیو تھراپی کے حوالے سے مشہور تھے۔ انہیں اصرار تھا کہ وہ اپنا طویل المدت علاج کروائیں۔ مگر وہ اس کے لئے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

ستمبر 1944ء میں انہیں پھر اپنی صحت کے سلسلے میں دو ڈاکٹروں سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر گاندھی جی کا علاج بھی کر رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جناح اپنے معالج کے ساتھ اچھی طرح تعاون کرتے تھے۔ اس نے ان دو مریضوں کا موازنہ کچھ ایسے کیا ہے۔

"بہ حیثیت سیاست دان جناح لوگوں سے ذرا دور دور

رہتے۔ گاندھی اپنے معتقدین کے سامنے نیم برہنہ رہتے۔

مگر جناح جب اپنے پیروؤں کے سامنے آتے تو ان کا لباس

میں ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ لارڈ ویول ہندوستان کے وائسرائے سے اُن کی ملاقات متوقع تھی، وہ بھی منسوخ ہو گئی۔ وائسرائے کو بتایا گیا کہ

"ان پر پلورسی کا اثر ہے اور شاید انہیں کچھ عرصے کیلئے صاحب فراش رہنا پڑے۔" 44

معالجوں کے اصرار پر انہیں کچھ دن بستر پر گزارنے پڑے۔ ان دنوں انہوں نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ

"مجھے بڑے افسوس سے آپ کو مطلع کرنا پڑ رہا ہے کہ میرے لیے کچھ عرصے تک کسی عوامی مصروفیت کو پورا کرنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے مکمل آرام کا سختی کے ساتھ حکم دیا گیا ہے۔ یہ حملہ (حالیہ بیماری) میرے لیے ایک خطرناک وارننگ تھا اور میرے معالج کا مشورہ ہے کہ کسی بھی حالت میں مجھے اُن کے تجویز کردہ مکمل آرام کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔" 45

بیماری (جس کا تفصیلاً ذکر آگے آئے گا) سے بہتر ہوتے ہی وہ پہلے سے زیادہ مصروف ہو جاتے تھے۔ وہ اس مہلت سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتے تھے جو وقت انہیں دے رہا تھا۔ اُن کی جدوجہد کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن حاصل کر لیں۔ اس کیلئے وہ اپنی صحت، بیماری، آرام، نیند کھانا پینا سب کو فراموش کئے ہوئے تھے۔ اس بے قاعدگی نے انہیں خطرناک حد تک کمزور کر دیا تھا۔ وہ اکثر اپنی مصروفیات میں کھانے کے لیے وقت نہ نکال پاتے۔ محترمہ فاطمہ جناح جب اس کا احساس دلاتیں تو انتہائی اخلاق سے کہہ دیتے "بس چند منٹ اور۔۔۔" جاؤ شروع کر دو۔ میں تمہارے ساتھ شریک ہو جاؤں گا۔ انہیں پہلے اپنا کام کرنا ہوتا تھا اور بعد میں کھانے یا کسی چیز کا خیال کرنا ہوتا تھا۔ 46 اس بے قاعدگی نے اُن کی بیماری کو زیادہ بڑھا دیا ہوا تھا۔

وہاں وہ گاہے گاہے اپنی تلخ سیاسی بحثوں کی بجائے اپنی روزمرہ کی بات چیت بھی کیا کرتے تھے۔ ایک دن قائد اعظم محمد علی جناح نے اپنے پاؤں کی تکلیف کے بارے میں گاندھی جی کو بتایا جس پر چکنا پڑ گیا ہوا تھا۔ یہ سنتے ہی وہ صوفی پر سے اتر کر فرش پر بیٹھ گئے اور بہ اصرار اُن کا جوتا اور موزہ اُتروا کر اُن کے پاؤں کا معائنہ کیا۔ وہ منظر کیسا ہو گا کہ قائد اعظم محمد علی جناح سوٹ بوٹ میں ہیں اور گاندھی جی اپنی دھوتی اور چادر میں اور زمین پر بیٹھے اُن کے پاؤں کا معائنہ کر رہے ہیں۔ گاندھی جی نے کچھ دیر پاؤں کا معائنہ کیا۔ چکنے پر ہاتھ پھیرا اور کچھ سوچ کر کہا کہ وہ سمجھ چکے ہیں کہ انہیں کیا تکلیف ہے۔ انہوں نے اگلی صبح انہیں دوا پہنچانے کا وعدہ کیا۔

اگلے دن چھوٹے سے ڈبے میں مٹی کا ایک مرکب آ گیا۔ لیکن انہوں نے یہ مرکب استعمال نہ کیا۔ اور اگلی ملاقات میں انہوں نے اپنے اس سیاسی حریف کا جیسے طیب ہونے کا دعویٰ بھی تھا، شکر یہ ادا کیا اور انہیں بتایا کہ وہ پہلے ہی ایک دوا کھا چکے تھے جس سے انہیں کافی افادہ تھا۔ 42

اگرچہ ہندوستان میں مسلم لیگ کے اور بھی مرکزی قائدین تھے۔ لیکن جو اعتبار و اعتماد قائد اعظم محمد علی جناح پر مسلم عوام کا تھا وہ کسی اور پر نہ تھا۔ وہ جب اجتماعات میں بھرپور دلایل کے ساتھ پاکستان کی بات کرتے تھے، لوگ ایمان کی حد تک ان پر یقین کرتے تھے۔ قرارداد لاہور سے قبل صوبوں میں بالخصوص مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلم لیگ کا کوئی مقام نہ تھا۔ اب نہ صرف اس کی تنظیم سازی ہو چکی ہوئی تھی۔ بلکہ وہ اب مضبوط و مستحکم جماعت بھی بن چکی تھی۔ یہ سب اُن کی ذات کا کرشمہ تھا۔ وہ چند سالوں سے مسلسل سفر میں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اب وہ عمر کے اس حصے میں تھے کہ جہاں انہیں اتنا کام نہیں کرنا چاہیے لیکن وہ بقول محترمہ فاطمہ جناح ایک ایسی روح تھی جو خدمت کے لئے بے قرار تھی۔ 43 جنوری 1945ء میں وہ بمبئی، احمد آباد، گجرات کے دورے پر تھے۔ اس سے چند دن قبل وہ کراچی میں اور اندرون سندھ میں مصروف عمل رہے تھے۔ اس مصروفیت نے انہیں ایک بار پھر تھکان اور بخار میں مبتلا کر دیا۔ وہ اتنے مضطرب اور کمزور ہو گئے کہ وہ لیگ کی کونسل کے طے شدہ اجلاس میں بھی شمولیت نہ کر سکے جو فروری کے اواخر میں دہلی

میں بمبئی میں نہ رہیں۔ کوئٹہ رہنے سے ان کی سیاسی سرگرمیاں متاثر نہیں ہوتیں تھیں۔ کیونکہ بلوچستان ان کے مجوزہ پاکستان کا حصہ تھا۔ اور اس صوبے کے ساتھ پنجاب، سندھ اور شمال مغربی صوبہ کی سرحدیں متصل تھیں۔ وہ بڑی آسانی سے وہاں بیٹھ کر سیاسی سرگرمیوں کا جائزہ لے سکتے تھے۔

جون 1943ء میں جب وہ وہاں آئے تو انہوں نے مسلم لیگ کی تنظیم سازی کی تھی۔ اب مسلم لیگ یہاں کی سب سے زیادہ مضبوط اور مقبول جماعت تھی۔ ان کے قیام سے صوبائی تنظیم کو مزید تقویت حاصل ہو سکتی تھی۔ یہ سب معاملات ان کے مد نظر تھے۔ چنانچہ وہ کوئٹہ میں آرام کی غرض سے قیام کے لیے راضی ہو گئے۔ انہوں نے 14 اپریل 1945ء کو خان آف فلات میر احمد یار خان کو اس ضمن میں ایک خصوصی خط لکھا جس میں انہوں نے ان سے اپنے کوئٹہ میں دو ماہ کے قیام کے لیے انتظامات کی درخواست کی۔⁴⁹ ان کا ارادہ تھا کہ وہ جولائی اور اگست کے مہینوں میں وہاں قیام کریں گے۔

قائد اعظمؒ کے ڈاکٹر انہیں کام اور بمبئی دونوں سے زور دیکھنا چاہتے تھے۔ عارضی طور پر وہ بمبئی سے قریب ایک پہاڑی علاقہ ماتھران چلے گئے۔ ان کی صحت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ لیکن جب وہ بیمار ہوتے یا چھٹی پر ہوتے تو بھی اپنا کام مکمل طور پر ترک نہیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ماتھران جانے سے قبل انہوں نے تمام متعلقہ لوگوں کو ہدایات جاری کیں کہ وہ ان سے ماتھران میں رابطہ میں رہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے مرزا ابوالحسن اصفہانی کو 15 اپریل کے ایک خط میں لکھا کہ

”میں آپ کو محض اطلاع دینے کے لئے یہ خط لکھ رہا ہوں کہ میری طبیعت اب بہت بہتر ہے۔ اور دو دن کے اندر میں بمبئی سے ماتھران روانہ ہو جاؤں گا۔ جو یہاں سے ایک قریبی پہاڑی مقام ہے اور وہاں جون کے پہلے ہفتے تک رہوں گا۔ میرا پتہ ریڈی منی ماتھران ہوگا۔ اور قدرتی طور پر میں توقع کروں گا کہ آپ بنگال کے

مارچ میں لاہور واپس آئے ہند (47-1943ء) انگلستان میں برطانوی کابینہ کو ہندوستان کا مختصر سیاسی خاکہ یوں پیش کر رہا تھا کہ صوبہ سرحد میں حکومت کی تبدیلی۔۔۔ مسلم لیگ کی سندھ، آسام اور پنجاب میں مشکلات کی وجہ سے قائد اعظم محمد علی جناح کا اختیار پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ ان کی صحت کے بارے میں اس کا تبصرہ تھا کہ وہ اتنے تندرست نہیں رہ گئے تھے۔ لیکن ان کے دماغ کے بارے میں اس کی رائے یہ تھی کہ وہ ہمیشہ کی طرح چاک و چوبند تھا۔⁴⁷ ان سے ان کے حوصلے کا قطعاً اندازہ نہ تھا جو انتہائی پُر عزم اور پختہ تھا۔

19 اپریل 1945ء کو ڈاکٹر ایس سی سین نے ان کی فلوریت بینی (Fluoroscopy)

اور ریڈیالوجیکل معائنہ کیا۔ جس سے یہ پتہ چلا کہ۔

پردہ شکم کے دائیں طرف والے نیم کروی چھت والے قبة (Dome) کی حرکت محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کے ایکسرے بتا رہے تھے کہ چونے کے نمکیات کے جمع ہونے سے بتدریج پتھر ٹپلی صورت اختیار کرنے والے گروہ دار پتھر گردے کے بالائی حصہ میں تھے۔ پردہ شکم پھولا ہوا تھا اور لیسڈار مادوں کے گچھوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس حصے میں نظر آنے والی کثافت شاید ریشہ دار گول پلکدار حل ناپذیر لچھے تھے۔⁴⁸

ان کی بیماری اور ان کے ٹیسٹوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹروں کی یہ رائے تھی کہ وہ تبدیلی آب و ہوا کے لئے کسی گرم اور خشک مقام پر چلے جائیں۔ ان کی نظر میں ان کے لئے کوئٹہ بہت موزوں مقام تھا۔ جون 1943ء میں وہ وہاں آرام کی غرض سے قیام کر چکے تھے۔ انہیں اس کی آب و ہوا بڑی راس رہی تھی۔ لیکن وہ تحریک پاکستان کو جس مقام پر لے آئے تھے، ان کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اس کو ایک طرف رکھ کر خود اپنی صحت کیلئے کسی پُر فضا مقام پر چلے جاتے۔

بمبئی کی مون سون ان کے لیے خطرناک تھی۔ ڈاکٹروں کا اصرار تھا کہ وہ کم از کم اس موسم

چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نظر آتے تھے جبکہ باقی حصہ صاف تھا۔

پھیپھڑوں کے درمیان کی جھلی۔ صاف اور واضح تھی۔

تجزیہ۔ حالیہ حملوں سے مکمل صحت یابی ہو چکی تھی اور بیماری کے کسی قسم کے اثرات موجود نہ تھے۔

کمر میں درد کی شکایت۔ ہڈیاں جزوی طور پر علیحدہ ہوئیں تھیں جس کی وجہ سے یہ تکلیف تھی۔ 52

قائد اعظم محمد علی جناح اپنے پروگرام کے مطابق کوئٹہ نہ جاسکے۔ کیونکہ مئی 1945ء میں یورپ میں دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد ہندوستان میں کانگریسی لیڈروں کو رہا کر دیا گیا تھا اور جون میں وائسرائے لارڈ ویل (47-1943ء) نے مرکز میں عبوری حکومت کے قیام کے لئے شملہ کانفرنس شروع کر دی تھی۔ یہ کانفرنس جولائی کے وسط میں ناکام ہو گئی۔ تو انہیں مزید دو ماہ دہلی، بمبئی اور کراچی کی سیاسی سرگرمیوں سے فرصت نہ مل سکی۔ بالآخر 14 ستمبر کو وہ اپنی ہمیشہ کے ہمراہ کوئٹہ پہنچ گئے۔ ریلوے اسٹیشن پر ایک بڑے جھوم نے ان کا استقبال کیا۔ خان آف قلات کا چیف سیکرٹری عبدالرؤف بھی استقبال کرنے والوں میں شامل تھا۔ اس نے خان آف قلات کا ایک خط بھی پیش کیا جس میں انہیں مستونگ اور قلات میں بھی کچھ دن آرام کرنے کی دعوت تھی۔ جسے انہوں نے انتہائی خوشی سے قبول کر لیا۔ اور اپنے 15 ستمبر کے خط میں اس کا شکریہ بھی ادا کیا۔ 53

کوئٹہ کی آب و ہوا ان کی صحت کے لئے اکسیر ثابت ہوئی اور چند ہی دنوں میں وہ اس قابل ہو گئے کہ اپنے معمول کے کام سرانجام دے سکیں۔ ان کی اہم ڈاک انہیں یہاں موصول ہو جاتی تھی۔ تاریلی گرام کے ذریعے وہ مسلم لیگ کے چیدہ چیدہ لوگوں سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے بلوچستان کے سیاسی و فوجی اہم شخصیات سے بھی ملاقاتیں شروع کر دیں اور انہوں نے چند اجتماعات اور جلسوں سے بھی خطاب کیا۔ اگرچہ وہ یہاں آرام کی غرض سے آئے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے اس قیام کے دوران جو سیاسی روابط یہاں قائم کئے وہ تحریک پاکستان میں انتہائی موثر ثابت ہوئے۔ خان آف قلات میر احمد یار خان ان کی کوئٹہ، مستونگ اور

واقعات نے مجھے حسب معمول مطلع کرتے رہیں۔ اگرچہ آج کل

میں کام نہیں کر رہا ہوں تاہم میں کسی بھی ایسے اہم واقعے سے جو

زور نہا ہو بالکل بے پرواہ نہیں رہ سکتا۔ " 50

مرزا ابوالحسن اصفہانی ان کی صحت، حوصلے اور جدوجہد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"مذکورہ بالا خط کے دو آخری جملوں سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان

کے کردار میں بے چینی کا ایک ایسا عنصر تھا جو انہیں آگے بڑھنے پر

مجبور کرتا تھا۔ یہاں تک کہ منزل مقصود حاصل ہو جائے۔ خواہ راستہ

کتنی ہی دشوار اور کام کتنی ہی سخت کیوں نہ ہو۔ ان کی سرگرم زندگی کی

لغت میں لفظ التوا کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ جلدی فیصلہ کرتے تھے

اور اپنے فیصلے پر بے غلت عمل کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں

کو ان سے واسطہ پڑتا ہے وہ بھی یہی کریں۔ " 51

ماہران میں قیام اور ڈاکٹروں کی توجہ اور علاج سے ان کی طبیعت بہت بہتر ہو گئی۔ وہ

شدید کمزوری جس کا وہ شکار ہو چکے تھے۔ ان کی بہن کی نگہداشت اور اچھی خوراک کی وجہ سے

بہت حد تک زور ہو گئی۔

جون 1945ء میں ان کے ٹیسٹ خاصے حوصلہ افزا تھے۔ ان کے ٹیسٹوں کے مطابق

کیفیت یہ تھی کہ

پردہ شکم۔ دونوں اطراف آزادی کے ساتھ اچھی طرح متحرک تھے۔ لیسدار مادے موجود نہ

تھے۔ اور کنٹور باقاعدہ تھے۔

پھیپھڑے کی جھلی۔ پھیپھڑے کی جھلی میں سوزش نہیں آئی تھی۔ بیماری کے حالیہ حملے کے آثار نہ

تھے اور نہ ہی کسی قسم کا نشان تھا۔

پھیپھڑے۔ دائیں پھیپھڑے کے دائیں جانب کے حصے میں چونے کے نمکیات کے پتھر کے

قلاں کی میزبانی میں مخصوص طور پر پیش پیش رہا۔ اس نے اپنی عقیدت کے اظہار کے طور پر اپنی روایت اور رواج کے مطابق قائد اعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کو سونے اور چاندی میں تول کردہ سونا اور چاندی اُن کی نذر کیا۔ اس زمانے میں اُن کا وزن 112 پونڈ تھا۔⁵⁴

اُن کا کوئٹہ میں قیام ایک ماہ سے زائد تھا۔ وہ 22 اکتوبر کو کوئٹہ سے کراچی آ گئے اور ملک کی ہنگامہ خیز سیاست میں دوبارہ عملاً مصروف ہو کر رہ گئے۔

اُن کے بلوچستان میں قیام کے دوران لیاقت علی خان (1951ء-1895ء) اور مرکزی پارلیمانی بورڈ اور کمیٹی آف ایکشن کے دوسرے ورکنگ کمیٹی اراکین نے مسلم لیگ کو اس کے نئی دہلی کے ہیڈ کوارٹر سے چلائے رکھا۔ یہ زمانہ انتخابات کا تھا۔ مسلم لیگ یہ انتخابات پاکستان کے نام پر لڑ رہی تھی۔ دسمبر میں مرکزی انتخابات ہوئے جس میں مسلم لیگ نے سونی صد کامیابی حاصل کی اور اکتیس کی اکتیس مسلم نشستیں جیت لیں۔⁵⁵ ان انتخابات میں مسلم لیگ نے 100 فی صد کامیابی حاصل کر کے ثابت کر دیا کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی اور پاکستان اُس کی منزل مقصود تھا۔

مرکزی انتخابات کے بعد صوبائی انتخابات کا مرحلہ تھا۔ مسلم لیگ کو خصوصی طور پر مسلم اکثریتی صوبوں میں ایسی مسلمان سیاسی جماعتوں کی مخالفت کا سامنا تھا جن کا دائرہ صرف صوبوں تک محدود تھا۔ 1937ء کے انتخابات میں انہی صوبائی جماعتوں کی وجہ سے مسلم لیگ اپنی نمائندہ حیثیت منوانے میں ناکام رہی تھی۔ لیکن اب صورت حال مختلف تھی۔ اس زمانے میں مسلم لیگ کے پاس کوئی انقلابی پروگرام نہ تھا۔ لیکن اب قائد اعظم محمد علی جناح کی شبانہ روز کوششوں سے پاکستان ایک عقیدہ بن چکا تھا۔

قائد اعظم محمد علی جناح بالعموم اپنا سفر ٹرین پر کرنا پسند کرتے تھے۔ انتخابات کے دنوں میں اُن کے لیے ایک آرام دہ سیلون مخصوص کروایا جاتا جس میں سپیکر کا بندوبست ہوتا۔ ٹرین جیسے ہی کسی اسٹیشن پر رکتی وہ اپنے ڈبے کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور ان مسلمان مردوں،

عورتوں اور بچوں سے حوصلہ افزا باتیں کرتے جو اپنے عظیم قائد کو دیکھنے کیلئے ذور دراز کا سفر طے کر کے آئے ہوتے تھے۔ وہ انہیں متحدر رہنے کی تلقین کرتے۔ مسلم لیگ کا پیغام بتاتے۔ پاکستان کی اہمیت بیان کرتے۔ ٹرین چلتے ہی وہ لیٹ جاتے اور نئے آنے والے اسٹیشن کے مجمع سے بات چیت کرنے کے لیے اپنی طاقت کو مجتمع کرتے۔⁵⁶ یہ ترتیب ایک یاد دہن کی نہ ہوتی تھی۔ کئی کئی دن یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں جب پرنٹ میڈیا اتنا ترقی یافتہ نہ تھا، پیغام پہنچانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ قائد اعظم نے اپنی عمر کے اس حصے میں جس تشدد سے اپنے جسم سے کام لیا اس نے انہیں اتنا متضلل کر دیا کہ وہ آسانی سے جان لیوا بیماریوں کا شکار ہو گئے۔

قائد اعظم کو اپنی بیماری کا ذکر کرنا پسند نہ تھا۔ وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کو بھی خط و کتابت میں اپنی بیماری کا لکھتے ہوئے گریز کیا کرتے تھے۔ عام نجی زندگی میں بھی وہ کبھی غیر رسمی گفتگو کے قائل نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے قریبی احباب ماسوائے محترمہ فاطمہ جناح نے اُن کے حوالے سے کسی بیماری یا کسی عارضہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ مسلم عوام انہیں اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ انہیں یقین واثق تھا کہ وہی ان کے لیے پاکستان کی منزل کو ممکن بنا سکتے تھے۔ وہ اُن کی صحت کے لیے دعا گو رہتے تھے۔ ان کی بیماری کی خبر مسلم عوام پر بجلی کی طرح گرتی تھی۔ لوگوں کے حوصلے کو قائم رکھنے کیلئے بھی ضروری تھا کہ اُن کی بیماری چھپائی جائے۔

نواب صدیق علی خان (سالار مسلم لیگ نیشنل گارڈ) تحریک پاکستان کے مخلص کارکنوں میں سے تھے۔ انہیں دہلی میں چوہدری خلیق الزماں (م-1973ء) کی رہائش گاہ پر جب قائد اعظم کی شدید بیماری کا پتہ چلا تو انہوں نے بے ساختہ چوہدری خلیق الزماں سے دریافت کیا تھا۔ اب کیا ہوگا؟۔۔۔۔۔ اب پاکستان کیسے بنے گا؟⁵⁷۔۔۔۔۔ ایسے جذبات تمام مسلمانوں کے تھے۔

وہ خود بھی جانتے تھے کہ لوگوں کے دلوں میں اُن کے لیے کس قدر محبت، عقیدت اور اُلفت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دانستہ اپنی علالت کی اندوہ گیر خبر کو چھپائے رکھا۔ مختلف

حلقوں میں جب اُن کی بیماری کی خبریں پھیلنا شروع ہوئیں تو انھوں نے فوری طور پر ایک اخباری بیان میں ان لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے اُن کی صحت کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا تھا۔ اپنی صحت کے حوالے سے وہ لوگوں کو مطمئن کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ

"میری صحت کے بارے میں کئی قسم کی افواہیں ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کسی قسم کی سنگین بیماری لاحق نہیں ہے۔ اور نہ مجھے کسی مرض یا کسی بیماری کی شکایت ہے۔

میں قطعی طور پر ٹھیک اور صحت مند ہوں۔ میں زیادہ کام کی وجہ سے تباہ و کا شکار ہوں۔ جس کی وجہ سے مجھے تھکن لاحق ہو گئی اور اس کا

ایک علاج ہے، وہ ہے آرام۔" 58

باقاعدہ علاج نہ کروانے کی ایک وجہ یہ تھی کہ اُن کے پاس اس کے لئے وقت نہ تھا۔ دوسرا وہ ڈاکٹروں پر بالعموم اس لیے اعتبار نہ کرتے تھے کہ اکثر اُن کی تشخیص اُن کے بارے میں درست نہ ہوتی تھیں۔

بہت عرصہ قبل انہیں معدے کی سخت تکلیف ہوئی تھی جس کے لیے انہوں نے لندن کے بعض ماہرین سے مشورہ کیا۔ لیکن وہ اُن کے مرض کی تشخیص نہ کر سکے۔ لندن میں ایک ڈاکٹر نے اُن کے لیے آپریشن تجویز کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس تجویز پر عمل نہ کیا۔ ایک اور ڈاکٹر کے مشورے پر وہ کسی اچھے معالج کی تلاش میں جرمنی چلے گئے تھے۔ جہاں انہوں نے اپنا معائنہ وہاں کے ایک معروف ڈاکٹر سے کروایا۔ اس نے انہیں خوراک میں باقاعدگی اور آرام کا مشورہ دیا تھا۔ انہوں نے چند ہفتے اس کے شفا خانے پر بھی گزارے۔ 59

1934ء میں انہیں سینے میں کچھ درد محسوس ہوئی۔ بمبئی کے ڈاکٹروں نے انہیں دل کا عارضہ بتا دیا۔ لیکن جرمنی کے ایک ڈاکٹر نے جو اس مرض کا ماہر تھا، انہیں یقین دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ 60

ڈاکٹروں کی آراء میں تضاد کی وجہ سے اُن کا ڈاکٹروں سے اعتبار اٹھ گیا ہوا تھا۔ وہ اپنی بیماری کو صرف معدے کی خرابی سے منسوب کیا کرتے تھے۔ اور ڈاکٹروں کو اُنسی کے علاج کی تاکید کیا کرتے تھے۔ اور معدے کی خرابی کی ذمہ داری وہ اپنی بے آرامی کے سر تھوپا کرتے تھے۔ اُن کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ ڈاکٹر کی بجائے چند دن آرام کر کے تقویت حاصل کر لی جائے۔ وہ اپنی ہمت اور حوصلے کی وجہ سے ایسا کرنے میں اکثر کامیاب ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن اُن کی بیماری اندر ہی اندر سے کسی گھن کی طرح انہیں کھائے جا رہی تھی۔

مئی 1946ء میں وہ ایک بار پھر شملہ میں ہندو اور انگریز حربوں سے نبرد آزما تھے۔ بڑھاپا، بیماری، مسلسل بے آرامی اور پاکستان کے لیے شانہ روز جدوجہد نے انہیں بُری طرح تھکا دیا ہوا تھا۔ جسم حوصلے کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ کانفرنس کے دوران ہی اُن کی طبیعت بگڑ گئی۔ محترمہ فاطمہ جناح نے ڈاکٹر ٹیل کو ٹیلی فون کر کے اُن کی حالت بتائی اور اُن کی بیماری کے پیش نظر اُن سے درخواست کی کہ وہ بمبئی ریلوے اسٹیشن پر موجود ہوں۔

قائد اعظم محمد علی جناح کی شملہ سے بمبئی آمد کی خبر سن کر تیس ہزار عقیدت مند ریلوے اسٹیشن پر اُن کے استقبال کو جمع ہو گئے۔ ڈاکٹر ٹیل نے جب یہ جھوم دیکھا تو سوچ میں پڑ گیا کہ وہ اتنے بڑے جھوم کے استقبال کے کیسے تحمل ہو سکیں گے۔ اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے انہیں بمبئی کے بڑے اسٹیشن سے قبل درے دادر کے اسٹیشن پر اتار لیا۔ وہ تھکان سے انتہائی کمزور تھے۔ چنانچہ پل کی مشقت سے بچانے کے لئے انہیں ریل کے پھانک سے لایا گیا۔

بقول ڈاکٹر ٹیل

"اس دفعہ بھی اُن کی زخروں کے نالیوں پر درم (Bronchitis)

آ گیا تھا۔ وہ جب بھی بیمار پڑتے انہیں یہی شکایت ہوتی تھی۔ اس

مرتبہ انہیں دس دن حرارت رہی۔ میرا خیال ہے کہ اُن کو ہمیشہ

پھیپھڑوں کی شکایت رہی تھی۔ اب انہیں سخت نفاہت اور تھکان

جب تک قائد اعظم محمد علی جناح زندہ رہے۔ بمبئی کے پارسی ڈاکٹر ٹیل نے اپنے پیشے کے تقدس کو مجروح ہونے نہ دیا اور قائد اعظم کی بیماری ایک راز ہی رہی۔ ایسا راز کہ خفیہ ایجنسیاں

باب نمبر 2

پاکستان کے مسائل اور قائد اعظمؒ

قیام پاکستان دُنیا کے عالم میں معجزہ تھا۔ یہ معجزہ قائد اعظم محمد علی جناح کی لگن سے ظہور میں آیا تھا۔ قوم کی آزادی اُن کی لئے تکمیل کا ایک لمحہ تھا۔ منزل آگئی تھی مگر سفر ختم نہ ہوا تھا۔ دُنیا کے نقشے پر ابھرنے والی اس نوزائیدہ مملکت کو بے پناہ مسائل کا سامنا تھا۔ یہ مسائل انتظامی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی نوعیت کے تھے۔ سربراہ مملکت اور بابائے قوم کی حیثیت سے پاکستان کو محفوظ اور یقینی مستقبل دینا وہ اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ بیمار جسم اور لاغر وجود کے ساتھ وہ اب بھی اتنا حوصلہ اور ولولہ رکھتے تھے کہ اس کیلئے شب و روز محنت کر سکیں، کام اور مسلسل کام سے۔۔۔ اُن کی بھوک ختم ہو چکی تھی۔ انتہائی توجہ اور محنت سے بنائے گئے کھانے بھی انہیں کھانے کی طلب پر آمادہ نہیں کرتے تھے۔ اُن کی زندگی بھر کی اپنی مرضی سے سو جانے کی عادت اب غنقا ہو چکی تھی۔ وہ مسلسل کئی راتوں تک بے خوابی کے عالم میں تکیوں پر کروٹیں بدلتے رہتے تھے اور جاگتے رہتے تھے۔ اُن کی کھانسی میں اضافہ ہو چکا تھا اور اُس کے ساتھ حرارت بھی اب زیادہ رہنے لگی تھی۔¹ اُن کی صحت اور اعصاب پر جن مسائل نے بدترین اثرات چھوڑے وہ مہاجرین کی آباد کاری، کشمیر پر بھارت کا غاصبانہ قبضہ، بنگال میں اُردو زبان کی مخالفت اور صوبہ سرحد میں فتنہ پنجتوستان کے تھے۔

سر سیرل ریڈ کلف جنہوں نے پاکستان اور ہندوستان کی سرحدوں کا تعین کرنا تھا، انہوں نے پنجاب کے ایسے علاقے جو نہایت اہم اور حساس تھے اور مسلم اکثریت کے تھے، ہندوستان کے سپرد کر دیئے۔ جونہی ایوارڈ (ریڈ کلف ایوارڈ) کا اعلان ہوا، ہندوؤں اور سکھوں کے مسلح جتھوں نے مسلم آبادیوں پر حملے شروع کر دیئے اور انہیں زبردستی انخلاء پر مجبور کیا۔ 18 ستمبر 1947ء تک صورت حال یہ تھی کہ صرف جالندھر ڈویژن میں 18 لاکھ مہاجرین ترک

وطن کے لیے انتظامات کے منتظر تھے۔ ریلوے گاڑیوں اور جہازوں پر سکھوں کے حملے ان کے انخلاء میں سدراہ بنے ہوئے تھے اور تاراسنگھ یہ اعلان کر رہا تھا کہ یہ جنگ ہے، جنگ 2

11 ستمبر کو لارڈ اسے (گورنر جنرل ہندوستان لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا مشیر اعلیٰ) کراچی آیا۔ اُس کا مقصد قائد اعظمؒ کو بدلی کے حالات سے آگاہ کرنا اور حکومت ہندوستان کی نیک نیتی کا یقین دلانا تھا۔ وہ (لارڈ اسے) لکھتا ہے۔

"قائد اعظمؒ نہایت ہر وقار اور بہت غمگین نظر آتے تھے۔ اُن کی باتوں سے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ بالکل نا اُمید ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ لڑنے مرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ ہم اُن کے مطالعے کے کمرے میں چلے گئے اور وہ پھوٹ بیہ، کہنے لگے، کوئی بھی شخص کس طرح یقین کر سکتا ہے کہ حکومت ہندوستان امن و امان کی بحالی اور اقلیتوں کی حفاظت کیلئے حتی الوسع زیادہ سے زیادہ کوشش کر رہی ہے؟ اُس کے برعکس گزشتہ تین ہفتوں کے واقعات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان کے پیدا ہوتے ہی اُس کا گلا گھونٹ دینے کے درپے ہے۔"³

اُن کیلئے یہ صورت حال بہت وحشت ناک تھی۔ تاریخ عالم کا یہ عظیم ترین تبادلہ آبادی تھا۔ صرف چند ہفتوں کے اندر ایک کروڑ بیس لاکھ سے زائد افراد نے اپنے گھروں کو خیر آباد کہہ دیا تھا اور دوسرے ملک میں پناہ اور حفاظت کی تلاش میں پیدل، تیل گاڑی پر، ریلوے، کار اور ہوائی جہاز سے روانہ ہو گئے تھے۔

4 ستمبر 1947ء کے شمارہ لندن ٹائمز نے مسلمانوں کے ایک بیس میل لمبے قافلہ کے بارے میں اطلاع شائع کی۔ اس قافلے میں بیس ہزار سے زائد افراد تھے۔ اُن میں اکثر پیدل ہی

پاکستان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ آبلہ پا، تھکان سے چور، بھوکوں کے مارے، سفر کی صعوبتوں سے نڈھال ستر لاکھ مہاجرین گرتے پڑتے پاکستان پہنچے۔ وہ بالکل بے سروسامان تھے۔ اُن کے پاس تن کے کپڑوں کے سوا اور کچھ نہ تھا اور اُن کپڑوں کی بھی اکثر دھجیاں اڑی ہوئی تھیں۔ یہ درد کشاں بلا تھے۔ جنہوں نے منصوم بچوں کا قتل، لاشوں کی قطع برید اور عورتوں کی بے حرمتی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ راستے میں ہر قدم پر موت اُن کی گھات میں تھی۔ اُن میں ہزاروں بھوک اور بیماری سے راستے ہی میں جان بحق ہو گئے یا سکھوں کے خون آشام جتھوں نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بہت سے پاکستان کی سرحد پر پہنچتے ہی ابدی نیند سو گئے۔⁴

خالصتا انتظامی نقطہ نظر سے اُن لاکھوں افراد کی خوراک، لباس، رہائش اور بحالی کا کام ناممکن العمل حد تک مشکل تھا۔ لیکن پاکستان کی عوام کو قائد اعظم کی قیادت پر یقین تھا اور توقع تھی کہ وہ تمام صورت حال کو سنبھال لیں گے اور مسائل کو حل کر دیں گے۔ انہوں نے مہاجرین کی فوری امداد کیلئے ایک ریلیف فنڈ قائم کیا۔ جس میں لوگوں نے بڑی فیاضی سے عطیات دیئے۔ ستمبر کے اوائل میں حکومت پاکستان نے مہاجرین و بحالیات کی وزارت قائم کی اور کابینہ کی ایک ہنگامی کمیٹی کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ اگلے ماہ وزیر اعظم نے عارضی طور پر اپنا صدر دفتر لاہور منتقل کر دیا تاکہ مہاجرین کی آباد کاری کے بے حد و حساب کام میں صوبائی انتظامیہ کی مدد اور نگرانی کی جاسکے، وہ خود بھی مختصر وقفوں بعد بار بار لاہور کا دورہ کرتے رہتے۔ اُن ایام کے حوادث اور اُن تھک کام نے اُن کی صحت پر بہت بُرا اثر ڈالا، وہ رات گئے تک اپنے دفتر میں کام کرتے رہتے تھے اور اپنی اہیلوں اور پیغاموں سے پناہ گزینوں کی تالیف قلب کی کوشش کرتے رہتے۔⁵

کام کے دباؤ میں وہ ایسا اُلجھے کہ اپنی صحت کو بالکل ہی فراموش کر بیٹھے، دبی ہوئی بیماریاں سر اٹھانے لگیں، کھانسی بڑھ گئی، ہلکا ہلکا بخار مسلسل رہنے لگا۔ اُن کی اس کیفیت سے محترمہ فاطمہ جناح (جو خود بھی ایک ذہین سرجن تھیں) پریشان تھیں۔ اُن کے اصرار پر بڑی مشکل سے وہ ڈاکٹر کرنل عبدالرحمن (1955ء-1882ء) سے معائنہ کروانے پر رضامند ہوئے۔ اُن کی

انہیں ملیر یا تھی اور اپنی اس تشخیص کی بناء پر وہ اُن کا علاج کرنا چاہتے تھے۔ مگر قائد اعظم ڈاکٹر کی انہیں سے مطمئن نہ تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر کرنل رحمن سے متعدد سوالات اور استفسارات کئے، یہ وہ کمرہ عدالت میں کسی گواہ پر جرح کر رہے ہوں۔ ڈاکٹر کی وضاحت سے مطمئن نہ ہونے کے باعث انہوں نے اُن کی تجویز کردہ ادویات استعمال کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ "مجھے ملیر یا نہیں۔۔۔ مجھے کام کی کثرت نے نڈھال کر رکھا ہے۔"⁶

انہیں واقعی ملیر یا نہیں تھا۔ اگرچہ وہ تھکاوٹ کا شکار تھے۔ لیکن جو مرض انہیں گھٹن کی طرح چاٹ رہا تھا وہ تپ دق تھا۔ وہ اس مرض کے انتہائی درجہ پر تھے اور اُن کے پیچھے پورے کینسر کا مار تھے۔⁷ اس قسم کی صورت حال میں آرام اُن کیلئے بہترین علاج تھا۔ لیکن آرام کے وہ قائل ہو نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ انہیں بہت سے کام کرنا تھے۔ وہ محترمہ فاطمہ جناح کے اصرار اور "تاج پر کمرہ رہے تھے کہ

"میں اپنی جسمانی طاقت کی کان کھود کر توانائی کا آخری اونس تک ڈھونڈ نکالوں گا اور اپنی قوم کیلئے صرف کر دوں گا اور جب وہ بھی ختم ہو جائے گا تو میرا کام مکمل ہو چکا ہو گا۔۔۔ پھر زندگی نہیں رہے گی۔"⁸

اُن کی زندگی کی ڈشمن اُن کی بیماری نہ تھی۔ بلکہ وہ عناصر بھی تھے جنہیں پاکستان کسی بھی حالت پر برداشت نہ تھا۔ اُن کی کوشش تھی کہ انہیں وقت سے پہلے ختم کر دیا جائے تاکہ پاکستان نہ بنیادوں پر کھڑا نہ ہو سکے اور انتشار اور افراتفری کا شکار ہو جائے، اس سلسلے میں گورنمنٹ اس کراچی پر دو مرتبہ مسلح لوگوں نے حملے کئے۔ جس میں وہاں کے محافظین شدید زخمی ہوئے۔ وہ اہلکاروں سے قطعاً خوف زدہ نہ تھے۔ اُن کے ملٹری سیکرٹری کرنل ولیم برینی کی خواہش تھی کہ انہیں ہاؤس کے جس حصے میں اُن کی رہائش تھی ایک دیوار ایسی اونچی تعمیر کر دی جائے جس سے وہ گولیوں اور محفوظ ہو جائے۔۔۔ لیکن انہیں یہ پسند نہ تھا۔ لیکن جب انتہا پسندوں کے

ہاتھوں مہاتما گاندھی مارے گئے 9 تو انہوں نے اس کی اجازت دے دی۔ 10

کشمیر کا مسئلہ مہاجروں سے بھی زیادہ سنگین تھا۔ اس ریاست کی مسلم آبادی اور جغرافیائی محل وقوع کی بنیاد پر سب کو یقین تھا کہ اس کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہوگا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ کشمیر کی غالب مسلمان اکثریت کی خواہشات کے برعکس یہاں کے ہندو راجہ مہاراجہ ہری سنگھ ڈوگرہ نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی درخواست کر دی۔ جسے ہندوستان کی حکومت نے 27 اکتوبر 1947ء کو قبول کر لیا اور حکومت ہندوستان نے ریاست کے امن و امان کے بہانے یہاں فوجیں داخل کرنا شروع کر دیں۔ اس کا مقصد صرف اور صرف کشمیر کی آزادی کی مزاحمتی تحریک کو دبانا تھا۔

قائد اعظمؒ ان حالات میں 26 اکتوبر کو بذریعہ ہوائی جہاز لاہور پہنچ گئے۔ ان کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ قریب سے کشمیر کی خطرناک صورت حال کا جائزہ لے سکیں۔ ان کے ملٹری سیکرٹری کرنل ولیم برینی اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ

"اتوار کو قائد اعظمؒ اور محترمہ فاطمہ جناح لاہور روانہ ہو گئے۔ کشمیر کے ہنگاموں نے اب خطرناک صورت حال اختیار کر لی ہے اور قائد اعظمؒ اس سلسلے میں لاہور گئے ہیں۔ وہاں لارڈ ماؤنٹ بیٹن ان سے ملیں گے اور مسئلہ کشمیر پر تبادلہ خیال کریں گے۔ یہ صورت حال بہت تشویش ناک ہے۔ 11

لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات سے قبل حالات ایسے سنگین ہو گئے کہ قائد اعظمؒ محمد علی جناحؒ کو مجبور ہو کر پاکستانی فوج کے قائم مقام انگریز کمانڈر انچیف جنرل سر ڈگلس کریسی (جنرل میسر وی زخصت پر تھے) 12 کو کشمیر میں مداخلت کا حکم دینا پڑا۔ جنرل ڈگلس کریسی کو یہ حکم ماننے میں تامل تھا۔ اس موقع پر دونوں ملکوں کے سپریم کمانڈر سر کلاڈ آکنلیک نے قائد اعظمؒ سے ملاقات کی اور ان کو یہ قدم اٹھانے سے باز رکھا۔ کشمیر کے مسئلہ پر انہوں نے اپنی بے بسی

دس کرتے ہوئے اتنا تباہ کیا کہ وہ بیمار ہو گئے۔۔۔ اور بیماری اتنی شدت اختیار کر گئی کہ ان کے ہوائی سفر بھی اچھا نہ تھا۔ چنانچہ وہ تقریباً ایک ماہ تک لاہور ہی رہے۔ 13

8 نومبر کو ان کا راولپنڈی کا دورہ تھا۔ 14 بیماری کی وجہ سے اسے منسوخ کرنا پڑا۔ انہوں نے کوآل پاکستان تعلیمی کانفرنس کراچی میں بھی ان کی شرکت بیماری کی وجہ سے ممکن نہ ہو سکی۔ 15 اس موقع پر صرف ان کا پیغام پڑھ دیا گیا۔

ان کی صحت اور بیماری کے بارے میں طرح طرح کی خبریں پھیلنے لگیں۔ ان خبروں کے بعد باب کیلے 17 نومبر 1947ء کو ایک اعلان میں بتایا گیا کہ قائد اعظمؒ کی طبیعت بدستور اچھی رہی ہے اور ان کا وزن بڑھتا جا رہا ہے۔ 16 ان کے ذاتی معالج ڈاکٹر کرنل رحمن ان کی اہداشت کیلئے کراچی سے لاہور پہنچ گئے۔ 19 نومبر کی اخبارات میں ان کے حوالے سے خبر شائع ہوئی کہ

"قائد اعظمؒ کی صحت اب قابل اطمینان ہے ان کا زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت 98.8 ہے۔ توقع ہے کہ کل تک ان کا ٹمپریچر نارمل ہو جائے گا۔" 17

لاہور میں ان کی بیماری کی اصل وجہ وہ دباؤ تھا جو انہوں نے مسئلہ کشمیر پر محسوس کیا تھا۔ حالات کے انتظام و انصرام میں اپنی ہمت سے بڑھ کر صحت کے تقاضوں سے بے نیاز ہو کر کام کرتے تھے اور یہی چیز ان کی علالت اور ناسازی طبع کا باعث بنتی تھی۔ لاہور کی علالت ایسی تھی کہ ان کے قابل نہ تھے اور نہ ہی وہ سرکاری فائلیں دیکھ رہے تھے۔ مرکزی حکومت کا تمام کام زکا ہوا ان دنوں کے بارے میں کرنل ولیم برینی لکھتے ہیں۔

"قائد اعظمؒ ابھی تک لاہور ہی میں ہیں وہ مجبوراً وہاں ٹہرے ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہیں ابھی حرارت رہتی ہے اور اس حال میں ہوائی

سے وہ پیچھا نہ چھڑا سکتے تھے۔ لاہور میں چند روزہ علاج اور قیام کے بعد کراچی واپس پہنچ کر اُن کی صحت فی الواقع بہتر ہو گئی تھی اور وہ اس کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ 20

13 دسمبر 1947ء کو قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کی۔ یہ اجلاس آخری دفعہ پاکستان کی سر زمین پر منعقد ہوا تھا۔ لاہور کی بیماری کے اثرات اُن کی صحت پر موجود تھے۔

چنانچہ انہوں نے صرف صبح والے اجلاس ہی میں شرکت کی جو اُن کی رہائش گاہ پر منعقد ہوا تھا۔ شام کا اجلاس وزیر اعظم لیاقت علی خان کی رہائش گاہ پر ہوا۔ اگلے دن (14 دسمبر) کو آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس خالق دُنیا ہال میں منعقد ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد یہ اپنی نوعیت کا پہلا اجلاس تھا۔ کونسل نے ایک قرارداد مرتب کی جس میں آل انڈیا مسلم لیگ کو دو طبعہ اور جداگانہ تنظیموں میں تقسیم کر دینے کی سفارش کی۔ ایک تنظیم پاکستان کیلئے اور دوسری بھارت کیلئے۔ اس اجلاس کی صدارت قائد اعظمؒ نے کی۔

یہ اجلاس اس لحاظ سے اہم تھا کہ اس میں وہ بطور صدر مسلم لیگ آخری مرتبہ شرکت کر رہے تھے۔ اُن کی صحت بہتر نہ تھی۔ وہ شدید تھکاوٹ محسوس کر رہے تھے۔ انہیں ہلکا ہلکا بخار بھی تھا۔ ڈاکٹروں نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ اجلاس میں شرکت نہ کریں۔ لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر انہوں نے اُن کا مشورہ رد کر دیا۔ وہ نہ صرف شریک ہوئے بلکہ انہوں نے ایک طویل تقریر بھی کی۔

اجلاس کا ماحول بڑا پر مردہ تھا۔ فضا پر اُداسی چھائی ہوئی اور کونسلروں کے چہروں پر غم کی پرچھائیاں عیاں تھیں۔ مسلمانانِ ہند و پاک کے وہ راہنما جنہوں نے متحد ہو کر نصف صدی تک انگریزوں اور ہندوؤں کے خلاف جنگ لڑی تھی۔ دکھ سکھ میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا۔ آج حالات کے اس موڑ پر آ ن کھڑے ہوئے تھے جہاں سے اُن کی راہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے الگ ہو

سفر اُن کے لئے اچھا نہیں۔ اُن کی غیر موجودگی میں مرکزی حکومت کا سارا کام بڑا پڑا ہے۔ جو فائل میں اُن کی خدمت میں بھیجتا ہوں وہ یا تو اُن کو پیش نہیں کی جاتی (غالباً اُن کے معالجوں نے اُس کی ممانعت کر دی ہے) یا میرے پاس یہ لکھ کر بھیج دی جاتی ہے کہ وہ کراچی آنے سے پہلے اس پر غور نہیں کر سکتے۔ چونکہ اُن کی واپسی کی تاریخ ابھی تک طے نہیں۔ اس لئے یہاں کسی کو سمجھ نہیں آتا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔" 18

یکم دسمبر کو قائد اعظمؒ لاہور میں ایک ماہ سے زیادہ قیام کے بعد واپس کراچی تشریف لائے۔ کرنل ولیم برنی اُن کی صحت کے بارے میں اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں۔

"آج انہیں دیکھ کر مجھے سخت صدمہ ہوا۔ پانچ ہفتے قبل جب وہ یہاں سے روانہ ہوئے تھے تو ساٹھ سال کے لگ بھگ معلوم ہوتے تھے۔ آج اُن کی عمر اُسی سے اوپر معلوم ہوتی ہے۔ میں ہوائی اڈے سے ان کے اور محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ آیا اور مجھے قائد اعظمؒ کی حالت دیکھ کر بہت رنج ہوا۔ انہوں نے مجھ سے اعتراف کیا کہ ذہنی تھکان کی وجہ سے بخار ہو گیا تھا۔ پھر کہنے لگے! میں چاہتا ہوں کہ کم از کم دو ہفتے کسی ایسی جگہ جا کر بسر کروں جہاں کوئی شخص مجھے پریشان نہ کرے۔" 19

پاکستان سے عشق کی حد تک وابستگی اور اُس کے مسائل سے شدید انہماک کے ساتھ ساتھ وہ اپنے معالجین کے مشورے پر یہ ضرور چاہتے تھے کہ وہ چند روز کسی پرسکون جگہ آرام کر لیں۔ تاکہ پاکستان کی خدمت کیلئے اپنی طاقت مجتمع کر سکیں۔ لیکن وہ اس پروگرام پر کبھی عمل نہ کر سکے۔ اُس کی وجہ پاکستان کے اُس وقت کے حالات اور الجھے ہوئے انتظامی معاملات تھے، جن

جانتیں تھیں۔ اُن کو اس امر کا بھی احساس تھا کہ مستقبل اُن کے درمیان حائل ہونے والی دیواروں کو اور بھی بلند کر دے گا۔ حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے شناسا نہ رہیں گے۔ حالانکہ قائد اعظمؒ کی شخصیت، قانون اور دستور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی اور جذبات کا مد و جزر اُن کو متاثر نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس اجلاس کی افسردہ فضا نے اُن کے دل پر بھی اثر کیا۔ چنانچہ جب اُن کی تقریر میں ہندو مسلم فسادات اور قتل و غارت کا ذکر آیا تو اُن کا چہرہ سوگوار ہو گیا۔ شدت غم سے ان کا دل پکھل گیا اور پھر مسلم لیگ کے کونسلروں نے دیکھا کہ وہ قائد اعظمؒ جو صبر اور قناعت کا نمونہ تھے آج اُن کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔ شاید انہیں بھی اندازہ نہ تھا کہ آزادی کی صبح اس قدر خون آلود ہوگی۔ 21

۱۔ ہندوستان سے مسلم لیگ کی نمائندگی کرنے والے کونسلروں کو قائد اعظمؒ محمد علی جناحؒ کے بغیر مسلم سیاست ادھوری دکھائی دیتی تھی۔ اُن کی وجہ سے تمام ہندوستان کے مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے تھے۔ وہ اُن کی ذات سے ہمیشہ تقویت محسوس کرتے تھے۔ اس احساس کے ساتھ جمال میاں فرنگی محل نے تقریر کرتے ہوئے بھیگی پلکوں کے ساتھ جذبات کی رو میں بہہ کر قائد اعظمؒ سے کہا کہ

"ہم ہندوستان میں بے یار و مددگار رہ گئے ہیں۔ آپ وہاں آئیں اور ہماری قیادت فرمائیں۔"

ہندوستان کی سیاست میں اُن کے بغیر واقعی خلا پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن پاکستان کی تعمیر اور استحکام کیلئے اُن کا یہاں قیام ناگزیر تھا۔ انہوں نے انہیں تشفی دیتے ہوئے جواب کہا۔

"مسلم لیگ کونسل نے مجھے پاکستان کا گورنر جنرل بنایا ہے تاکہ میں ملک کو بحران سے نکال سکوں۔ لیکن اگر اب کونسل یہ فیصلہ کرے تو میں گورنر جنرل کے عہدے سے مستعفی ہو کر نتائج کی پرواہ کئے بغیر ہندوستان جانے کو تیار ہوں۔ لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ

آپ کب تک میری قیادت پر بھروسہ کئے بیٹھے رہیں گے۔ اگر میں مرجاؤں تو آپ کیا کریں گے؟" 22

پاکستانی قوم نے یہ بات بالکل ہی نہ سوچی تھی کہ قائد اعظمؒ بھی مر سکتے تھے اور جب ستمبر 1948ء میں اُن کا انتقال ہوا تو پوری قوم بے یقینی کا شکار ہو گئی۔

بیماری اور تھکان کے باوجود وہ گھنٹوں دفتر میں بیٹھا کرتے تھے۔ انتہائی سنجیدگی، تندہی اور یکسوئی کے ساتھ دفتری کام سرانجام دیا کرتے تھے۔ کسی معاملے کو سرسری نہ لیا کرتے تھے۔ کوئی فائل، دستاویز یا بل یا قانون کا مسودہ اُن کی خدمت میں پیش ہوتا تو وہ اُس کے ایک ایک فقرے کو بڑے غور سے پڑھتے۔ متعلقہ لوگوں سے بحث کرتے اور اُس کے بارے میں ہدایات جاری کرتے۔ بالعموم وہ بھونڈی عبارت اور الفاظ کے ناقص انتخاب کو ناپسند فرماتے تھے۔ وہ کسی کام میں غلطی کے عادی نہ تھے اور ایک بار کوئی فیصلہ کر لیتے تھے تو اُس فیصلے سے پیچھے نہ ہٹتے تھے۔

فروری 1948ء میں اسٹیمین کے ایڈیٹر ایان اسٹیفنز قائد اعظمؒ محمد علی جناحؒ سے ملنے آئے۔ انہوں نے اپنی کتاب "Horned Moon" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اُن کی ملاقات سترمنٹ تک جاری رہی۔ پاکستان قائد اعظمؒ محمد علی جناحؒ کا محبوب موضوع تھا۔ اس ملاقات میں وہ پاکستان کے قیام کی مشکلات اور اس کے تابناک مستقبل پر بات کرتے رہے۔ جب مسٹر اسٹیفنز رخصت ہونے لگے، تو انہوں نے کہا۔

"مسٹر اسٹیفنز میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے اپنی طبیعت میں خاصا افاقہ محسوس ہو رہا ہے اور درحقیقت اب میری حالت پہلے سے بہتر ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں بیمار رہا ہوں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ غلط ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اب میں جلد تھک جاتا ہوں۔"

پھر اُن کے حسین اور باریک ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور اپنے مخصوص انداز میں زیر لب

مسکرائے اور بولے۔

"یہ تو عمر کا تقاضا ہے۔ اب میں جوان نہیں ہوں اور مجھ پر ذمہ داریوں کا بڑا بوجھ ہے۔ جب تھک جاتا ہوں تو آرام کر لیتا ہوں۔ یہ بہت آسان نسخہ ہے۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے اپنی صحت برقرار رکھنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ اس لئے میں اپنے معالجوں سے کہہ دیتا ہوں کہ وہ اپنے گھر جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ بات کا جنگل بنائیں۔ یہ مجھے ناگوار گزرتا ہے۔ نہیں نہیں، میں بالکل بیمار نہیں ہوں۔" 23

وہ بیماری کا اعتراف بھی کرتے تھے اور انکار بھی۔ وہ جانتے تھے کہ ان کا بہترین علاج آرام تھا۔ مگر آرام کیلئے ان کے پاس وقت کہاں تھا۔

قائد اعظم کا دورہ مشرقی پاکستان

(پاکستان کی ابتداء میں جس مسئلہ نے پاکستان کے وفاق کیلئے خطرہ کی گھنٹی بجائی، وہ زبان کا مسئلہ تھا۔ اس مسئلے نے پاکستان کے سب سے بڑے صوبے مشرقی بنگال (مشرقی پاکستان) میں جنم لیا تھا۔)

مشرقی بنگال (مشرقی پاکستان) آبادی کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ تھا۔ آزادی (14 اگست 1947ء) کے وقت پاکستان کی کل آبادی تقریباً 7 کروڑ تھی۔ اس صوبے کی آبادی تقریباً 3 کروڑ 78 لاکھ تھی۔ جو کہ کل آبادی کا 54 فیصد تھی۔ پاکستان کے کل رقبہ 365000 مربع میل میں سے اس کا رقبہ تقریباً 55 ہزار مربع میل تھا۔ رقبہ کے اعتبار سے یہ پاکستان کا چھوٹا صوبہ تھا۔ مگر یہ صوبہ انتہائی گنجان تھا۔ آبادی کی اوسط شرح 687 افراد فی مربع میل تھی۔

یہ صوبہ بہت پسماندہ تھا۔ تقسیم (1947ء) کے وقت کلکتہ جو بنگال کا سب سے ترقی

یافتہ شہر اور بندرگاہ تھا۔ ہندوستان کو دیئے جانے کی وجہ سے اس کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ اس کی ساری معیشت کا انحصار پٹ سن اور چاول کی فصلوں پر تھا۔ غیر منقسم بنگال کے 90 فی صد صنعتی ادارے کلکتے میں تھے یا اس کے قریب علاقوں میں واقع تھے۔ جو کہ مغربی بنگال کا حصہ بن چکے تھے۔ مشرقی بنگال میں پٹ سن کا ایک بھی کارخانہ نہ تھا۔ یہاں پیدا ہونے والی ساری پٹ سن کلکتہ جاتی تھی۔ لوگوں کی خوشحالی کا انحصار اس کی بہتر فصل، اچھی قیمت اور کلکتہ پر تھا۔

اس کے ساحلی علاقے نواکھلی اور باریال آئے دن سمندری طوفانوں کا شکار رہتے تھے۔ یہاں ندیوں اور دریاؤں کی کثرت تھی۔ سیلابوں کے زمانے میں یہاں کے دریا اکثر بے کراں ہو جاتے تھے۔ میکھنا اور پدما جیسے تیز رو دریا یہاں بہتے تھے۔ ان کے پاٹ کئی کئی میل کے تھے۔ ان پر پل بنانا اگر ناممکن نہیں تو آسان بھی نہیں تھا۔ مسلسل سیلاب اور شدید بارشوں کی وجہ سے سڑکیں قائم نہیں رہتیں تھیں۔ یہی حال اس کے ریلوے کا تھا۔ 24

یہ صوبہ ملک کے باقی صوبوں سے جغرافیائی، تاریخی، نسلی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور ثقافتی لحاظ سے انتہائی مختلف تھا۔ اس کا ملک کے باقی صوبوں سے کسی قسم کا زمینی رابطہ نہ تھا۔ یہ شاید اس وقت اپنی نوعیت کی واحد مثال تھی کہ ایک ملک کا ایک صوبہ اس سے ایک ہزار میل دور ہو۔ قیام پاکستان کے فوری بعد اسے شدید سیلابوں کا سامنا تھا۔ نواکھلی، چٹاگانگ اور بعض دوسرے علاقے سیلاب سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ اس سیلاب میں تقریباً 500 مربع میل کے علاقے کی فصل تباہ ہو گئی۔ غذا اور ادویہ کی شدید قلت تھی۔ صوبے کے وزیر اعلیٰ خواجہ ناظم الدین کے پاس کوئی اور چارہ نہ تھا کہ وہ ان حالات میں کراچی جا کر مرکز سے مدد کی درخواست کرے۔

ادھر یہ صوبہ شدید مسائل و مصائب کا شکار تھا۔ ادھر مرکز (کراچی) میں انجمن اردو کا قیام عمل میں آ رہا تھا۔ جس کے قیام کی تقریب میں سندھ کے وزیر تعلیم پیر الہی بخش، سرکاری حکام، ممتاز شہریوں سمیت سندھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر حلیم پور سے پاکستان میں اردو زبان

ذریعہ تعلیم نہ بنائی گئی تو یہ امر عوام الناس سے غداری کا مترادف ہو

گا۔

اس جلسہ سے وزیر سول سپلائز جناب نور الامین نے بھی خطاب کیا۔ انہوں نے بھی بنگالی زبان کو قومی زبان بنانے پر زور دیا۔²⁶

27 نومبر 1947ء کو کراچی میں پہلی ایجوکیشنل کانفرنس منعقد ہوئی۔ قائد اعظم محمد علی جناح اُن دنوں لاہور میں قیام پذیر تھے اور شدید بیمار تھے۔ اس وجہ سے وہ اس کانفرنس میں شریک نہ ہو سکے۔ 27 کانفرنس کے اختتام پر ایک قرارداد کے ذریعے دستور ساز اسمبلی کو سفارش کی گئی کہ اُردو کو قومی زبان بنایا جائے اور سکولوں میں پرائمری کے بعد اُردو کو لازمی قرار دیا جائے۔ کراچی کے تمام اخبارات اُردو کے پر جوش داعی بنے ہوئے تھے۔ روزنامہ ڈان (انگریزی) نے اپنے ادارے میں یہ تجویز دے دی کہ

"ہر تین ماہ کے بعد ایک قومی زبان کا ہفتہ منعقد ہونا چاہیے۔ جس کے دوران حکومت اور معاشرے میں اہم مقامات کے حامل بالعموم کو اُردو کی جماعتوں میں شریک ہو کر اپنے آپ کو اس زبان سے زیادہ سے زیادہ آشنا کرنا چاہیے اور اس طرح دوسروں کیلئے ایک مثال قائم کرنی چاہیے۔ مثلاً وزیر تعلیم کو خود کراچی میں پہل کر کے ان مجوزہ ہفتوں کے دوران میں رسمی طور پر اُردو کی تعلیم حاصل کرنی چاہیے اور اس قسم کی مثال مشرقی پاکستان کے دارالحکومت میں بنگالی افسروں اور وزراء کو بھی قائم کرنی چاہیے۔ اس طرح اُردو زبان بہت مقبول ہوگی اور مشرقی بنگال کے تعلیم یافتہ طبقوں میں یہ زبان دیکھنے کا جوش و جذبہ پیدا ہوگا۔"

تعلیمی کانفرنس کے اس فیصلے اور اس پر ڈان کے اس تبصرے کا مطلب یہ تھا کہ مشرقی

اس انجمن کے رد عمل میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ نے بھی یکم ستمبر 1947ء کو "تمدن مجلس" جس کا مقصد بنگالی زبان کا تحفظ اور فروغ تھا، قائم کر لی۔²⁵ بنگالی پہلے ہی اس بات پر شاک تھا کہ اُن پر مغربی حصے کی بالادستی قائم کر دی گئی تھی۔ کیونکہ صوبے کا چیف سیکرٹری عزیز احمد اور دیگر سول ایڈمنسٹریشن غیر بنگالیوں کی تھی۔ یہ افسر نہ بنگالی جانتے تھے اور نہ ہی عوام سے اُن کے روابط تھے۔ انہیں یہ حیرت تھی کہ مرکز اور مغربی حصہ اُن کے مسائل و مصائب میں شریک ہونے کی بجائے اُردو زبان کی ترویج کے مسئلے کو اہم قومی مسئلہ بنائے ہوئے تھا۔ وہ کل آبادی کا 54 فی صد تھے۔ اُن کی الگ تہذیب و ثقافت تھی۔ اُن کی زبان کا کثیر ادب موجود تھا۔ اُردو کی تحریک چلنے سے وہ یہ گمان کرنے میں حق بجانب تھے کہ اُن کی تہذیب و ثقافت اور بالخصوص زبان کو تباہ کرنے کی سازش ہو رہی تھی۔

عوام تو بے چین تھے ہی، صوبائی وزراء بھی مرکز کے اس رویے سے شاک تھے۔ بنگال کے وزیر صحت حبیب اللہ نے 15 نومبر کو مرکزی حکومت کی اُردو حمایت پر اعتراض کرتے ہوئے ڈھاکہ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

بنگالی اور اُردو دونوں زبانوں ہی کو پاکستان کی قومی زبان کا درجہ حاصل ہونا چاہیے۔ بنگالی پاکستان کی آبادی کی اکثریت کی زبان ہے۔ اس لئے مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس زبان کو پاکستان کی قومی زبان کیوں نہیں بننا چاہیے۔ مشرقی پاکستان میں اُردو کی تعلیم بھی ہونی چاہیے تاکہ یہاں کے عوام کا مغربی پاکستان کی عوام سے رابطہ قائم رہے۔

انہوں نے مزید کہا۔

اگر بنگالی کو قومی زبان نہ بنایا گیا اور مشرقی پاکستان میں یہ زبان

ایوان میں اردو اور انگریزی کے علاوہ بنگالی زبان میں تقریر کی اجازت ہونی چاہیے۔ انہوں نے اپنی اس ترمیم کے حق میں جو تقریر کی وہ بڑی مدلل اور متوازن تھی۔ انہوں نے کہا۔

میں نے ترمیم صوبہ پرستی کے جذبہ کے تحت پیش نہیں کی۔ مجھے معلوم ہے کہ بنگالی ایک صوبائی زبان ہے۔ لیکن یہ ہماری ریاست کے عوام کی اکثریت کی زبان ہے اور اس بناء پر اس کی حیثیت دوسری صوبائی زبانوں سے مختلف ہے۔

پاکستان کی 6 کروڑ 90 لاکھ کی آبادی میں 4 کروڑ 40 لاکھ (جوشِ خطابت میں اُن سے تعداد میں مبالغہ ہو گیا) لوگ بنگالی زبان بولتے ہیں۔ اس صورت حال میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملک کی زبان کون سی ہونی چاہیے؟ میری رائے میں قومی زبان کا درجہ اُس زبان کو حاصل ہونا چاہیے جو ملک کے عوام کی اکثریت کی زبان ہے۔ چونکہ پاکستان کے عوام کی اکثریت بنگالی زبان بولتی ہے۔ اس لئے اس بنگالی کو قومی زبان ہونا چاہیے

مشرقی پاکستان میں اس مسئلہ پر شدید جذبات پائے جاتے ہیں کیونکہ وہاں کے عوام کو اس بناء پر اپنی روزانہ زندگی میں بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔۔۔ مثلاً منی آرڈر فارم، اردو انگریزی میں چھپے ہوئے ہیں۔ چنانچہ جب بھی کسی غریب کاشت کار کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم اپنے بیٹے کو پیسے بھیجنے ہوتے ہیں تو اُسے منی آرڈر فارم کا ترجمہ کرانے کیلئے کسی قصبے میں جانا پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی غریب کاشت کار کو زمین کے کسی ٹکڑے کی خرید و فروخت کرنا ہوتی ہے تو اُسے پتہ نہیں چلتا کہ اشغام فروش اُسے کتنی

پاکستان کے تقریباً چار کروڑ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ عوام (بشمول وزراء اور سرکاری اہل کار) کو اردو زبان سیکھنا پڑے گی اور جب تک وہ ایسا نہیں کریں گے انہیں مرکز کے کاروبار حکومت میں کوئی حصہ نہیں مل سکے گا۔ قدرتی طور پر یہ صورت حال ڈھاکہ کے تعلیم یافتہ درمیانہ طبقہ کیلئے نہایت اشتعال انگیز اور ناقابل برداشت تھی۔ 28

مرکز کی طرف سے اردو کی بے جا حمایت سے مشرقی پاکستان میں احساسِ محرومی بڑھنے لگا، بالخصوص اُس کا پڑھ لکھا طبقہ سراپا احتجاج ہو گیا، باقاعدہ ایجنسی میں شروع ہو گئے۔ طلباء ان احتجاجی مظاہروں میں پیش پیش تھے۔ صوبائی حکومت نے مرکز کو خوش کرنے کیلئے سختی کی پالیسی اپنائی۔ مغربی حصے کے اخبارات اُن احتجاجیوں کو ملک دشمن عناصر کا رنگ دے رہے تھے۔

ملک کی قومی زبان کا فیصلہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے کرنا تھا۔ اس فیصلے کے پس منظر میں اُسے ملک کی تہذیب و ثقافت اور تمدن سب کو ملحوظ خاطر رکھنا تھا۔ اُس کا فیصلہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ دونوں بڑی زبانیں، بنگالی اور اردو ملک کی قومی زبانیں ہوں لیکن کراچی میں، وزیراعظم لیاقت علی خان سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ سرکاری اہلکار، ایجوکیشنل کانفرنس، اخبارات کے ادارے اپنے ہم وطنوں سے زبان کی جنگ کا آغاز کئے ہوئے تھے۔

فروری 1948ء میں دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا۔ اجلاس کے شروع ہوتے ہی ایسے اختلافات آنا شروع ہو گئے جنہیں وسیع تر مفاد کیلئے نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اُن کی پاس داری نے بد اعتمادی کی فضا قائم کر دی۔

دستور ساز اسمبلی میں مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے ایک رکن نے یہ تجویز پیش کی کہ اسمبلی کا اجلاس کم از کم ایک مرتبہ ڈھاکہ میں ہونا چاہیے۔

بیگم شائستہ اکرام اللہ نے اس کی تائید کی۔ لیکن وزیراعظم پاکستان نے بڑی سختی سے اس تجویز کی مخالفت کی۔ یہ تجویز کثرتِ رائے سے مسترد ہو گئی۔

اسمبلی کے ایک بنگالی ہندو رکن دھندراناتھ دت نے ایک بحث میں ترمیم پیش کی کہ

قیمت کا اشیام دے رہا ہے۔ کیونکہ اشیاموں پر قیمت کا اندراج صرف اردو اور انگریزی میں ہوتا ہے۔ بنگالی عوام کی یہ مشکلات حقیقی ہیں۔ لہذا قومی زبان ایسی ہونی چاہیے جو عوام کی سمجھ میں آجائے۔ اگر اس ایوان کے قواعد میں انگریزی کو عزت کا مقام دیا جاسکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ بنگالی زبان کو اس مقام سے محروم رکھا جائے۔ بنگالی زبان سے محض ایک صوبائی زبان کا سا سلوک نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے ایک قومی زبان تصور کرنا چاہیے۔²⁹

اس ترمیم کی تائید و حمایت مشرقی بنگال کے اراکین نے کی لیکن ایوان میں مغربی حصے سے تعلق رکھنے والے اراکین نے اس پر شدید تنقید کی بلکہ اسے کثرت رائے سے پاس ہونے نہ دیا۔

دستور ساز اسمبلی میں مشرقی بنگال کے اراکین کی اپنے صوبہ کے مفادات کی بحثوں کو اخبارات بالخصوص کراچی کے اخبارات صوبہ پرستی کا نام دے رہے تھے اور ان کی آراء کو مسلم قومیت اور پاکستان کیلئے زہر یا فرار دے رہے تھے۔

حسب توقع پاکستان دستور ساز اسمبلی کی یہ بحثیں بنگال کے سیاسی حالات پر فوری اثر انداز ہوئیں۔ وہاں مظاہرے شروع ہو گئے۔ 27 فروری کو ڈھاکہ میں طلباء نے شہر میں زبردست مظاہرہ کیا اور اسمبلی کے اس فیصلے کے خلاف احتجاج کیا کہ بنگالی زبان ایوان کی سرکاری زبانوں میں شامل نہیں ہوگی۔ 28 فروری کو یہ مظاہرے دوسرے شہروں میں پھیل گئے۔ ان مظاہروں سے صوبے کا لاء اینڈ آرڈر خطرے میں پڑتا دکھائی دینے لگا۔ ڈھاکہ میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے 2 مارچ سے شہر میں ایک ہفتے کیلئے دفعہ 144 نافذ کر دی۔

صوبے کے وزیر اعلیٰ خواجہ ناظم الدین اگرچہ شریف اور ایماندار تھے لیکن ان میں وہ صلاحیتیں مفقود تھیں جو ایک ایجنٹ منتظم میں ہونی چاہیے تھیں۔ تقسیم کے بعد وہاں ایک بہت اچھے

منتظم کی ضرورت تھی جو نہ صرف تقسیم کی "جراحت" کے زخموں کا خاطر خواہ علاج کرتا بلکہ ایسے راستے بھی متعین کرتا جو قومی یکجہتی کی منزل کو جاتے ہوں اور خواجہ ناظم الدین صوبے کی اسمبلی کے بھی ممبر نہ تھے۔ وہ ایک عرصہ سے سیاست سے کنارہ کش تھے۔ انہیں سہروردی مخالف عناصر نے وزیر اعلیٰ بنوایا تھا۔ ان کی وزارت اعلیٰ کو استحکام مرکز اور غیر بنگالی بیوروکریسی نے بخشا ہوا تھا، جو بنگال میں متعین تھی۔ بنگالی زبان کی حمایت میں جو ایجنسی ٹیشن ہوئے انہوں نے ان کی حکومت کو ڈانواں ڈول کر دیا ہوا تھا۔ روز مظاہرے ہو رہے تھے۔ پولیس آنسو گیس اور لانچی چارج کر رہی تھی۔ گرفتاریاں ہو رہیں تھیں۔ 11 مارچ کو ایسٹ پاکستان مسلم سٹوڈنٹس لیگ کی قائم کردہ سٹیٹ لیکچوئرج سب کمیٹی نے ڈھاکہ میں عام ہڑتال کا اعلان کیا، ہڑتال بڑی کامیاب رہی، تمام کاروبار زندگی بند رہا، مظاہرہ بھی ہوا، مظاہرین پر پولیس نے لانچی چارج کیا۔ تقریباً 50 لوگ زخمی ہوئے۔³⁰ ان زخمی ہونے والوں میں قرارداد پاکستان 1940ء کے پیش کنندہ سابق وزیر اعلیٰ مولوی ابوالقاسم فضل الحق بھی شامل تھے

مشرقی پاکستان کے ہڑتالیوں اور مظاہرین کا مطالبہ تھا کہ

(i) پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کو مجبور کیا جائے کہ وہ اردو اور انگریزی کے علاوہ بنگالی زبان کو بھی ملک کی زبان قرار دے۔

(ii) بنگالی زبان کو مشرقی بنگال کی سرکاری زبان قرار دیا جائے۔

(iii) منی آرڈر، پوسٹل سٹیپ، کرنسی اور ریلوے ٹکٹ بنگالی زبان میں چھاپے جائیں کیونکہ یہ پاکستان کی آبادی کی اکثریت کی زبان ہے۔

زبان کے حوالے سے جو رویہ مغربی حصے کا تھا اس سے ان میں شک و شبہات جنم لینے لگے۔ مظاہروں میں قائد اعظم محمد علی جناح اور پاکستان مخالف کتبے بھی نظر آئے۔ صوبائی حکومت کی تاہلی سے ایک معمولی سا مسئلہ انتہائی اہمیت اختیار کر گیا ہوا تھا۔ مرکز کی اردو کے لیے بے وقت حمایت اور کراچی کے اردو طبقہ کے بے جا اصرار کی وجہ سے خود مختار بنگال کے نظریے کا

ایسا آغاز ہوا جو آگے چل کر اتنا مضبوط اور مستحکم ہو گیا کہ وہ بنگلہ دیش کی شکل اختیار کر گیا۔

قائد اعظم محمد علی جناح کیلئے مشرقی بنگال کی یہ صورت حال بہت تشویش ناک تھی انہوں نے ان حالات میں یہی بہتر سمجھا کہ وہ خود وہاں جا کر صوبائی حکومت کی راہنمائی کریں اور لوگوں کے شکوک و شبہات کو دور کریں۔ ان کی صحت ان دنوں بہتر نہ تھی۔ طویل اور مشکل سفر کے وہ متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ مسئلہ ایسا تھا کہ اُسے آرام پر قربان نہیں کیا جاسکتا تھا۔

قائد اعظم محمد علی جناح کے نوروزہ دورے کا پروگرام مشتہر ہو گیا۔ انہیں 20 مارچ کو ڈھاکہ کیلئے سفر کرنا تھا۔ حکومت پاکستان کے پاس ان دنوں صرف ایک ڈکوتا ہوائی جہاز تھا۔ یہ جہاز پُرانا اور سُست رفتار تھا۔ پھر یہ کہ اس میں تیل کی ٹینکی بے حد چھوٹی تھی جو ایک ہی پرواز میں کراچی سے ڈھاکہ نہیں پہنچا سکتی تھی۔ ضروری تھا کہ آدھے راستے میں رُک کر اس کی ٹینکی کو پھر تیل سے بھرا جائے۔ اس مقصد کیلئے بھارت کا کوئی ہوائی اڈہ استعمال کیا جاسکتا تھا۔ لیکن قائد اعظم بھارت کی سرزمین پر اترنا نہیں چاہتے تھے۔ کسی غیر ملکی جہاز کو چارٹر کرنے پر بہت خرچہ آتا تھا چنانچہ اُسی ڈکوتا جہاز کو فاضل ٹینکی کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ 31 قائد اعظم 20 مارچ کو ڈھاکہ پہنچے۔ اگلے دن انہوں نے مختلف سیاسی و فوڈ سے ملاقات کی۔ اس سے انہیں وہاں کے مسئلے کے بارے میں سیر حاصل واقفیت ہوئی۔

21 مارچ کو قائد اعظم محمد علی جناح نے ڈھاکہ میں ایک بہت بڑے تاریخی جلسہ سے

خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا۔

پوری انسانی تاریخ میں کبھی کسی نئی مملکت کو اتنے سنگین اور سنگلاخ مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑا، جو ہمیں درپیش ہیں۔ پوری انسانی تاریخ میں کبھی کسی نئی مملکت نے ان مسائل کا مقابلہ کرنے میں اتنی پامردی اور عزم و استقلال کا مظاہرہ نہیں کیا، جس کا مظاہرہ ہم نے کیا ہے۔ ہمارے دشمنوں کو اُمید تھی کہ پاکستان اپنی ولادت کے

ساتھ ہی ختم ہو جائے گا۔ اُن کی اُمیدوں کے برعکس پاکستان ان مسائل کے جھوم سے مردانہ وار کامیاب و کامران نکلا اور اس شان سے کہ پہلے سے بھی زیادہ مستحکم اور مضبوط۔ پاکستان قائم رہنے کیلئے بنا ہے یہ ہمیشہ قائم رہے گا اور اپنا وہ عظیم کردار ادا کرتا رہے گا جو اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔

اس عظیم مملکت کی تعمیر کے مقدس کارِ عظیم میں آپ کے لئے شاندار مواقع موجود ہیں۔ حالات کا مقابلہ کیجئے اور اپنے کاموں کو اسی عزم و استقلال کے ساتھ جاری رکھئے جیسا کہ آپ اب تک کرتے آئے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ بات یاد رکھئے کہ اپنے آپ کو شر پسندوں، پروپیگنڈہ بازوں اور خود غرض اشتعال انگیز یوں کا نشانہ نہ بننے دیجئے۔ کیونکہ وہ آپ سے اور اُن مشکلات سے جو کسی نوزائیدہ حکومت کو لازماً پیش آتی ہیں، ناجائز فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہیں۔

اس عظیم مملکت کی خاطر، جس کے آپ فرد ہیں، اُن عوام کی وجہ سے جن کی خدمت آپ کے ذمے ہے اور دراصل خود آپ کے اپنے لئے آپ کا یہ فرض ہے کہ کسی مشکل سے نہ گھبرائیں بلکہ آگے بڑھیں اور پوری تندہی اور یکسوئی کے ساتھ اپنی ذہن میں لگے رہیں۔ پاکستان کے سامنے ایک شاندار مستقبل ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ قدرت نے ہمیں جن فیاضیوں سے نوازا ہے۔ اُن سے پورا فائدہ اٹھائیں اور ایک مضبوط و شاندار مستقبل تعمیر کریں۔

میں صاف طریق پر آپ کو اُن حالات سے آگاہ کرنا چاہتا

ہوں جو پاکستان کو اور خصوصاً آپ کے صوبے کو اب تک لاحق ہیں۔ پاکستان کے قیام کو روکنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اپنی شکست سے پریشان ہو کر، پاکستان کے دشمن، اب مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر اس مملکت میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کوششوں نے اب صوبہ پرستی کو ہوا دینے کی صورت اختیار کی ہے۔ جب تک آپ اپنی ملکی سیاست سے اس زہر کو نکال کر نہیں پھینکیں گے اُس وقت تک آپ خود کو ایک حقیقی قوم میں ڈھال نہیں سکتے اور نہ ایک قوم پرستانہ جوش و ولولہ پیدا کر سکتے ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ بنگالی، سندھی، بلوچی اور پٹھان وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات نہ کریں۔ آپ سب ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے ایک سلطنت اپنے لئے بنائی ہے، ایک وسیع و عریض سلطنت، یہ سب آپ کی ہے۔ نہ پنجابی کی ہے نہ بنگالی کی، نہ سندھی یا پٹھان کی۔ یہ آپ سب کی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ بنگالی، پٹھان، سندھی، بلوچی وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات نہ کریں۔ میں مانتا ہوں کہ یہ سب اپنی اپنی جگہ وحدتیں ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ وہ سبق بھول گئے جو تیرہ سو سال پہلے آپ کو سکھایا گیا تھا؟ اگر مجھے اجازت دی جائے تو میں کہوں گا کہ یہاں آپ سب باہر کے آئے ہوئے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ بنگال کے اصل باشندے کون تھے؟ وہ ہرگز نہیں جو آج کل بنگال میں رہتے ہیں۔ پس یہ کہنے کا آخر فائدہ کیا ہے کہ ہم پنجابی ہیں، ہم سندھی ہیں، ہم پٹھان ہیں۔۔۔ نہیں ہم سب

مسلمان ہیں۔

اسلام نے ہمیں یہی سبق دیا ہے اور آپ یقیناً مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آپ خواہ کچھ بھی ہوں۔ اول و آخر مسلمان ہیں، اب آپ ایک باقاعدہ قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب آپ نے ایک وسیع علاقہ اپنے تسلط میں کر لیا ہے۔ یہ علاقہ جو پنجابیوں، سندھیوں، پٹھانوں، یا بنگالیوں کا نہیں بلکہ آپ سب کا ہے۔ اب آپ کی اپنی مرکزی حکومت ہے۔ جس میں ان جغرافیائی وحدتوں کو نمائندگی حاصل ہے۔ پس اگر آپ اپنے آپ کو ایک قوم، ایک عظیم قوم کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں تو خدا کیلئے اس صوبائی عصبیت کو ترک کر دیجئے۔

میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔۔۔ امریکہ کو لے لیجئے جب امریکہ نے برطانیہ کی محکومی کا جواء اُتار پھینکا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کیا تو وہاں کتنی قومیں آباد تھیں؟ وہاں کئی نسلوں کے لوگ مثلاً ہسپانوی، فرانسیسی، اطالوی، جرمن، انگریز، ڈچ اور اُن کے علاوہ کئی دوسری نسلیں آباد تھیں۔ یہ سب وہاں موجود تھے اور انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا تھا۔۔۔ آپ یہ نہ بھولئے کہ اُن قوموں کا واقعی وجود تھا اور یہ واقعتاً بڑی قومیں تھیں۔ لیکن آپ کے ہاں یہ صورت نہیں ہے۔ آپ کو تو پاکستان ابھی ملا ہے۔ وہاں کا تو ایک فرانسیسی یہ کہہ سکتا تھا کہ میں فرانسیسی ہوں اور بڑی قوم کا فرد ہوں۔ اسی طرح کی باتیں دوسری نسلوں کے لوگ بھی کہہ سکتے تھے لیکن اُس کے بعد کیا ہوا؟ انہوں نے اپنی مشکلات کا تجزیہ کیا، اُن

کامل تلاش کیا، اس لئے کہ اُن میں سمجھ بوجھ تھی، انہوں نے بہت تھوڑی مدت میں فرقہ واریت کو مٹا کر اپنے مسائل حل کر لئے۔ اُس کے بعد اُن میں سے کسی نے کبھی اپنے آپ کو ہسپانوی، جرمن، فرانسیسی یا انگریز نہیں کہا۔ وہ سب اپنے آپ کو امریکی کہتے اور اسی پر فخر کرتے تھے۔ وہ اس طرح اپنا تعارف کراتے کہ "میں امریکی ہوں" یا "ہم سب امریکی ہیں۔۔۔"

آپ کو بھی چاہیے کہ آپ کے خیالات، رہن سہن اور عمل سے یہ ظاہر ہو کہ آپ پاکستانی ہیں اور پاکستان ہی آپ کا ملک، آپ کا وطن ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ ہماری بات چیت میں بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان وغیرہ کا ذکر تک نہ ہو، بلکہ ہم سب ایک ہی لفظ پر فخر کریں، ایک ہی نسبت ہمارے امتیاز کا سبب ہو اور وہ ہو پاکستانی۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں پوری طرح صورت حال سے واقف نہیں ہوں۔ بسا اوقات یہ برائی سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ جب آپ کسی بنگالی سے بات کریں گے تو وہ کہے گا کہ "آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن پنجابی تو بڑا ہی مغرور ہے۔" اگر آپ کسی پنجابی یا غیر بنگالی سے بات کریں گے تو وہ کہے گا "یہ بات ٹھیک ہے۔ مگر یہ لوگ ہمیں دیکھ نہیں سکتے یہ تو ہمیں یہاں سے نکال دینا چاہتے ہیں۔" میں اسی لئے کہتا ہوں کہ یہ برائی کا ایک چکر ہے۔ جو چلتا ہی چلا جاتا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اس چینی پینلی کو حل کر سکتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ سمجھداری اور حکمت عملی سے

کون کام لیتا ہے اور پاکستان کی خدمت کون زیادہ کرتا ہے؟۔۔۔ اسی لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ صوبائی تعصب کو بالکل چھوڑ دیجئے کیونکہ پاکستان کے رگ و پے میں جب تک یہ زہر رہے گا یقین کیجئے کہ آپ کبھی بھی ایک طاقتور قوم نہیں بن سکیں گے اور وہ کچھ حاصل نہیں کر سکیں گے جو میں چاہتا ہوں کہ آپ حاصل کریں۔۔۔ جب تک آپ اس زہر کو نہ نکال پھینکیں گے۔ اُس وقت تک نہ آپ مضبوط بن سکتے ہیں۔ اور نہ اپنے آپ کو ایک قوم کے سانچے میں ڈھال سکتے ہیں، اگر آپ ایک قوم۔۔۔ ایک عظیم الشان قوم بننا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ صوبائی تعصب کی اس لعنت کو ترک کر دیں۔

یہ نہ سمجھئے کہ یہ کوئی ایسی صورت حال ہے جو آسانی سے سمجھ نہ آئے۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے دشمن اس صورت حال سے فائدہ اٹھانا خوب جانتے ہیں، وہ پاکستان کی مخالفت میں ناکام رہے اور اپنی ناکامی پر کھسیانے ہو کر وہ اس تاک میں ہیں کہ خود پاکستان کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی جائے تاکہ یہ اس مملکت کو تباہ کر سکیں اس سلسلہ میں وہ خاص طور پر اس کوشش میں ہیں کہ صوبائی تعصب کو زیادہ سے زیادہ ہوا دی جائے۔ میں آپ سے پھر ایک مرتبہ یہی بات کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اُن لوگوں کے جال میں نہ آجائیں جو پاکستان کے دشمن ہیں۔ بد قسمتی سے آپ کے ہاں غدار بھی ہیں اور مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہی ہیں۔ ان غداروں کی پرورش باہر کے لوگ اور باہر کے

ادارے کرتے ہیں جن کا مقصد انتشار پیدا کرنا ہے۔ پاکستان کے دشمنوں میں مختلف عناصر شامل ہیں۔ تحریک پاکستان کے دوران جب پوری قوم آزادی کی جدوجہد میں مصروف تھی۔ بہت سے لوگوں نے جو مسلمان ہی نہیں، اس جدوجہد سے لاپرواہی برتی، بعض خوفزدہ بھی تھے کیونکہ اُن کی ذاتی غرضیں وابستہ تھیں اور سوچتے تھے کہ انہیں نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ بعضوں نے خود کو دشمنوں کے ہاتھ فروخت کر دیا اور ہماری مخالفت کرتے رہے، اس کے باوجود ہم اپنا کام کرتے رہے۔ ہم نے کوشش کی اور لڑتے رہے، یہاں تک کہ خدا کے فضل و کرم اور اُس کی مدد سے ہم نے پاکستان حاصل کر لیا۔ آج دنیا اس جدوجہد پر، ہماری اس کامیابی پر حیران ہے۔

آج جب کہ ہم آزاد ہیں اور حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ ہمیں اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ آزادی حاصل کرنے کیلئے لڑنے بھڑنے سے کہیں زیادہ دشوار تعمیری کام ہے۔ آزادی کے لئے جدوجہد کرنا اور جیل جانا کسی حکومت کو چلانے کے مقابلے میں کہیں زیادہ آسان ہے، نکتہ چینی ہمیشہ آسان ہوتی ہے۔ عیب نکالنے کا ہرنا کوئی مشکل کام نہیں، لوگ ان باتوں کو بھول جاتے ہیں جو اُن کیلئے کی جاتی ہیں۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا تو ہونا ہی تھا۔ یہ احساس نہیں کر پاتے کہ اُس کی خاطر سختیوں، مشکلات اور خطرات کو بھیلنا پڑا۔

کسی بڑے انتظام حکومت میں ظاہر ہے، غلطیاں تو یوں

ہوں گی ہی۔ آپ یہ توقع نہیں رکھ سکتے، کہ وہ خطا سے بالکل پاک ہوگا۔ ایسا تو دنیا کے کسی ملک میں بھی ممکن نہیں۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ آپ کے ملک کے انتظام میں کوئی نقص ہی نہیں ہے اور جگہ مکمل ہے ہرگز نہیں۔ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ اس میں اصلاح اور ترقی کی گنجائش نہیں ہے نہ میں اس نکتہ چینی کو برا سمجھتا ہوں جو خلوص نیت سے سچے مہمان وطن کی جانب سے ہو۔ ایسی نکتہ چینی ہمیشہ قابل قدر ہوتی ہے۔ لیکن جب میں ملک کے بعض گوشوں سے عیب جوئی اور شکایت کے سوا کچھ نہیں سنتا اور حکومت یا حکومت کے اُن افراد کی خدمات کے اعتراف میں جو وفادار ہیں اور دن رات آپ کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ کوئی تعریف کا لفظ نہیں سنتا تو قدرتی طور پر مجھے اس سے تکلیف پہنچتی ہے، اس لئے پہلے آپ اچھے کاموں کی کچھ تعریف کیجئے، جو واقعی کئے گئے ہیں۔ اُس کے بعد شکوہ و شکایت یا اعتراض کیجئے۔ ہمارا طرز عمل آزاد لوگوں کا سا ہونا چاہیے اور اسی جذبے کے تحت اپنے معاملات کی اصلاح اور درستی کرنی چاہیے۔

یاد رکھیے، کہ کسی حکومت کو برقرار رکھنا یا اُس کے اختیارات چھین لینا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن یہ عمل غیر آئینی طور پر یا بلر بازی سے انجام نہیں دینا چاہیے۔ آپ کو اختیار حاصل ہے مگر اختیارات کو استعمال کرنے کا طریقہ بھی آپ کو آنا چاہیے کہ پہلے اس مشین کو سمجھنے کی کوشش کریں جس سے آپ کو کام چلانا ہے۔ آئینی طور پر آپ کو اختیار ہے کہ کسی حکومت سے آپ اگر اس حد

تک غیر مطمئن ہوں کہ اُسے بدل دینا چاہتے ہوں، تو اُسے ہر طرف کر دیں اور اس کی جگہ دوسری حکومت لے آئیں۔ یہ سب کچھ آپ ہی کے اختیار میں ہے۔

میں آپ کو صاف صاف بتا دوں کہ جہاں تک آپ کی بنگالی زبان کا تعلق ہے، اس افواہ میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ آپ کی زندگی پر کوئی غلط یا پریشان کن اثر پڑنے والا ہے۔ بلا آخر اس صوبے کے لوگوں ہی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ اس صوبے کی زبان کیا ہوگی۔ لیکن یہ میں آپ کو واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہوگی اور صرف اُردو اور اُردو کے سوا اور کوئی زبان نہیں۔ جو کوئی آپ کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ پاکستان کا دشمن ہے۔ ایک مشترکہ سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم باہم متحد نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی کام کر سکتی ہے۔ دوسرے ملکوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ پس جہاں تک پاکستان کی سرکاری زبان کا تعلق ہے، وہ اُردو ہی ہوگی۔

میں آپ سے پُر زور اپیل کروں گا کہ آپ مبر و تحمل سے کام لیں اور اُن لوگوں کی حمایت کریں جن کے ہاتھوں میں آپ کی حکومت کی باگ ڈور ہے۔ آپ اُن کے ساتھ ہمدردی رکھیں اور اُن کی مشکلات اور دقتوں کو اس طرح سمجھنے کی کوشش کریں جس طرح اُنہیں آپ کی تکالیف و شکایات اور پریشانیوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہی وہ تعاون، نیک نیتی اور جذبہ صادق ہے جس کے بل بوتے پر آپ نہ صرف پاکستان کو قائم رکھ سکیں گے بلکہ

اُسے دنیا کی ایک عظیم مملکت بنا سکیں گے۔ 32

یہ قائد اعظم کی شخصیت اور اُن کی محرطہ از قیادت کا اعجاز تھا کہ وہ مسئلہ جس پر بنگال کے وزراء اور وہاں کی برسرِ اقتدار پارٹی اپنے عوام کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں رکھتی تھی اور اُن کی بے تدبیری نے اسے بے حد نازک جذباتی مسئلہ بنا دیا ہوا تھا۔ اُنہوں نے لاکھوں افراد کے سامنے دو ٹوک اور واضح الفاظ میں نہ صرف عام رُحجان کے برعکس بات کی بلکہ ایک فیصلہ بھی سنایا اور اس کو سامعین نے نہ صرف سنا بلکہ اُس کی تائید میں اپنے بدلے ہوئے جذبات کا اظہار بھی کیا۔ 33

قائد اعظم محمد علی جناح کے پروگرام میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اُناد کی صدارت بھی شامل تھی۔ بنگال کے سارے ہنگاموں میں سیاست دانوں کے علاوہ طلباء بھی شریک تھے۔ اُس کا اُنہیں بہت ڈھک تھا۔ وہ سیاست میں طلباء کی شرکت کو غیر تعمیری اور منفی فعل سمجھتے تھے۔ اُنہوں نے اس موقع پر طلباء کی فہمائش کرتے ہوئے کہا۔

میں آپ سے سربراہِ مملکت کی حیثیت سے بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ ایک دوست کی حیثیت سے اور ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جس کو آپ لوگ ہمیشہ عزیز رہے ہیں، طلبہ کو عام طور پر ایک مغالطہ ہوتا ہے، جس سے میں آپ کو ہوشیار کرنا چاہتا ہوں یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کوئی شخص ایسی بات نہیں بتا سکتا جو ہم پہلے سے نہ جانتے ہوں، یہ ذہنیت بڑی نقصان دہ ہے اور بہت سے فتنہ و فساد کا راستہ کھول سکتی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ آپ پاکستان کے وجود میں آنے پر جو انقلابی تبدیلیاں ہوئی ہیں اُنہیں پوری طرح جان لیں۔ ہم نے غلامی کی بیڑیاں اتار چھین لی ہیں اور اب ہم ایک آزاد قوم ہیں۔ میرے عزیز نوجوانو! ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جس نے تم سے

ہمیشہ محبت اور شفقت کی ہے اور دس سال خلوص اور اعتماد کے ساتھ تمہاری بے لوث خدمت کی ہے میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم سب سے بڑی غلطی کے مرتکب ہو گے اگر تم نے اس کا موقع دے دیا کہ کوئی سیاسی جماعت اپنے مقصد کے لئے تم سے ناجائز فائدہ اٹھائے۔ میں تم میں سے اُن نوجوانوں کو جو اب عملی زندگی میں داخل ہونے والے ہیں یہ انتخاب کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو اور وہ نوجوان جو ابھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، انہیں یہ کہتا ہوں کہ وہ ہرگز کسی سیاسی جماعت یا کسی خود غرض سیاستدان کو یہ موقع نہ دیں کہ وہ اُن سے مطلب براری کرے اور ناجائز فائدہ اٹھائے۔

حال ہی میں کچھ دنوں سے جو حملے خاص طور پر آپ کے صوبے میں ہو رہے ہیں اُن میں بڑی عیاری سے کام لیا جا رہا ہے۔ ہمارے دشمن، جن میں مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کچھ مسلمان بھی شامل ہیں، صوبائی تعصب کو اس اُمید پر ہوا دے رہے ہیں کہ اس سے پاکستان کمزور ہو جائے گا اور پھر یہ کام آسان ہو جائے گا کہ اس صوبہ کو دوبارہ ہندوستان میں شامل کر لیا جائے۔ جھوٹی افواہوں اور توہمات کا ایک طومار باندھا جا رہا ہے۔ اس سے ملک کا شیرازہ منتشر ہو جائے اور لوگ قانون شکنی پر آمادہ ہو جائیں۔ بہت سی ایسی نازک چالیں ہیں جن سے صوبائی تعصب کے زہر کو اس صوبے کے رگ و پے میں داخل کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ بات آپ کے نزدیک عجیب و غریب نہیں ہے کہ ہندوستان کے اخبارات جنہیں

پاکستان کے نام سے نفرت ہے آپ کے بعض مطالبات جنہیں وہ "جائز مطالبات" کہتے ہیں، زور و شور سے حمایت کر رہے ہیں۔ کیا یہ بات بے معنی ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کو دھوکا دیں اور پاکستان کی ہر طرح مخالفت کریں، وہی راتوں رات آپ کے حقوق کے علمبردار بن جائیں اور آپ کو اس بات پر اُکسائیں کہ آپ حکومت سے مقابلہ کریں۔ میں آپ کو ان خدروں کے عزائم اور اُن کے ارادوں سے باخبر اور ہوشیار رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آپ آپس میں لڑیں گے ناکام رہیں گے، اور مستعد رہیں گے تو کامیاب و کامران ہوں گے۔

آپ لوگ اپنی تعلیم ایسے وقت میں ختم کر رہے ہیں جبکہ آپ کا ملک آزاد ہو چکا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ آپ یہ سمجھیں کہ پاکستان بننے کے بعد ہماری سیاست میں ایک بنیادی تبدیلی ہوئی ہے۔ ہم اب آزاد ہیں۔ یہ حکومت ہماری ہے، جو عوام کی ترقی اور بہتری کے لئے کام کرتی ہے۔ آزادی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ جو چاہیں کریں، خواہ آپ کے عمل سے حکومت اور ملک کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔ آج آپ میں سے ہر ایک پر خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ آج ضرورت ہے کہ ہم متحد اور منظم قوم کی طرح کام کریں تاکہ اپنے ملک کی تعمیر کر سکیں۔ اب ہمیں تنقید کی پرانی طرز بدلتی ہوگی اور ہر مسئلہ پر تعمیری زاویہ نگاہ سے تنقید کرنی ہوگی تاکہ ہماری تنقید سے مملکت کو فائدہ پہنچ سکے، میں کہتا ہوں کہ جیل تو ہر شخص جاسکتا ہے۔ ملک کی آزادی حاصل کرنے کیلئے قربانی بھی ہر

فحش دے سکتا ہے مگر آزادی کی حفاظت کرنا، اُسے برقرار رکھنا اور حکومت کو چلانا بہت بڑا کام ہے، اُس کی اہمیت سے باخبر ہونا چاہیے۔

پاکستان بننے ہی ہمارے دشمنوں نے کوشش کی ہے کہ پاکستان کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ چنانچہ دہلی اور مشرقی پنجاب کے فسادات آپ کے سامنے ہیں۔ ہزاروں آدمی، عورتیں اور بچے بے دردی اور بے رحمی سے قتل کر دیئے گئے، لاکھ کنبے اور گھرانے آجاڑ دیئے گئے۔ اُن میں سے پچاس لاکھ افراد چند ہفتوں کے اندر مشرقی پنجاب سے آئے۔ اُن پناہ گزینوں کی دیکھ بھال اور انہیں دوبارہ بسانے کا مسئلہ اتنا مشکل تھا کہ شاید اُسے حل کرنے کے لئے بڑی بڑی حکومتیں گھبرا جائیں اور ممکن ہے کہ تباہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکستان نہ صرف یہ کہ محفوظ رہا بلکہ زیادہ مضبوط اور طاقتور ہو گیا۔ ہمارے دشمنوں کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اُس کے بعد اور بہت سی مشکلات ہمارے سامنے آئیں، مثلاً حکومت ہندوستان نے (تقسیم کی تفصیلات کے مطابق) متحدہ ہندوستان کی نقدی میں سے ہمارا حصہ دینے سے انکار کر دیا، فوجی سامان سے ہمارا حصہ نہیں دیا سب سے آخر میں آپ کے صوبہ کی ناکہ بندی کر دی۔

امید ہے کہ ہندوستان کا ہر سمجھدار اور عقل مند آدمی اس قسم کی حرکتوں کے خلاف ہوگا اور یہ بھی امید ہے کہ آئندہ اس قسم کے واقعات ظہور پذیر نہ ہوں گے، لیکن یہ واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ

ہم اُن کا صحیح جائزہ لیں اور حالات سے باخبر رہیں۔ ہماری حکومت کے خلاف جو آخری حملہ کیا گیا ہے اُس میں بہت سے مسلمان بھی شریک ہیں۔ اس دفعہ آپ کے صوبہ میں صوبائی تعصب پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ صوبہ میں صوبائی تعصب پھیل کر آپ کے صوبے کو ہندوستان یونین میں شامل کر لیا جائے، لیکن وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بہر حال وہ کوشش تو کر رہے ہیں۔ ہندوستان کے اخبارات متواتر اس قسم کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ جس سے لوگوں کے جذبات بھڑکیں، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے خلاف بھڑکے اور صوبے میں بد امنی پھیل جائے۔

زبان کا مسئلہ بھی اُسی زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگوں نے بھی اس جھگڑے میں حصہ لیا ہے، حالانکہ آپ کے وزیر اعلیٰ نے اس کی پوری وضاحت کر دی تھی۔ کیا آپ خود یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہندوستان کے اخبارات جو آپ کے ملک کے نام پر لعنت بھیجتے ہیں اور وہ مسلمان جو کل تک پاکستان کے خلاف تھے آپ کے نئے مطالبات کو ہوا دینے میں پیش پیش ہیں۔ میں آپ کو تنبیہ کرتا ہوں کہ آپ ان غداروں سے ہوشیار رہیں۔ میں ایک بار پھر اس مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان کیا ہو۔ جہاں تک آپ کے صوبہ کی سرکاری زبان بنانے کا تعلق ہے۔ اس صوبے کے تمام باشندوں کو اس کا حق ہے کہ وہ جوئی زبان چاہیں اختیار کریں۔

کیونکہ اس مسئلہ کو صرف انہی کی رضا مندی سے طے کیا جاسکتا ہے جس کا اظہار وہ اپنے حقیقی نمائندوں کے ذریعے غیر جانبداری سے مناسب وقت پر کر سکتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ پورے ملک کی صرف ایک ہی زبان ہو سکتی ہے اور یہ زبان ایسی ہونی چاہیے جس میں ملک کے تمام صوبے ایک دوسرے سے خط و کتابت کر سکیں۔ چنانچہ ایسی زبان سوائے اردو کے اور کوئی نہیں ہو سکتی اس لئے حکومت کی زبان اردو ہونی چاہیے۔

اردو ایسی زبان ہے جسے براعظم کے دس کروڑ مسلمانوں نے پروان چڑھایا ہے اور جسے پاکستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بولا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہی وہ زبان ہے جو اسلامی تہذیب اور اسلامی روایات کی حامل ہے اور جو دوسری اسلامی حکومتوں کی زبان کے بہت قریب ہے۔

آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اردو زبان کو ہندوستان سے نکال باہر کر دیا گیا اور اردو رسم الخط کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ یہ بات ان لوگوں کو بھی معلوم ہے جنہوں نے زبان کا جھگڑا کھڑا کر دیا ہے۔ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بنگالیوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

میں نے آپ سے اس معاملہ میں ذرا تفصیل سے اس لئے گفتگو کی ہے کہ آپ کو پاکستان کے دشمنوں اور کمیونسٹ لیڈروں کی شاطرانہ چالوں سے آگاہ کر دوں جو پاکستان میں تفرقہ بازی کی ہوا پھیلانا چاہتے ہیں۔ آپ میں سے جو حضرات عملی زندگی

میں قدم رکھنے والے ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ اس قسم کے لوگوں سے ہوشیار رہیں۔ جو سلسلہ تعلیم جاری رکھنا چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ خود غرض سیاسی لیڈروں اور مفیدانہ سیاسی جماعتوں سے بچتے رہیں۔ میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ آپ کی بھلائی، آپ کے والدین کی بھلائی، آپ کی ریاست پاکستان کی بھلائی اسی میں ہے کہ آپ محنت سے مطالعہ میں مصروف رہیں، صرف اس طرح پاکستان کے اقتصادی، سماجی مسائل حل کر سکتے ہیں۔ میں عملی زندگی میں آپ کی رہبری کے لئے چند نکات پیش کر رہا ہوں۔

خود غرض اور بے غرض لوگوں کو پہچانیے اور غداروں اور مشدوں کے آلہ کار بننے سے بچئے۔ مسلم لیگ پارٹی کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائیے۔ بہت سے لوگ جنہوں نے ہماری جدوجہد پاکستان میں ہماری راہ میں ہر قدم پر روڑے اٹکائے تھے اب پاکستان کے حامی بن کر پاکستان میں پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے بے اندازہ مسائل ہیں، جن کا کامیاب حل کروڑوں انسانوں کی زندگی کو متاثر کرے گا۔ لہذا وقت کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ پاکستانیوں میں مکمل اتفاق و اتحاد ہو۔ اتحاد ہماری کامیابی کا ضامن ہے اور نفاق ہماری جڑیں کھوکھلی کر دے گا۔ جو چیز اب ہمیں اپنے میں پیدا کرنی چاہیے۔ وہ تعمیری جذبہ ہے۔ وہ جھگڑا و طبیعت نہیں جو ان دنوں کیلئے مفید تھی جب ہم آزادی کیلئے جنگ لڑ رہے تھے۔

پُرانے طرزِ تعلیم اور طرزِ حکومت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اچھے اور تربیت یافتہ کلرک پیدا کئے جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض کلرک ذرا اونچے اٹھ گئے اور ایک بلند مقام پر فائز ہو گئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ مقصد اچھے کلرک حاصل کرنا ہی تھا۔ سول سروس میں زیادہ تر خود انگریز رہتے تھے۔ ہندوستانیوں کو سول سروس میں داخل کرنے پر بہت بعد میں عمل کیا گیا۔ بہر حال پورا اصول اور خیال یہ تھا کہ ایک خاص قسم کی ذہنیت، ایک نفسیات ایک مخصوص ذہنی کیفیت پیدا کی جائے اور یہ کہ ایک عام آدمی جب بی۔ اے یا ایم۔ اے پاس کر لے تو بس سرکاری ملازمت ڈھونڈتا پھرے۔ اگر ملازمت مل گئی تو سمجھ لیا کہ منزل پالی اُس سے زیادہ بلندی کا تصور بھی محال تھا۔ میں جانتا ہوں اور آپ سب بھی جانتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا، عام مشاہدہ ہے کہ ایک ایم۔ اے پاس نوجوان کی آمدنی ایک عیسائی ڈرائیور سے بھی کم ہوتی ہے اور سرکاری ملازمین سے پیشتر ایسی پست زندگی بسر کر رہے ہیں کہ اُن سے کئی درجے اچھی حالت اُن لوگوں کی ہوتی ہے جو پرائیویٹ اداروں میں ادنیٰ کام کرتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اُس پُرانے دھڑے سے باہر نکلیں، اُس ذہنیت کو دور کریں، اب آپ آزاد ہیں، آزاد پاکستان میں ہیں۔ حکومت ہزار ہا لوگوں کو ملازمتیں فراہم نہیں کر سکتی۔ یہ بات سرے سے ممکن ہی نہیں۔ سرکاری ملازمت حاصل کرنے کی تنگ و دو میں ایک طرح کی مقابلہ بازی شروع ہو جاتی ہے، جس

سے احساس کمتری میں مبتلا ہونا لازمی ہے۔ حکومت میں صرف چند لوگوں کی کھپت ہو سکتی ہے اور جن باقی افراد کو کوئی سرکاری ملازمت نہیں ملتی وہ ہمیشہ اپنی مایوسی اور ناکامی کی وجہ سے ایسے لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں جو حکومت کے خلاف نعرہ بازی کر کے اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اب آپ کی توجہ، آپ کا ذہن، آپ کے مقاصد اور آپ کی تمناؤں کا رخ دوسرے راستوں، دوسری منزلوں اور دوسرے میدانوں کی طرف ہو، جو آپ کیلئے کھلے پڑے ہیں۔ اور روز بروز کھلتے جائیں گے۔ دینی کام اور محنت کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے۔ ہمارے ہاں ٹیکنیکل تعلیم کی زبردست گنجائش ہے۔ کیونکہ ہمیں کاریگروں اور ہنروروں کی اشد ضرورت ہے۔ آپ معاشیات، بنکاری، تجارت، رموز کار و بار اور قانون وغیرہ کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، جن سے ترقی کے کئی امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ نئی صنعتیں قائم ہو رہی ہیں، کارخانے لگ رہے ہیں۔ نئے بینک، نئی بیمہ کمپنیاں اور نئے تجارتی ادارے کھل رہے ہیں۔ یہ آپ کیلئے کھلے ہوئے نئے میدان اور ترقی کرنے کے کشادہ مواقع ہیں یہی وہ راستے ہیں جو آپ کو نئی منزلوں سے ہمکنار کرنے والے ہیں اُن کے متعلق غور کیجئے۔ توجہ دیجئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ سرکاری ملازمت کی بہ نسبت اُن میں زیادہ فائدہ میں رہیں گے۔ سرکاری ملازمت میں کیا رکھا ہے۔ صبح سے شام تک کلرک کا نہ ذہنیت میں گھرے رہنا اور انتہائی تکلیف دہ

اور سوبانِ روح حالات میں زندگی بسر کرنا۔ اگر آپ تجارت، کاروبار اور صنعت و حرفت کی راہ پر چلیں گے تو آپ بہت زیادہ خوش رہیں گے۔ اس سے صرف آپ ہی کو نہیں بلکہ پاکستان کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

اس اہم اور نازک وقت میں جب کہ ہم بیرونی خطرات سے دوچار ہیں، اندرونی طور ہمیں ایسے پیچیدہ مسائل سے نمٹنا ہے جن کے اثرات بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں اور ہمارے مستقبل کو متاثر کرنے والے ہیں، آپ اتحاد اور یک جہتی پیدا کر کے بہت بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ ان حالات میں یہ بھی ممکن ہے کہ بعض لوگ اپنے ذاتی اور خود غرضانہ مقاصد کے لئے ایسی کاروائیاں کریں جو پھوٹ اور تفرقہ کا باعث ہوں۔ اپنے ہی لوگوں میں ایسے افراد اور دعا باز ہیں ان سے ہوشیار رہیے اور ان سے بھی جو آپ کے ذریعے اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ مشرقی پاکستان کے طلبہ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ 34

قائد اعظم محمد علی جناحؒ کا نوروزہ دورہ بنگال انتہائی مصروف تھا۔ وہ مختلف وفود ملے۔ صوبے کے حالات سے واقف ہوئے اور انہوں نے انتہائی تدبیر سے زبان کے فتنے کو دبا دیا۔ 31 مارچ 1948ء کو ان کا ایک خصوصی خطاب ریڈیو پاکستان ڈھاکہ سے نشر ہوا۔ اُس کی ریکارڈنگ انہوں نے واپسی کے وقت 30 مارچ کو ڈھاکہ میں کروائی۔ اُس میں انہوں نے اپنے دورہ کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا اور انہیں مشرقی بنگال کے نئے حالات میں مملکت کے ساتھ تعاون اور دشمن کے حربوں سے محتاط رہنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا۔

میں نو دن آپ لوگوں کے ساتھ رہا ہوں۔ اس دوران مجھے مشرقی بنگال اور آپ کے مسائل پر سوچنے اور غور کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے رخصت ہونے سے قبل اپنے تاثرات آپ تک پہنچاتا جاؤں۔

آپ نے جس جوش و خروش سے میرا خیر مقدم کیا ہے میں سب سے پہلے اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تقسیم ہند کے بعد انتظامی امور کے لحاظ سے مشرقی بنگال کو پاکستان کے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں بہت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، 15 اگست نے پہلے مشرقی بنگال، بندرگاہ کلکتہ کے عقب میں ایک معمولی سا نقطہ تھا جو کہ ایک جدید حکومت کے پایہ تخت کی تمام سہولتوں اور عیش و آرام سے محروم تھا۔ صوبہ کی تقسیم کے باعث یہاں کے ذرائع آمد و رفت پر انتہائی بے چارگی کا عالم طاری تھا اور عین اُس وقت جب کہ ہمارا ملک غذائی قلت کے خطرے سے دو چار تھا، اس نئے صوبہ کی انتظامی مشینری میں تشویش ناک انتشار نظر آ رہا تھا۔ غرضیکہ مشرقی بنگال کے نئے دور کا آغاز ایسے ناقابل برداشت حالات میں ہوا کہ اگر ہمارے لوگ کم صبر آزما ہوتے یا اُن میں قوت ارادی کی کمی ہوتی تو اب تک مشرقی بنگال حادثات کا شکار ہو چکا تھا، چٹاگانگ کے حادثہ کے بعد حکومت کی انتظامی مشینری کا بچ بچ ٹکنا بلکہ زیادہ مضبوط ہو جانا آپ لوگوں کے بے مثال کردار اور آپ کی صوبائی حکومت کی بے پناہ سرگرمی اور انہماک کا لازوال ثبوت ہے۔ اس وقت کیفیت یہ ہے کہ ابتدائی مشکلات پر

بڑی حد تک قابو پایا جا چکا ہے اور اگرچہ ابھی تک آسودہ خاطر ہو کے بیٹھ جانے کا مرحلہ نہیں آیا۔۔۔ پھر بھی ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہمارا مستقبل بہت شاندار ہے۔

میں بعض طبقے میں ایک افسوس ناک رجحان پاتا ہوں وہ غلامی سے نجات پانے کو، جو انہیں حال ہی میں حاصل ہوئی ہے، دراصل آزادی خیال نہیں کرتے جس میں ترقی کے بڑے مواقع ہیں اور ان پر بھاری ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے بلکہ وہ اسے ایک کھلی ہوئی چھوٹ سمجھتے ہیں جس میں ان پر کوئی قید یا پابندی نہیں رہی۔ یہ بات صحیح ہے کہ غیر ملکی اقتدار ختم ہو جانے کے بعد لوگ اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا خود ہی اختیار رکھتے ہیں۔ انہیں پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ آئینی طور پر جس قسم کی حکومت اپنے لئے پسند کریں اپنائیں لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ غیر آئینی طور پر کسی گروہ یا طبقہ حکومت وقت پر جس کی تشکیل عوام کی رضامندی سے ہوئی ہے اپنی مرضی یا منشا مسلط کر دے۔ حکومت یا اس کی پالیسی منتخب نمائندوں کی رائے سے بدلی جاسکتی ہے۔ لیکن کوئی حکومت بھی غیر ذمہ دار اور ناعاقبت اندیش لوگوں کی ہل بازی اور غنڈہ گردی کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ ان رجحانات کو پوری قوت سے کچل دینا پڑتا ہے۔

میں آپ سے صاف صاف پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ہندوستانی اخبارات اور دوسرے سیاسی ادارے جو پاکستان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے۔ آج

مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے مطالبات کے جنہیں وہ جائز مطالبات کہتے ہیں۔ بڑے طرفدار بن گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب یہ مسلمانوں کو پاکستان حاصل کرنے سے نہ روک سکے تو اب اپنے پروپیگنڈے سے اندر ہی اندر پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کر دینا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک مسلمان بھائی دوسرے مسلمان بھائی کے خلاف اٹھ کھڑا ہو اور آپس میں پھوٹ پڑ جائے۔

اگر آپ اپنے آپ کو پہلے بنگالی، سندھی یا پنجابی سمجھیں گے اور بعد کو مسلمان اور پاکستانی تو یقیناً آپ کا پاکستان قائم نہیں رہ سکے گا جو حال ہی میں بنا ہے اور اندرونی و بیرونی مشکلات سے دو چار ہے۔ اس نازک وقت میں ملکی مفاد کو صوبائی، مقامی یا کسی ذاتی اغراض کے لیے بھول جانا خودکشی کرنے کے برابر ہوگا۔

اس صوبے کے قدرتی وسائل کو ابھی تک استعمال میں نہیں لایا گیا۔ یہاں خام پیداوار اور بجلی کی طاقت کے وسیع خزانے موجود ہیں۔ چٹاگانگ میں اول درجے کی بندرگاہ بننے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں اور وہ وقت آنے والا ہے کہ چٹاگانگ دنیا کی بہترین بندرگاہوں میں شمار ہوگا اور اگر ہمیں امن کی فضا میسر آگئی اور یہاں کے لوگوں نے ہمارے ساتھ پورا تعاون کیا تو وہ دن دور نہیں جب مشرقی بنگال پورے پاکستان کا سب سے خوشحال صوبہ ہوگا۔ میں آپ کو مبارکباد دیتے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تقسیم کے فوری بعد جب کئی مہینوں تک مملکت ہندوستان میں مسلمانوں کا قتل عام جاری رہا تھا تو اس صوبے میں امن کی فضا پوری طرح قائم رہی، میں نے

یہاں اقلیتوں کے لوگوں کو نہایت امن کے ساتھ اپنا روزمرہ کام کاج کرتے دیکھا ہے۔ بد قسمتی سے کچھ یہاں سے ہندوستان ضرور چلے گئے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد کو ہندوستان کے اخباروں نے مضحکہ خیز حد تک بڑھا چڑھا کے بیان کیا ہے۔

بہر حال مجھے اطمینان ہے کہ ترک وطن کا یہ سبب نفسیاتی بھی ہے اور بیرونی دباؤ کا اثر بھی۔ ہندوستانی لیڈر اور ہندو پولیس کا ایک حصہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان لڑائی کی خبروں کو ہوا دیتا رہا۔ ہندو مہاسبھا جیسی جماعتیں مستقل مکر و فریب سے آبادی کے تبادلہ پر زور دیتی رہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے قتل و غارت نے قدرتی طور پر یہاں کی اقلیت کے دل میں یہ خوف پیدا کر دیا کہ ان واقعات کا ناخوشگوار اثر ہم پر نہ پڑے۔ اگرچہ مشرقی بنگال کے مسلمانوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس قسم کا خوف و ہراس بالکل بے بنیاد تھا ان سب سے بڑھ کر یہ کہ حکومت ہندوستان نے پاکستان کو ایک غیر ملک قرار دیتے ہوئے یہاں کے ہندو تاجروں کو زبردست اقتصادی دشواریوں سے دوچار کر دیا۔ اس اقدام نے بہت سے ہندو تاجروں کو نقل مکانی پر مجبور کر دیا۔

میں دیکھتا ہوں کہ صوبائی حکومت نے اقلیتوں کے تحفظ اور بہتری کے لئے ہر ممکن کارروائی کی ہے اور ان کو اپنے آبائی وطن میں رکھنے اور ایک غیر یقینی مستقبل سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا صوبہ روشن مستقبل کی طرف بڑھتا جائے گا اور وہ مسلمانوں کی تاریخ میں ایک مثبت اور مثالی کردار ادا کرنے کا موجب بنے گا۔ اور آپ آزادی کی ان تمام نعمتوں سے

مستمتع ہوں گے جو غیر ملکی اقتدار کے خاتمے کا لازمی نتیجہ ہیں۔³⁵

قائد اعظم محمد علی جناح کے دورہ مشرقی بنگال کے فوری نتائج برآمد ہوئے۔ وہاں کی سیاسی بے چینی اور خلفشار کا خاتمہ ہوا اور انتظامی معاملات بہت بہتر ہوئے۔ مسلم لیگ کے لیڈروں کے باہمی اختلافات اور چھوٹے چھوٹے جھگڑوں نے جو نا اتفاقی کی فضا پیدا کی ہوئی تھی ان کا خاتمہ ہوا۔ محمد علی بوگرہ اور تفصیل علی، خواجہ ناظم الدین کی وزارت کے خلاف بہت سرگرم تھے۔ ان دونوں احباب کو بیرون ملک سفارتی ذمہ داریوں سے نواز دیا گیا۔³⁶ ان دونوں احباب کے منظر سے غائب ہوتے ہی سیاسی محاذ آرائیوں، اردو زبان کی مخالفت اور متحدہ قومیت کے نعروں کا خاتمہ ہو گیا۔

☆☆☆

قائد اعظمؒ کا دورہ صوبہ سرحد

صوبہ سرحد کی سیاست میں خان برادران ڈاکٹر عبدالجبار المعروف ڈاکٹر خان صاحب (م۔ 1958ء)، خان عبدالغفار خان (م۔ 1988ء) کا بہت مقام اور احترام تھا۔ خان عبدالغفار کی قائم کردہ جماعت خدائی خدمت گار (1929ء) اس صوبے کی پہلی معاشرتی و سیاسی تنظیم تھی۔ اس کے کارکن سرخ قمیص پہنا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ سرخ پوش کہلاتے تھے۔¹ خان عبدالغفار خان جنہیں لوگ باچا خان (لفظ بادشاہ کا بگاڑ ہے) بھی کہتے تھے۔ گاندھی جی سے بہت متاثر تھے۔ ان کی جماعت کی معاشرتی خدمات کا پروگرام گاندھی جی کے "سانج سدھار" سے بہت ملتا تھا۔ گاندھی جی کے انداز سیاست سے متاثر ہونے کی وجہ سے وہ سرحدی گاندھی کے نام سے معروف تھے۔ سیاست میں انہیں کانگریس کی "آشیر باد" حاصل رہی۔ 1946ء کے انتخابات کے نتیجے میں ان کی جماعت نے کانگریس کے ساتھ مل کر ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں وزارت تشکیل دی تھی۔²

خان عبدالغفار خان اور ان کے حواریوں کا سیاسی فلسفہ بڑا عجیب و غریب تھا اور ناقابل فہم تھا۔ ایک طرف یہ لوگ اتنے وسیع النظر اور فراخ دل تھے کہ اپنا سب کچھ کانگریس کی جھولی میں ڈال کر متحدہ ہندوستان کی قومیت میں جذب ہونا باعث فخر سمجھتے تھے۔ لیکن دوسری طرف ان کے دل اس قدر تنگ اور ظرف اس قدر چھوٹے تھے کہ مسلمان صوبوں سے اشتراک یا پاکستان کے نام پر علیحدہ مملکت میں بادقار مقام حاصل کرنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ ایک جانب گاندھی اور ہندو کانگریسوں کے آگے خان برادران کی اتنا عجز و نیاز کی جسم تصویر بن جاتی تھی۔ لیکن دوسری طرف یہی اتنا قائد اعظمؒ یا کسی مسلم لیگی لیڈر سے آبرو مند نہ بات چیت میں ہمیشہ حائل رہتی تھی۔³

3 جون 1945ء کے منصوبے کا سب سے زیادہ اعتراض خان عبدالغفار خان کو تھا۔

ان کو کانگریس سے بھی گلہ تھا جس نے ان سے مشورہ کئے بغیر اس سکیم کو منظور کر لیا تھا۔ اور وہ کانگریس کے اس رویے کو بے وفائی اور غداری پر محمول کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ کانگریس کے اس اقدام سے خدائی خدمت گار بھڑکیوں کے آگے ڈال دیئے گئے تھے۔

The frontier would regard it as an act of treachery if the congress now threw the Khudai Khidmatgars to the wolves. ⁴

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے منصوبے کی بنیاد اس اصول پر تھی کہ مسلم اکثریت کے صوبے الگ کر دیئے جائیں اور وہ اپنی حکومت بنالیں۔ سرحد میں مسلمانوں کی غیر معمولی اکثریت تھی۔ لہذا اسے پاکستان میں شامل ہونا تھا۔ جنرل ایفائی طور پر بھی یہ مجوزہ پاکستانی رقبے کے اندر تھا۔ وہ ہندوستان سے کسی طرح بھی رابطہ نہیں رکھ سکتا تھا۔ اسکے باوجود صوبہ سرحد کے لئے استصواب رائے (ریفرنڈم) کی شرط رکھ دی گئی۔⁵

صوبے کی کانگریسی وزارت کو اس پر شدید اعتراض تھا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ "اگر استصواب رائے کے ذریعے قوم کی رائے معلوم کرنا ہے تو وہ ظاہر ہو چکی ہے کیونکہ ایک سال پہلے انتخابات میں صرف یہ نہیں کہ خدائی خدمت گاروں نے صوبے کے کل رہنے والوں کی سطح پر بلکہ مسلمان گنتی میں مسلم لیگ کی شکست دے دی تھی۔ تو ایک سال بعد پھر کوئی چیز کرنی ہے۔ جس کے لیے ریفرنڈم کا اعلان ہو گیا ہے۔"⁶

کانگریس تقسیم ہند کو تسلیم کر چکی تھی۔ خدائی خدمت گاروں کے لئے استصواب رائے کو قبول کرنے سے انکار مشکل تھا۔ انکار کا مطلب یہ ہوتا کہ سرحد کے عوام ان کے ساتھ نہیں تھے۔ انہوں نے یہ مطالبہ کر دیا کہ استصواب اس بات پر نہیں ہونا چاہیے کہ "سرحد" پاکستان سے وابستہ رہے گا یا ہندوستان سے؟ ایک تیسری متبادل چیز ہونی چاہیے کہ وہ دونوں سے الگ رہ کر آزاد رہنا چاہے تو پختونستان قائم کر لے، اس پر مولانا ابوالکلام آزاد (م۔ 1958ء) لکھتے ہیں۔

میں شریک ہو جانا چاہیے۔ اس پر خان بھائیوں نے اعلان کیا کہ وہ استصواب کا بائیکاٹ کریں۔ لیکن اُن کی مخالفت سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ استصواب ہوا اور لوگوں کی بڑی اکثریت نے پاکستان کی تائید میں رائے دی۔⁷

کانگریس ہر اُس تجویز کی حامی تھی جو پاکستان کے قیام میں مشکلات پیدا کرتی ہو لیکن لارڈ ماونٹ بیٹن اس قسم کی کوئی تجویز ماننے کو تیار نہ تھا۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے خان عبدالغفار خان کے پاس کوئی اور چارہ نہ تھا کہ وہ استصواب کے بائیکاٹ کا اعلان کرتے۔ خان عبدالغفار خان کے بائیکاٹ کے باوجود صوبے کی غالب اکثریت نے استصواب میں پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔ جمہوریت کا تقاضا تھا کہ ڈاکٹر خان صاحب اکثریت کی رائے کے احترام میں مستعفی ہو جاتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ پاکستان بن جانے کے بعد اُن کا حق تھا کہ وہ مسلم اکثریت کے صوبے کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے پاکستان کے آئین و قانون کی پاسداری کرتے۔ لیکن انہوں نے 14 اگست کو گورنر ہاؤس پشاور میں نئی مملکت کی پرچم کشائی کی تقریب میں شرکت نہ کر کے وفاقی کو ایک ناخوشگوار تاثر بھجوا دیا۔⁸

پاکستان اپنے ابتداء ہی سے مرکز صوبہ کشمکش کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ پہلے ہی ہفتے قائد اعظم محمد علی جناح نے گورنر جنرل کے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کو برطرف کر دیا۔⁹

1947ء فروری

نئے وزیر اعلیٰ کے طور پر خان عبدالقیوم خان (م 1981ء) نے حلف اٹھایا۔ اگرچہ مسلم لیگ سرحد اسمبلی میں اکثریت نہ رکھتی تھی لیکن خان عبدالقیوم خان کو جلد ہی سات کانگریسی ممبروں کا تعاون حاصل ہو گیا۔ جس سے وہ اپنی وزارت برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔¹⁰

خان عبدالغفار خان، ڈاکٹر خان صاحب، خان عبدالقیوم خان کے بہت ہی مضبوط حریف تھے۔ وہ تقسیم کے بعد پنجوستان کے معاملے کو بہت اچھا ل رہے تھے۔ خان عبدالقیوم

"واقعہ یہ تھا کہ خان بھائی صوبہ سرحد میں اتنے طاقتور نہ تھے جتنا کانگریس ان کو سمجھتی تھی۔ تقسیم کا ایجنڈا شروع ہونے کے بعد ان کا اثر کم ہو گیا تھا۔ اب پاکستان سامنے نظر آنے لگا تھا اور مسلم اکثریت کے صوبوں سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ ان کو خود مختار حکومت قائم کرنے کا موقع ملے گا، صوبہ سرحد میں ایک جذباتی انقلاب برپا ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر خان صاحب نے دیکھا کہ صوبہ سرحد میں ان کی لیڈری قائم رہنے کی صورت ہے کہ وہ پنجوستان کا مطالبہ پیش کریں۔ بہت سے پٹھان یہ پسند کریں گے کہ اُن کی ایک اپنی چھوٹی سی ریاست قائم ہو جائے۔ کیونکہ اُن کو یہ خوف تھا کہ پنجاب اُن پر غلبہ حاصل کرے گا۔

جب انہوں نے دیکھا کہ کانگریس تقسیم کے لیے پابند ہو چکی ہے تو اُن کی سمجھ میں اور کچھ نہ آیا۔ وہ استصواب سے انکار کر نہیں سکتے تھے۔ یہ اُن کی طرف سے کمزوری کا اعتراف ہوتا۔ وہ صوبہ سرحد واپس گئے اور اپنے دوستوں سے مشورہ کرنے کے بعد انہوں نے صوبہ سرحد کیلئے خود مختاری کا نعرہ بلند کر دیا۔ آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے صوبہ سرحد کی ورکنگ کمیٹی کے فیصلے کی توثیق کی اور خان عبدالغفار خان کو اختیار دیا کہ وہ صوبے کی صورت حال کا جس طرح چاہیں، تصفیہ کریں۔

مگر نہ مسٹر جناح یہ دعویٰ قبول کرنے کیلئے تیار تھے اور نہ لارڈ ماونٹ بیٹن۔ لارڈ ماونٹ بیٹن نے یہ واضح کر دیا کہ صوبہ سرحد کو جداگانہ خود مختار حکومت نہیں بنایا جاسکتا، اس کو لازماً ہندوستان یا پاکستان

خان کی حکومت کو سیاسی استحکام کی اشد ضرورت تھی۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ سے صوبے کی صورت حال پوشیدہ نہ تھی۔ انہوں نے بہتر یہی سمجھا کہ وہ یہاں کا دورہ کر کے خان عبدالقیوم خان کی وزارت کو تقویت دیں۔ وہ خان عبدالغفار خان اور ان کی جماعت کے عزائم کا بھی جائزہ لینا چاہتے تھے۔ اگرچہ وہ ایک عرصہ سے بیمار تھے۔ ڈاکٹر انہیں آرام کا مشورہ دیتے تھے۔ پندرہ روز قبل وہ مشرقی بنگال کا بہت ہی مصروف دورہ کر کے آئے تھے۔ اُس کی تھکان ابھی باقی تھی، لیکن آرام اور خرابی صحت کی بنا پر کسی مسئلے کو پس پشت ڈالنا اُن کا شیوہ نہ تھا۔ صوبہ سرحد کے معاملات کو نظر انداز کرنا بڑا قومی نقصان تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ بھلا یہ نقصان کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ چنانچہ تھکاوٹ اور بیماری کے باوجود وہ صوبہ سرحد کے دورے کیلئے گیارہ اپریل (1948ء) کی سہ پہر اپنے جہاز والی کنگ سے پشاور پہنچ گئے۔ صوبہ سرحد کی عوام کی ایک بہت بڑی تعداد اپنے قائد کا فقید المثال استقبال کرنے کے لیے پشاور ایئر پورٹ پر موجود تھی۔ وہ اپنے محبوب قائد اور بانی پاکستان کی ایک جھلک دیکھنا چاہتے تھے۔¹¹

ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کے نمائندے نے اُس دن جو رپورٹ پشاور سے اخبارات کے لیے روانہ کی اس سے قائد اعظمؒ کے دورے پر صوبہ سرحد میں گرم جوشی کا اندازہ ہوتا ہے۔

"ان دنوں صوبہ سرحد میں بہار کا دور دورہ ہے اور ذرے ذرے سے رنگ و مستی چھلک رہی ہے کہ قائد اعظمؒ کے دورے سے غیور پٹھانوں کا روایتی جوش و خروش دو چند ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ کل پشاور کی رات دیکھنے والی تھی۔ جدھر دیکھو سبزہ ہی سبزہ نظر آ رہا تھا۔ وادی خیبر سے آنے والی شمیم غزیریں چل رہی تھیں۔ عمارتوں پر رنگا رنگ روشنیاں جھلمل کر رہی تھیں۔ ہر شخص خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ چاروں طرف خوشی و مستی کی گال چھٹ رہی تھی۔ پشاور میونسپلٹی کی طرف سے شہر کے دس ہزار سے زیادہ غریبوں کو پر تکلف کھانا کھلایا

گیا۔ رات گئے تک مساجد میں تلاوت کلام پاک کی گئی اور قائد اعظمؒ کی درازی عمر اور کشمیر کی آزادی کے لیے دعائیں مانگی گئیں۔ قائد اعظمؒ کی تشریف آوری سے صرف پشاور ہی کی معاشرتی اور سیاسی گہما گہمی میں اضافہ نہیں ہوا جہاں صوبے بھر سے ممتاز افراد، ریاستی حکمران اور قبائلی سردار کھینچے چلے آئے ہیں۔ بلکہ قبائلی علاقے میں بھی قائد اعظمؒ کے شاہانہ استقبال کے لیے سرگرمی سے تیاریاں جاری ہیں۔"¹²

ایئر پورٹ پر قائد اعظمؒ کا استقبال پر جوش نعروں سے کیا گیا۔ صوبے کا گورنر سر امبروز ڈانڈوس (Sir Ambrose Dundos) وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان، وزارت خارجہ کے جوائنٹ سیکرٹری کرنل اے۔ ایس۔ بی شاہ، پشاور ایریا کے جنرل آفیسر کمانڈنگ۔ مہجر جنرل نذیر احمد، پشاور ایئر سٹیشن کے کمانڈر ایئر کموڈور جنجوعہ نے آگے بڑھ کر اُن کا استقبال کیا۔ رائل پاکستان ایئر فورس کے ایک دستے نے انہیں گاڑی آف آرنڈ کیا۔ پنجاب رجمنٹ کے ایک دستے نے انہیں شاہانہ سلامی پیش کی۔ ہوائی اڈے پر سرحدی ریاستوں کے حکمران، ممتاز سیاسی لیڈر، بڑے بڑے فوجی آفیسرز، مجلس قانون ساز کے ممبر اور صوبائی کابینہ کے ارکان بھی استقبال کیلئے صف باندھے کھڑے تھے۔ وہ وزیر اعلیٰ اور گورنر کے ہمراہ ان صفوں تک آئے اور حاضرین میں ہر ایک سے مصافحہ کیا۔¹³

استقبالیہ رسومات سے فارغ ہو کر وہ گورنر اور وزیر اعلیٰ کے ہمراہ گورنمنٹ ہاؤس روانہ ہوئے۔ پشاور دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ سکول کے بچے چھوٹے چھوٹے جھنڈے لیے ایئر پورٹ سے گورنمنٹ ہاؤس تک دو روہ کھڑے تھے اور قائد اعظمؒ زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ صوبہ سرحد کی غیور عوام نے حقیقتاً اپنے قائد کی راہ میں دیدہ و دل فرس راہ کیا ہوا تھا۔¹⁴

17 اپریل کو قائد اعظمؒ نے گورنمنٹ ہاؤس میں صوبائی مسلم لیگ کے ارکان سے

ملاقات کی۔ 15 پچھلے پہر وہ اسلامیہ کالج پشاور تشریف لے گئے۔ 16 طالب علم ہمیشہ ہی انہیں محبوب رہے تھے۔ اُن کا برتاؤ نوجوانوں سے ہمیشہ پر شفقت ہوا کرتا تھا۔ آپ اُن کے خیالات، احساسات کی ہمیشہ قدر کرتے تھے۔ اُن کی خواہش تھی کہ طلباء میں احساسِ ذمہ داری، فرض شناسی، علم سے رغبت اور وطن پرستی کے اوصاف پیدا ہوں۔ اسلامیہ کالج پشاور میں اُن کے خطاب میں نہ صرف اُن کا شفیق لہجہ نظر آتا ہے بلکہ وہ طلبہ کو بھی اہم معاملات میں شریک کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ نے اس موقع پر فرمایا۔

پاکستان حاصل کرنے کی جدوجہد کے دوران ہم غیر ملکی حکومت پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ تاکہ ہم اپنی مرضی کی حکومت قائم کر سکیں۔ ایسا کرتے وقت ہم نے بہت سی قربانیاں دیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں کی تعلیمی زندگی بھی متاثر ہوئی۔ لیکن میں یہ کہوں گا کہ آپ نے اپنا کردار شاندار طریقے سے انجام دیا۔ اب جبکہ آپ اپنا نصب العین حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کی اپنی حکومت ہے۔ آپ کا اپنا ملک ہے۔ جس میں آپ آزاد لوگوں کی حیثیت سے رہتے ہیں تو سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل کیلئے آپ کا نکتہ نگاہ اور آپ کی ذمہ داری بدل جانی چاہیے۔ آپ کے فرائض یہ ہونے چاہئیں۔

نظم و ضبط کا گہرا احساس، اعلیٰ کردار، حقیقی اور عمل پر آمادہ کرنے والی تعلیم، آپ کو چاہیے کہ آپ خود کو پورے دل و دماغ کے ساتھ مطالعے کیلئے وقف کر دیں۔ کیونکہ یہ آپ کی اولین ذمہ داری ہے۔

یہاں بہت زیادہ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے تحریک

پاکستان کی جدوجہد میں ہماری ذرہ برابر مدد نہیں کی۔ بلکہ ہماری مخالفت کرتے رہے۔ ہمارے راستے میں روڑے اٹکاتے رہے۔ ان لوگوں کی تعداد بھی خاصی ہے۔ جو دشمنوں کیساتھ مل کر کھلم کھلا ہماری مخالفت کرتے رہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہی لوگ اب پھر نکل کر سامنے آئیں، اپنے مقاصد اور پروگرام کیلئے لوگوں کو گمراہ کن نعروں میں الجھائیں اور اپنے پٹے ہوئے فقرے پھر سے دہرائیں۔ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تمہارا کوئی قدم غلط ملط باتوں، نعروں یا پٹے پٹائے نعروں کے قریب نہ پھٹکے۔ ان باتوں کا کوئی اثر قبول کرنا اور انہیں طوطے کی طرح دہرانا فضول ہے۔

اب جبکہ ہم اپنا مقصد حاصل کر چکے ہیں آپ کو مجھ سے یہ توقع ہوگی کہ میں آپ کو نصیحت کروں کہ ہم اپنی نئی مملکت کو اپنی آرزوں کے مطابق دنیا کی عظیم مملکت بنانے کی دشوار مہم کس طرح اور کس طریقے سے سر کر سکتے ہیں۔ یہ واقعی خوشی کی بات ہے کہ پاکستان کے عوام اپنے ملک کی ترقی کے امکانات سے باخبر ہیں۔ مگر میں آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ جلد بازی یا بے صبری اتنی ہی خطرناک ہے۔ جتنی دلولے کی کمی اور بے حسی۔ آپ کی مملکت کی مثال ایک باغ سی ہے۔ آپ کا باغ اتنا ہی پھلے پھولے گا جتنی دیکھ بھال اور کوشش آپ اس کے لیے کریں گے۔ اسی طرح آپ کی حکومت بھی اسی وقت اچھی طرح چل سکتی ہے کہ آپ وطن دوستی کیساتھ اپنی پُر خلوص اور تعمیری کوششیں اس کی اصلاح اور درستی کیلئے صرف کریں۔

آپ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اپنے صوبے سے محبت کرنے اور اپنے ملک سے محبت کرنے کے معانی اور ان دونوں کے تقاضے الگ الگ ہیں۔ ہمارے فرائض جو ہم پر پوری مملکت کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں صوبائیت سے آگے لے جاتے ہیں۔ ان کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی نظر اور اپنے خیالات اور وطن پرستی کے تصور میں وسعت پیدا کریں۔ ملک کی خدمت کا اکثر یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی ذات اور صوبائی اغراض کو وسیع تر مقاصد میں ضم کر دیں۔

اسی میں سب کی بھلائی اور سب کا فائدہ ہے۔ سب سے پہلے ہم پر اپنے ملک کی خدمت فرض ہے۔ اس کے بعد اپنے صوبے کی۔ پھر اپنے ضلع، قصبہ یا گاؤں کی اور سب سے آخر میں خود اپنی۔۔۔۔۔ یہ نہ بھولیں کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تعمیر کر رہے ہیں جسے پوری دنیائے اسلام کی قسمت بنتا ہے۔ لہذا ہماری نظر وسیع ہونی چاہیے۔ ایسی وسیع کہ وہ صوبائی حد بندی، محدود قوم پرستی اور نسلی تعصبات سے بالاتر ہو۔

ہمیں اس وطن دوستی کو فروغ دینا چاہیے جو ہمیں ایک متحد اور طاقتور قوم کے سانچے میں ڈھال سکے۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے ہم اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں وہ مقاصد جن کیلئے لاکھوں مسلمانوں نے اپنا سب کچھ کھویا اور اپنی جانیں قربان کیں۔ میرے نوجوان دوستو!

اب تمہیں ضروری اور بنیادی تبدیلیوں کا پورا پورا شعور ہونا

چاہیے جو حال ہی میں اس خطے میں ہوئی ہیں۔ اپنی شخصیت کو محض سرکاری ملازم بننے کے خول میں محدود نہ کیجئے۔ جیسا کہ اب تک سب ہی اس کی تمنا کرتے رہے ہیں۔ اب نئے میدان، نئے راستے اور نئی منزلیں آپ کی نگاہ شوق کے منتظر ہیں۔ سائنس، تجارت، بنک، عیہ، صنعت و حرفت اور فنی تعلیم کے شعبے آپ کی توجہ اور تجسس کے محتاج ہیں۔ 17

13 اپریل کی صبح قائد اعظم محمد علی جناح رسالہ پور تشریف لے گئے۔ 18 جہاں انہوں

نے رسالہ پور کے فضائی تربیتی سنٹر میں فضائی تربیت حاصل کرنے والے جوانوں سے خطاب کیا۔ اس موقع پر انہوں نے اس تربیتی سکول کو ترقی دے کر کالج کا درجہ دینے کا اعلان کیا اور اس کا نام تبدیل کر کے رائل پاکستان ایئر فورس کالج رکھا گیا۔ اس تقریب میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے فضائی افواج میں خود اعتمادی اور نظم و ضبط کی خوبیاں اجاگر کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا۔

"ہوائی جہازوں اور ان کے عملے کی تعداد سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اصل چیز جذبہ شوق اور نظم و ضبط ہے۔ میں آپ کو تاکید سے کہتا ہوں کہ نظم و ضبط اور خود اعتمادی ہی وہ چیزیں ہیں جن پر عمل کر کے پاکستان کی فضائیہ پاکستان کے لیے فخر کا باعث بن سکتی ہے۔" 19

اس کے بعد رسالہ پور ہی میں انہوں نے تھرڈ آرمڈ بریگیڈ کا معائنہ کیا۔ 20 اور اس کے

افروں اور جوانوں سے بھی خطاب کیا۔ رسالہ پور سے واپسی پر وہ نوشہرہ تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے آرمڈ بریگیڈ کا معائنہ کیا۔ 21

پچھلے پہر گورنمنٹ ہاؤس پشاور کے خوبصورت سبزہ زار میں گورنر صوبہ سرحد کی جانب سے اُن کے اعزاز میں خصوصی ضیافت کا اہتمام تھا۔ صوبہ سرحد کے طول و عرض سے چھ سو کے قریب معززین مدعو تھے۔ تمام وزرائے حکومت، ارکان اسمبلی، اخبار نویس اور مسلم لیگی راہنما موجود تھے۔ اُن کے علاوہ اعلیٰ حضرت والی سوات، مہتر چترال، ولی عہد ریاست دیر، نواب احمد نواز خان آف ڈیرہ، نواب اللہ نواز خان پیکر سرحد اسمبلی، خان بہادر محمد ابراہیم خان جوڈیشل کمشنر، ملک خُدابخش ایڈیشنل جوڈیشل کمشنر، صاحبزادہ خورشید پولیٹیکل ریڈیٹ، نواب شیخ محبوب علی خان پولیٹیکل ایجنٹ مالاکنڈ، کرنل اے۔ کے صاحبزادہ، شیخ محمد شفیع ایڈووکیٹ جنرل، ملک مراد خان شنواری، نواب باز محمد خان آف میری، پیر صاحب مانگی شریف، پیر صاحب ڈکڑی شریف کے نام قابل ذکر تھے۔ اقلیتوں کی نمائندگی لالہ کوٹو رام ایڈووکیٹ بنوں اور ڈاکٹر اُپل پشاور نے کی۔ اس تقریب کی خصوصیت یہ تھی کہ اُس میں سابق وزیر اعلیٰ سرحد ڈاکٹر خان صاحب بھی شریک تھے۔ قائد اعظم کی طرف سے خصوصی ہدایت کی گئی تھی کہ کانگریسی راہنماؤں کی نشست کا اہتمام اُن کی نشست کے ساتھ کیا جائے، تاکہ بات چیت میں آسانی رہے۔²²

انہوں نے ہر طبقے کے لوگوں سے گھل مل کر بات چیت کی اور ہر شعبے کے افراد سے صوبے کی سیاسی اور انتظامی مسائل و معاملات پر آزادانہ تبادلہ خیال کیا۔ ڈاکٹر خان صاحب سے بھی خصوصی طور پر گفتگو ہوئی۔ اعلیٰ سیاسی حلقوں نے اس بات چیت کو بے حد اہم قرار دیا۔ کیونکہ اس غیر رسمی گفتگو کے فوراً بعد ڈاکٹر خان صاحب اتمان زئی روانہ ہو گئے۔ جہاں سرخ پوش راہنما خان عبدالغفار خان مقیم تھے۔²³

14 اپریل کی صبح قائد اعظم محمد علی جناح نے درہ خیبر کا دورہ کیا۔ اُن کے ہمراہ صوبہ سرحد کے گورنر سرائیمبر وزڈانڈوس (Sir Ambrose Dundos) خیبر کے پولیٹیکل ایجنٹ کرنل نیکن (Col. Bacon) فرنٹیر کور کے کمانڈر بریگیڈئیر ولیم (Brigadier William)، پولیٹیکل ریڈیٹ کرنل صاحبزادہ خورشید وزارت، خارجہ کے جاسٹ سیکرٹری کرنل اے۔ ایس۔ بی

شاہ (A.S.B. Shah) نمایاں تھے۔²⁴

جمرو سے طورخم تک میلوں راستہ خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ خیبر کے تمام بوڑھے، بچے، نوجوان آفریدی، شنواری، ملاگوری، جاناہز سڑک پر جمع تھے۔ جونہی وہ جمرو پہنچے دوستانہ طور پر فائرنگ کر کے قبائلیوں نے انہیں روایتی سلامی دی۔

لنڈی کوتل میں شنواری، ذرخیل، شلمانی قبائل کے لوگ استقبال کو جمع تھے وہ ان کے جگے سے ملے۔ انجمن تنظیم قبائل کے صدر ملک باور خان شنواری نے اس موقع پر بلند آواز سے کہا۔

"گرامی قدر قائد اعظم! تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ درہ خیبر میں جتنے بھی فاتحین مغرب سے آئے اُن کے ساتھ ہزاروں نہیں لاکھوں سپاہی تھے جن کے ہاتھوں میں تلوار، نیزے، بھالے اور تیر تھے۔ لیکن اتنی طاقت کے باوجود آسانی سے درہ خیبر سے نہ گذر سکے۔ جب تک انہوں نے ہمیں خراج ادا نہ کیا۔ ہم نے انہیں یہاں سے گزرنے نہ دیا لیکن اے عظیم قائد! آپ ایک ایسے فاتح ہیں جن کے پاس پیادہ لشکر ہے نہ سوار، توپیں ہیں نہ نیزے، لیکن کتنا عجیب فرق ہے ان فاتحین میں اور آپ میں۔ وہ لوگ جب یہاں سے گئے تو آہوں اور سسکیوں کے ساتھ گئے اور پشت پر زخم لے کر گئے۔ لیکن آپ ہیں کہ ہمارے دل بھی ساتھ لیتے جا رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ تمام فاتحین تو مغرب سے آئے جبکہ آپ مشرق کی جانب سے آ رہے ہیں۔"²⁵

قائد اعظم محمد علی جناح پاک افغان سرحد پر بھی پہنچے۔ جہاں ایک زنجیر پاکستان اور افغانستان کو جدا کر رہی تھی۔ زنجیروں کے اس پار افغان سنتری کھڑے تھے۔ انہوں نے احتراماً

ہاتھ اٹھا کر ان کو سلام کیا اور انہوں نے ہاتھ ملا کر افغان سفتریوں سے مصافحہ کیا اور فرمایا۔
 "تم میرے مسلمان بھائی ہو۔ میں آج بے انتہا خوش ہوں کہ اس
 سرحد کے ادھر بھی آزاد اسلامی ملک ہے اور سرحد کے اس طرف بھی
 ایک آزاد اسلامی مملکت۔۔۔ ہم تمام بھائی بھائی ہیں۔ یہ مصنوعی
 حد بندیوں اسلامی اخوت کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتیں۔" 26

دوڑ خیر کے دورے سے واپسی پر قائد اعظمؒ نے گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں صوبہ سرحد
 کے سرکاری افسروں اور اہل کاروں سے خطاب کیا۔ آپ نے اس موقع پر خاص طور پر تلقین کی کہ
 "آپ کو کسی سیاسی دباؤ میں نہیں آنا چاہیے۔ خواہ یہ دباؤ کسی سیاسی
 جماعت کی جانب سے ڈالا جائے یا سیاسی شخصیت کی جانب سے
 حکومتیں بنی اور شکست کھاتی رہتیں ہیں۔ وزیر اعظم آتے جاتے
 رہتے ہیں مگر آپ موجود رہتے ہیں۔ لہذا آپ پر بھاری ذمہ داری
 عائد ہوتی ہے۔ کسی ایک یا دوسری جماعت کی حمایت میں آپ کا
 ہرگز کوئی ہاتھ نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح آپ کو کسی ایک یا
 دوسرے سیاسی لیڈر کی حمایت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ آپ کا کام نہیں
 ہے۔" 27

15 اپریل کی صبح پشاور کے گورنمنٹ ہاؤس کے سبزہ زار میں قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے
 صوبائی مسلم لیگ کونسل سے ملاقات کی۔ ان کے بعد معروف سرخ پوش لیڈر خان عبدالغفار خان
 سے بھی ملاقات کی۔ یہ ملاقات ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔ اس موقع پر خان عبدالغفار خان سے
 اخباری نمائندوں نے پوچھا، آپ کی ملاقات کیسی رہی؟۔۔۔ انہوں نے جواب دیا۔
 "ہم نے دوستانہ ماحول میں بات کی۔ پاکستان اور اس کی عوام کے
 متعلق ہم دونوں کے جذبات و احساسات ایک جیسے ہیں۔" 28

اسی دن انہوں نے 2/15 پنجاب مشین گن رجمنٹ کی ایک تقریب میں شرکت کی
 اور رجمنٹ کے نامور نو جوانوں کو ان کی بہادری اور جوانمردی کے کارناموں پر انعامات تقسیم کئے۔ 29
 شام کو ممبران اسمبلی صوبہ سرحد سے ان کی ملاقات تھی۔ انہوں نے ان سے صوبے کے
 اہم معاملات پر تبادلہ خیال کیا۔

16 اور 17 اپریل کو قائد اعظمؒ نے صوبہ سرحد کے جنوبی اضلاع ڈیرہ اسماعیل خان اور
 بنوں کا دورہ کیا۔ ان اضلاع کے لوگوں نے ان کا بڑا تاریخی استقبال کیا۔ مقامی لوگ اور قریبی
 دیہات کے لوگ اپنے قائد کی ایک نظر، ٹھیکنے کے لیے سڑکوں اور شاہراؤں پر ایک جم غفیر کی شکل
 میں آئے ہوئے تھے۔ صوبہ سرحد کے گورنر سر ایمر وز ڈانڈوس، وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان
 اور قبائلی علاقے کے پولیٹیکل ایجنٹ اس دورہ میں ان کے ہمراہ تھے۔ ہوائی اڈے سے سرحد
 بادس تک لوگ دور دورے قطار میں کھڑے تھے اور مسرت انگیز نعرے لگا رہے تھے۔ سرحد ہاؤس
 میں مقامی پولیس نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ اس کے بعد سرحد کے قریب رہنے والے خانہ
 بدوشوں کے نمائندوں نے ان سے ملاقات کی اور اپنی حمایت اور تعاون کا یقین دلایا۔ 30

یہاں وفد میں شامل ایک شخص نے انہیں تلوار کا تحفہ پیش کیا۔ تحفے کی اہمیت کو اجاگر
 کرنے کی خاطر اس شخص نے کہا۔

جناب یہ وہ تلوار ہے جو مغلوں نے ہمارے بزرگوں کو عطا کی تھی۔

قائد اعظمؒ نے بربستہ کہا۔

یہ وہ تلوار تو نہیں ہے؟ جسے بعد میں آپ کے بزرگوں نے سکھوں اور انگریزوں
 کے حوالے کر دیا تھا۔ 31

ان کے اس بے ساختہ جواب میں علاقہ کے عروج و زوال کی تمام کہانی تھی۔

دوپہر کو قائد اعظمؒ نے پولو گراؤنڈ میں عوام کے اجتماع سے خطاب کیا۔ جس میں انہوں

نے عوام کو متحد رہنے کی ضرورت پر زور دیا۔ آپ نے فرمایا۔

"میں نے جو کچھ کیا ہے، اسلام کے خادم کی حیثیت سے کیا ہے۔ میں نے اپنے جسم و جاں کی تمام توانائیوں سے اپنی ملت کی خدمت کی ہے۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق پیدا ہو۔ خدا کے فضل و کرم سے آپ نے اتحاد و اتفاق ہی کی بدولت پاکستان حاصل کیا ہے لیکن اب پاکستان کو مستحکم اور مضبوط بنانے کے لئے پہلے سے بھی کہیں بڑھ کر اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے۔" 34

18 اپریل کی صبح ایڈورڈ کالج پشاور کے سٹاف اور طلبہ کی درخواست پر قائد اعظمؒ نے اپنے پروگرام سے خصوصی وقت نکال کر وہاں کا دورہ کیا اور خطاب کیا۔ اس دن بارش کی وجہ سے موسم بہت سرد ہو گیا تھا۔ وہ اتنی سردی برداشت کرنے کے عادی نہ تھے۔ اُس روز ایک اور بات ہوئی کہ تقریر کے دوران مائیکروفون فیل ہو گیا۔ تاہم انہوں نے تقریر جاری رکھی۔ 35 آپ نے اس موقع پر فرمایا۔

"پاکستان کے شہریوں کو اس فرسودہ ذہنیت اور رسم و رواج کو بدلنے کی اشد ضرورت ہے۔ جو ہمیں غلامی سے ورثہ میں ملی ہیں۔ پچھلے چند برس میں آپ کو بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب یہ عظیم الشان سر زمین ایک آزاد اسلامی جمہوریت کا حصہ ہے۔ اب ہمیں بہت زیادہ مشکل کام سرانجام دینا ہے۔ اور یہ کہ ہم اپنی غلامی کی وراثتوں یعنی اپنی غلامانہ ذہنیت اور کردار کو یکسر بدل ڈالیں۔

مجھے یہ سن کر انتہائی مسرت ہوئی ہے کہ آپ نظام تعلیم میں اہم تبدیلیاں کر رہے ہیں۔ آپ کے کالج میں ایسے مضامین

"پاکستان حاصل ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسے ایک مضبوط مملکت بنانے کے دشوار کام کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔ یہ مقصد تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب آپ سب مل کر اس کیلئے کوشش کریں اور اپنے تمام ذہنی اور مادی وسائل کو مضبوط بنانے کے لیے وقف کر دیں۔" 32

بنوں میں بھی اُن کا بہت شاندار استقبال ہوا۔ تمام راستے سجے ہوئے تھے۔ شہر میں عید کا سماں تھا۔ انہوں نے بنوں کے قلعہ میں مقامی لوگوں اور قبائلیوں کے سامنے ایک تقریر کی جس میں انہوں نے حاضرین سے اپیل کی کہ رشوت ستانی، باہمی رقابت اور بدعنوانیوں کو ترک کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت عوام کی حالت بہتر بنانے کیلئے جو کوششیں کر رہی ہے، میں بڑے غور سے ان کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ مجتہد امید ہے کہ اگر آپ حکومت کو مناسب وقت اور موقع دیں گے اور اس کی جائز و مناسب امداد کریں گے تو بہت جلد حکومت ان مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو جائے گی۔ انہوں نے اس موقع پر حاضرین کو بتایا۔

"گورنر جنرل کی حیثیت سے میری مصروفیات بہت زیادہ ہیں۔ میرے لئے کراچی چھوڑنا آسان نہیں۔ اس کے باوجود میں نے وقت نکالا کہ میں آپ کے صوبے میں آ کر آپ کے مسائل کو ذاتی طور پر دیکھوں۔" 33

جلسہ عام کے بعد انہوں نے قبائلی سرداروں کے مختلف گروہوں سے الگ الگ ملاقاتیں کیں اُن کے مسائل اور معاملات کو بڑے غور سے سنا۔

17 اپریل کو گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں ایک عظیم قبائلی جرگہ منعقد ہوا۔ اس جرگے میں چترال سے لیکر وزیرستان کے تمام قبائل کے سربراہ اور وہ ملک، علمی اور روحانی پیشوا اور قبائلی بزرگ شمولیت کے لیے آئے تھے۔ قائد اعظمؒ نے اس جرگے کے سپاس نامے کے جواب میں فرمایا۔

پڑھائے جارہے ہیں۔ جو طالب علموں کو تجارت، صنعت و حرفت، بینکنگ اور انشورنس کے کاموں میں مدد دے سکتے ہیں۔ اب کالجوں کا یہ مقصد ہونا چاہیے کہ وہ زراعت، علم حیوانات، انجینئرنگ اور ڈاکٹری وغیرہ کے بہترین ماہر پیدا کریں۔ ان مسائل پر جواب ہمیں گھیرے ہوئے ہیں۔ قابو پانے کا ذریعہ یہی ہے۔ اس سے ہم عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ مجھے صوبہ سرحد کے مسائل سے گہری دلچسپی ہے۔ لہذا تعلیم کے فروغ کے لئے اس کالج کی سرگرمیاں ہمیشہ میرے لئے جاذب توجہ رہیں گی۔

آپ کی حکومت ابھی بالکل نئی ہے۔ ہر حکومت کی ترقی کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ آپ کی صوبائی اور مرکزی حکومت جس میں میں خود بھی شامل ہوں، ہر لحاظ اپنے آپ کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب آپ کو درخواستیں اور عرضیاں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ حکومت آپ کی اپنی حکومت ہے۔ لیکن حکومت کا کیا ہے۔ ہر حکومت اپنی پالیسی اور اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں سست رفتار ہو جاتی ہے۔ انتظامیہ اپنی مخصوص چال کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ اور اس بات کا تعلق ہر قسم کی انتظامیہ سے ہے۔ میں نہیں کہتا کہ ہماری حکومت (انتظامیہ) مثالی ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں نہیں کہتا کہ ہماری حکومت اپنے وجود اور اقتدار کے چند ماہ کے دوران ہمیشہ صحیح اور درست رہی ہے۔

نہیں ایسا نہیں ہے! ہماری انتظامیہ میں اصلاح کی بڑی گنجائش ہے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت ہے، ان کی بھی اصلاح کی

ضرورت ہے۔ صوبوں اور مرکز کے وزراء اور خود میری ذات سب قابل اصلاح ہیں۔ ہر نئے دن ہمیں نئے سبق اور نئے تجربے حاصل ہو رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب آپ ایک آزاد اور خود مختار مملکت کے شہریوں کی حیثیت میں اپنے آپ کو فکرمند رکھیں۔ جب آپ کی حکومت کوئی اچھا کام کرے تو اس کی تعریف کیجئے۔ ہر وقت نکتہ چینی، عیب جوئی اور وزارت یا عہدہ داروں کے خلاف تخریبی تنقید سے لذت حاصل کرنے کی پرانی عادت ترک کر دیجئے۔ یہ آپ کی اپنی حکومت ہے۔ یہ سابقہ حکومتوں سے بالکل مختلف ہے۔ ہاں یہ حکومت کوئی غلط کام کرے تو بے خونی سے تنقید کیجئے۔ میں صحت مند اور تعمیری تنقید کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ آپ بے خونی سے جب ضرورت ہو مجھ پر بھی تنقید کیجئے۔ مجھے نکتہ چینی پسند ہے۔ بشرطیکہ یہ نکتہ چینی ایماندارانہ اور تعمیری انداز میں کی گئی ہو۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ مجھے آئندہ بھی آپ کے کالج آنے کا موقع ملے گا۔ 36

19 اپریل کو پشاور کے شہریوں کی جانب سے بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں اسمبلی ہال پشاور (موجودہ ہائی کورٹ) کے سبزہ زار میں استقبال دیا گیا۔ استقبال میں وہ ہر طبقہ کے راہنماؤں سے ملے اور آزادانہ تبادلہ خیال کرتے رہے۔ خان برادران، خان عبدالغفار خاں اور ڈاکٹر خان صاحب سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد بھی اس موقع پر موجود تھے۔

کواٹ کے مشہور راہنما "پیر شہنشاہ ایم۔ ایل۔ اے" بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاضری کے وقت وہ برہنہ سر تھے۔ انہوں نے 1930ء میں قسم کھائی تھی کہ جب تک ملک آزاد نہ ہو گا وہ برہنہ سر رہیں گے۔ وزیر اعلیٰ سرحد خان عبدالقیوم خان نے پیر شہنشاہ کا تعارف

کرواتے ہوئے اُن سے اس قسم کا بھی ذکر کیا۔ یہ سن کر وہ مسکرائے۔ اُنہوں نے کھڑے ہو کر پیر شہنشاہ کو سلام کیا اور فرمایا۔

"میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ ہمارا وطن اب اغیار کی غلامی سے مکمل آزاد ہو گیا ہے۔ آپ کی قسم پوری ہو چکی ہے۔ آپ اب ٹوپی پہن لیں۔"

اُنہوں نے اپنے ہاتھ سے پیر شہنشاہ کو ٹوپی پہنائی، پیر صاحب نے اس دن سے دوبارہ ٹوپی پہننا شروع کر دی۔³⁷

قائد اعظم کے دورہ سرحد کی سب سے اہم تقریب دورے کے اختتام پر پشاور کے عوام سے اُن کا خطاب تھا۔ جو اُنہوں نے 20 اپریل 1948ء کو ایک بہت بڑے جلسہ عام میں کیا۔ قائد اعظم ایک ہفتہ میں صوبہ سرحد کے متعدد مقامات کا دورہ کر چکے تھے۔ وہ مختلف طبقوں، عوام کے نمائندوں اور مختلف سیاسی عناصر کی سرگرمیوں اور اُن کے عمل اور کردار کا بخوبی جائزہ لے چکے تھے۔ چنانچہ اس جلسے میں جو تقریر کی وہ ایک ایسے درد مند دل کی پکار تھی جسے سیاسی عناصر نے مایوس کیا ہو۔ اور اس کے سامنے عوام کی بیداری اور اُن کے خلوص و حب الوطنی پر اعتماد کے سوا اور کوئی راہ عمل نہ ہو۔ اُن کے اس خطاب کا رُخ براہ راست عوام کی طرف تھا۔ اس میں اُن کیلئے پیغام بھی تھا۔ آئندہ کیلئے لائحہ عمل بھی۔ ذمہ داریوں کے احساس کی تلقین بھی تھی ورمگراہ اور بد باطن سیاسی عناصر سے محتاط رہنے کی ہدایت بھی۔³⁸ اُنہوں نے پاکستان کا پس منظر، صوبے کے سیاسی مسائل اور حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اتنے بڑے مجمع کے سامنے مجھے تقریر کرنے کا موقع دیا۔ اس صوبہ کے لوگ بہت ہی خوش خلق ہیں۔ اور آپ نے جس طرح میرا خیر مقدم کیا ہے اور جس محبت سے میرے ساتھ پیش آئے ہیں۔ میں اس کے لئے آپ کا شکر یہ

ادا کرتا ہوں۔ قیام پاکستان کے لئے آپ نے میری کوششوں کو سراہا ہے۔ میں جو کچھ کر سکتا تھا وہی کچھ کیا۔ اس صوبے میں سب سے پہلے میں 1936ء میں آیا تھا۔ اس کے بعد 1942ء میں آیا اور تیسری بار اب آیا ہوں۔

دیے میں آپ کے صوبے کے حقوق کی خاطر 1926ء ہی سے لڑتا رہا ہوں۔ لیکن اُس وقت وہ ایک فرد کی کوشش تھی۔ آپ کے صوبہ میں غیر ملکی سرمایہ سے غلط پروپیگنڈا کر کے آپ کو بہکا یا جاتا رہا ہے۔ اگرچہ مسلم لیگ کو متواتر سات سال مکمل کوشش کرنا پڑی اور خدا کا شکر ہے کہ آپ بیدار ہو گئے۔ اور یہ کہ عام رائے شماری میں آپ کی جیت ہوئی۔ اب آپ پر اچھی طرح واضح ہو گیا ہے کہ یہ صرف مسلم لیگ ہی تھی جس نے آپ کو ہندو راج کے گڑھے میں گرنے سے بچایا۔ اس جماعت نے قربانیاں دیں اور پاکستان حاصل کرنے کیلئے ہزاروں آدمیوں نے اپنی جانیں قربان کی ہیں۔ اس لئے اب آپ ہی بتائیے کہ مسلم لیگ آپ کی صحیح راہنمائی کر سکتی ہے یا وہ لوگ جو کل تک دشمن کے ساتھ تھے۔ پاکستان کی حفاظت وہ کر سکتے ہیں یا ہم؟

اب جبکہ پاکستان بن چکا ہے۔ ہر شخص پاکستان کی وفاداری کا دم بھرے گا۔ لیکن اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اتفاق اور اتحاد کی ہے اور اسی لئے یہ ضروری ہے کہ ملک میں ایک منظم جماعت کی حکومت ہو۔ اسی طرح تو میں مجتمع رہیں گی اور انتشار پیدا نہ ہوگا۔ اب ہماری اپنی حکومت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس حکومت میں

خامیاں بھی ہوں۔ لیکن اب ہم بیدار ہو چکے ہیں۔ ہم ہر چیز کو گہری نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ ہم اپنی اجتماعی زندگی سے زہریلے جسے نکال پھینکیں گے۔ مگر اس کے لئے وقت تو دینا پڑے گا۔

آج ہمارا ملک خارجی اور داخلی حیثیت سے ایک بہت نازک دور سے گزر رہا ہے۔ اور ان حالات میں یہ بہت ضروری ہے کہ ہمارے یہاں ایک ہی سیاسی جماعت ہو۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ان سیاسی جماعتوں میں شریک نہ ہوں۔ جو برساتی کیزوں کی طرح ابل پڑی ہیں اور جن کو پاکستان کے مخالفین منظم کر رہے ہیں۔ ہم میں پچھلے زمانے سے جو برائیاں اور خرابیاں چلی آرہی ہیں۔ انہیں ہم اسی وقت دور کر سکتے ہیں۔ جب ہم متحد ہو کر ایک قوم بن جائیں اور اپنی قومی حکومت کی پوری مدد کریں۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے ہاں بد قسمتی سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خود غرض ہیں۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ ہم میں کچھ ایسے بھی ہیں جو مفاد پرست ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ ہم میں کچھ ایسے بھی ہیں جو رشوت ستانی اور اقربا نوازی کے مجرم ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ واقعات پر ہماری گہری نظر ہے۔ جو کچھ غلط ہے وہ ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ہم عنقریب اپنی غلطیوں اور برائیوں کا ایکسے کر لیں گے۔ اور اپنے نظام سے زہریلا مادہ نکال پھینکیں گے۔ لیکن آپ کو کسی قدر صبر سے کام لینا پڑے گا۔ ہمیں مناسب وقت اور موقع دیجئے۔

پاکستان کی تعمیر کے لئے ابھی ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے ہم ٹھیک راہ پر چل کر پاکستان کو دنیا کی سب سے بڑی مملکت بنا کر چھوڑیں گے۔ میرے سامنے زندگی کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں کہ میں آپ حضرات کی خدمت کرتا رہوں۔ 39

21 اپریل صوبہ سرحد میں قائد اعظمؒ کے قیام کا آخری دن تھا۔ اس دن انہوں نے صوبے کے انتظامی افسروں اور کابینہ کے اراکین سے ملاقاتیں کیں۔ 40 انہیں ضروری ہدایات دیں اور عوامی مسائل کو سرگرمی، دیانت اور محنت سے حل کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ صوبے کے دورے میں انہوں نے جن مسائل کا اندازہ لگایا تھا، اُن کو حل کرنے کے بارے میں انہوں نے صوبائی حکومت کو ہدایات جاری کیں۔ اس سلسلے میں مرکزی حکومت کی طرف سے ہر ممکن تعاون اور امداد کا یقین دلایا۔ انہوں نے مسلم لیگ کے لیڈروں کو عوام میں کام کرنے اور عوامی مسائل حل کرنے کیلئے حکومت اور عوام کے درمیان رابطے کا ذریعہ بننے پر زور دیا۔ اُسی دن میاں ضیاء الدین صدر بارالہیوسی ایشن سرحد گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں وکلا کے ایک وفد کے ساتھ ملے۔ 41

قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے صوبہ سرحد کے دورے پر تبصرہ کرتے ہوئے 22 اپریل 1948ء کے انگریزی روزنامہ ڈان نے یوں لکھا کہ

"قائد اعظم محمد علی جناحؒ کا دس روزہ دورہ سرحد نہ صرف بے انتہا چمک دمک اور خوشی کی وجہ سے یادگار رہے گا بلکہ سیاسی مبصروں کے مطابق اُن کا یہ دورہ بے آب و گیاہ سرزمین کے مختلف اور متضاد خیالات رکھنے والے طبقوں کے درمیان مکمل تعاون کے لئے بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ قائد اعظمؒ کا گورنر جنرل کی حیثیت

سے یہ پہلا سرکاری دورہ تھا۔ خوشی اور جوش کے علاوہ اس دورے کے دوران ہر لمحہ صوبہ سرحد اور اس کے عوام کی ترقی اور خوشحالی کے لئے اہم ترین فیصلے کئے گئے۔ قائد اعظمؒ کا بہت زیادہ وقت اسی میں صرف ہوا۔ کیونکہ ان کی جدوجہد تھی کہ وہ لوگوں میں اتحاد و یکجہتی کی نئی روح پھونک دیں۔ اس دورے کے دوران قائد اعظمؒ مسلسل مختلف لوگوں کے وفد سے ملاقات کرتے رہے۔ صوبہ سرحد کے تمام عوام اور مختلف قبائل کو اتحاد کی سنہری ڈوری میں پروتے رہے۔ عام جلسوں میں تقاریر اور ذاتی ملاقاتوں کے دوران انہوں نے مسلسل کوشش کی کہ نہ صرف صوبہ سرحد بلکہ پورے پاکستان میں اتحاد اور یگانگت کی فضا پیدا کی جائے۔ اس دورے کی ایک خاص بات یہ تھی کہ قائد اعظمؒ نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ محسوس کریں کہ یہ حکومت ان کی اپنی حکومت ہے۔ اور یہ ان کا کام ہے کہ وہ اتحاد کے ذریعے مستقبل یا اتفاق کے ذریعے مکمل تباہی میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔ " 42

26 اپریل 1948ء کے "روزنامہ جنگ" کراچی نے قائد اعظمؒ کے دورے کے

متعلق لکھا کہ

"گورنر جنرل پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ صوبہ سرحد کا تفصیلی دورہ کر کے دارالحکومت واپس پہنچ گئے۔ سیاسی حلقوں نے اس دورے کو نہایت کامیاب بتایا ہے۔ قائد اعظمؒ نے دورے میں مختلف حلقوں کے نمائندوں سے ملاقات کر کے ان کے مسائل معلوم کئے اور انہیں پاکستان کی خدمت کا مشورہ دیا۔ انہوں نے

سرحد کے مختلف انجیال طبقوں سے رابطہ کر کے انہیں ہم خیال بنایا اور خاص طور پر قبائلی گروہوں کو پاکستان کی ترقی کے لئے متحد کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ " 43

قائد اعظمؒ کا صوبہ سرحد کا دور بہت نتیجہ خیز رہا۔ ان کے اس دورے کے بعد مسلم لیگ صوبے میں مستحکم ہوئی، اور آزاد قبائل کی تجدید سے پختونستان کا فتنہ گہری قبر میں اتر گیا۔ لیکن اس دورہ کی تھکاوٹ نے کمزور اور نحیف قائد کو بستر سے لگا دیا جو بالآخر ان کی موت کا سبب بن گیا۔

☆☆☆

قائد اعظم کو سٹہ اور زیارت میں

شمال مغربی صوبہ سرحد کا دورہ، قائد اعظم محمد علی جناح کے لیے بہت اعصاب شکن ثابت ہوا۔ پشاور کے جلسہ عام کے دوران آسمان پر گہرے بادل چھا گئے۔ جلسہ شروع ہوا تو یوندا باندی ہونے لگی۔ مگر بارش کے اندیشوں سے بے نیاز ہزاروں لوگ اپنی اپنی جگہوں پر اسی طرح بیٹھے رہے۔ محترمہ فاطمہ جناح جو قائد اعظم محمد علی جناح کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں انہوں نے اٹھ کر جانے کا مشورہ دیا۔ لیکن انہوں نے ان کا مشورہ رد کر دیا۔ اور جلسے کی مکمل کاروائی کے دوران وہ اسی طرح بیٹھے خراب موسم کا مقابلہ کرتے رہے۔ اسی رات انہیں زکام ہو گیا۔ سردی لگ گئی اور کھانسی کے ساتھ شدید بخار ہو گیا۔ محترمہ فاطمہ جناح چاہتیں تھیں کہ فوراً کسی ڈاکٹر سے معائنہ کروایا جائے لیکن انہوں نے ڈاکٹر کو بلوانے کا مشورہ مسترد کرتے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی تو نہیں ہے۔۔۔ بس ذرا سردی لگ گئی ہے۔۔۔ میں

اس پر قابو پا لوں گا۔" ¹

قائد اعظم جب کراچی واپس پہنچے تو ان کی صحت کی حالت بہت تشویش ناک تھی۔ انہیں مسلسل حرارت اور کھانسی کی شکایت تھی۔ ان کے پاس اتنی فرصت نہ تھی کہ وہ کسی ڈاکٹر سے اپنی صحت کے بارے میں مشورہ لے سکیں۔ اسی حالت میں انہوں نے پاکستان کی پہلی اولمپک گیمز (منعقدہ 22 اپریل کراچی) ² میں شرکت کی۔ طبیعت کو مسلسل خراب دیکھتے ہوئے محترمہ فاطمہ جناح نے ان کے ڈاکٹری معائنے کا بندوبست کیا۔ ڈاکٹروں کی تشخیص تھی کہ انہیں بروڈنکائیس (نخرے و طلق کا درم) کی شکایت ہے۔ ³

چنانچہ بیماری کے سبب اور محترمہ فاطمہ جناح کے اصرار پر مجبوراً انہیں آرام پر مجبور ہونا پڑا۔ لیکن بستر علالت کے باوجود وہ فائلوں کو دیکھتے تھے، ان کا مطالعہ کرتے تھے اور ان پر ضروری

نوٹس لکھنے سے باز نہ آتے تھے۔ ان دنوں وہ زیادہ تر نیچے کی منزل میں اپنے کمرے میں رہتے تھے۔ لیکن ان کے اخبار بینی کے شوق میں کوئی کمی نہ آئی۔ خبروں سے دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ گورنمنٹ ہاؤس میں ٹیلی پرنٹر پر جو خبریں آتیں، ان کا پلندہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ان کو پیش کیا جاتا تھا۔ وہ کائنات کو لے کر صوفے پر دراز ہو جاتے اور اپنی انگلیاں گھما گھما کر خبریں پڑھتے جاتے تھے۔ ⁴

ان کی کئی مصروفیات بھی ان کی حالیہ علالت کی وجہ سے منسوخ ہو گئیں۔ انہیں 28 اپریل کو پاکستان ملٹری اکیڈمی کا کول کا افتتاح کرنا تھا۔ اس کے علاوہ ایبٹ آباد میں جلسہ عام سے خطاب کرنا اور سرحدی افسروں کے استقبالیے میں شرکت کرنا تھی۔ ان سب کو ملتوی کرنا پڑا۔ ⁵ اگرچہ انہیں کسی پروگرام میں تبدیلی سخت ناگوار گزرتی تھی۔ لیکن بیماری کی نوعیت ہی کچھ ایسی شدید تھی کہ انہیں سب پروگرام ترک کرنے پڑے۔

اپنی تمام تر بیماری کے باوجود وہ سندھ اور پنجاب کے معاملوں کو التوا میں ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جہاں وزارتی اکھاڑ بچھاڑ نے نوزائیدہ پاکستان کے سیاسی استحکام کو بُری طرح متاثر کیا ہوا تھا۔

سندھ۔ صوبہ سندھ کی سیاست بڑی عجیب و غریب تھی۔ اس کی سیاست کا نمایاں پہلو، جوڑ توڑ اور سیاسی وفاداریوں میں تغیر و تبدل تھا۔ تقسیم کے چند ماہ بعد سندھ مسلم لیگ کونسل نے نظام حکومت کیلئے سوشلسٹ آئین بنانے کی قرارداد منظور کر کے تمام اہل سیاست کو حیران و پریشان کر دیا تھا۔ ⁶ سندھ مسلم لیگ کے پاس عوام کی حالت بہتر بنانے کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ اس کے لیڈر عہدوں کے حصول کے لئے گھٹیا سیاست میں بہت سرگرم تھے۔ محمد ایوب کھوڑو وزیر اعلیٰ (م۔ 1980ء) کے ساتھ ساتھ سندھ مسلم لیگ کے صدر بھی تھے۔ اکثر لیڈروں کی طرح وہ بھی بہت بڑے زمیندار تھے۔ اور بے پناہ اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ لیکن اعلیٰ قیادت کے اوصاف اُسے محروم تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سندھ کا بینہ کے اندرونی اختلافات نے سکیڈل کی صورت اختیار کر لی اور

وزراء نے ایک دوسرے پر کچڑ اچھالنا شروع کر دیا۔ 7

اپریل 1948ء کے اوائل میں وزیر اعلیٰ محمد ایوب کھوڑو اور اُن کے دو وزیروں، پیر الہی بخش اور میر غلام علی تالپور کے درمیان کھلے بندوں نزاع کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اخبارات میں الزامات اور جوابی الزامات شائع ہوئے۔ گورنر سندھ غلام حسین ہدایت اللہ نے اس خیال سے وزیروں کے جھگڑے کو تبدیل کر دیے کہ شاید اس طرح کا بینہ زیادہ خوش اسلوبی سے کام کر سکے گی۔ لیکن وزیر اعلیٰ نے اُسے گورنر کی بے جا مداخلت سمجھا۔ 8 قائد اعظم محمد علی جناحؒ ان دنوں صوبہ سرحد کا دورہ کر رہے تھے۔ 9 انہیں سندھ کی کا بینہ میں وزیروں کے باہمی اختلافات کی خبر ملی تو انہوں نے اس کا فوری نوٹس لیا اور گورنر سے رپورٹ طلب کر لی۔ 10 گورنر غلام حسین ہدایت اللہ نے وزیر اعلیٰ ایوب کھوڑو کی بدانتظامی اور رشوت ستانی کی شہادت قائد اعظم کو پیش کر دی۔ انہوں نے گورنر سندھ کو یہ ہدایت کی کہ وزیر اعلیٰ ایوب کھوڑو کو اُن کے عہدے سے برطرف کر دیں۔ 11 چنانچہ اُن کی ہدایت پر 26 اپریل 1948ء کو گورنر نے وزیر اعلیٰ کو برطرف کر دیا۔ 12 اور نئے وزیر اعلیٰ کیلئے پیر الہی بخش کا نام تجویز ہوا۔ انہوں نے 3 مئی کو اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ 13 ایوب کھوڑو سندھ کی سیاست کی بااثر شخصیت تھے۔ انہوں نے اپنی اس علیحدگی کو تسلیم نہ کیا۔ انہوں نے جلد ہی صوبائی اور مرکزی حکومت کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔۔۔ اور جب پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے کراچی شہر کو مرکزی دارالحکومت قرار دیا اور اُس کا انتظام براہ راست مرکزی حکومت کو تفویض کرنے کی سفارش کی تو انہوں نے حکومت کی اس بنیاد پر مخالفت شروع کر دی کہ کراچی کی سندھ سے علیحدگی صوبے کے مفاد کے منافی ہے۔ انہوں نے سندھ مسلم لیگ کی کونسل سے جہاں اُنکی اکثریت تھی پاکستان دستور ساز اسمبلی کے اس فیصلے کی مذمت کروائی۔ کونسل نے سندھ کے گورنر اور وزیروں سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ مستعفی ہو کر کراچی کی علیحدگی کے مسئلہ پر دوبارہ انتخاب لڑیں۔ کونسل نے اپنی مجلس عمل کو "قومی ماتم" کا ایک دن منانے کیلئے

موزوں تاریخ مقرر کرنے اور کراچی کی مجوزہ علیحدگی کے خلاف احتجاج کرنے کی بھی ہدایت کی۔ 14 اس سے پہلے کہ اس کیلئے کوئی انتہائی قدم اٹھائے جاتے جناب محمد ہاشم گزدر (1893ء-1968ء) پاکستان کی پہلی دستور یہ کے ڈپٹی سپیکر کا مشورہ تھا کہ اس ضمن میں قائد اعظم کا مشورہ بھی لیا جائے۔ 15 قائد اعظم اُن دنوں زیارت میں اپنی بیماری سے نبرد آزما تھے۔ چنانچہ جناب محمد ہاشم گزدر کی قیادت میں ایک وفد کراچی کو وفاقی دارالحکومت کے مسئلہ پر اُن سے زیارت ہی میں ملا۔

پنجاب

پنجاب میں دھڑے بندی کی سیاست کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ ایک گروپ کا سربراہ وزیر اعلیٰ ممدوٹ (افتخار ممدوٹ، م۔ 1969ء) تھے۔ دوسرے دھڑے کو زبان زد عام دولت نامہ گروپ کہا جاتا تھا۔ جس میں وزیر خزانہ ممتاز دولت نامہ اور وزیر مال سردار شوکت حیات سب سے نمایاں تھے۔ حصول پاکستان کی جنگ میں پنجاب میں ان تینوں کا کردار بہت نمایاں اور اہم رہا تھا۔ اُن کے موجودہ اختلافات کی بنیاد کسی اصول پر نہ تھی بلکہ یہ محض شخصیات کا تصادم تھا۔ جس کا بنیادی محرک اقتدار کی ہوس اور دونوں طرف کا احساس برتری تھا۔ تقسیم سے پہلے اُن میں اگرچہ اختلافات تھے مگر اُن میں لڑائی اس قدر کھلی اور بر ملا نہ تھی۔ لیکن ظہور پاکستان کے بعد وزارتوں کی تقسیم اور اقتدار کی ہوس نے اس اتحاد کی قلعی کھول دی۔ علاوہ ازیں، ممتاز دولت نامہ جو کہ ممدوٹ وزارت میں وزیر خزانہ تھے۔ انہیں نواب افتخار ممدوٹ کے ماتحت کام کرنا پسند نہ تھا۔ وہ خود کو نواب ممدوٹ سے بدجہ قابل اور بہتر لیڈر سمجھتے تھے۔ 16 قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے متحارب فریقوں کو کراچی طلب لیا اور اُن سے 28 اپریل کو ملاقات کی اور اُن کے درمیان شکر رنجیاں دور کرنے کی کوشش کی۔ نواب ممدوٹ کو میاں ممتاز دولت نامہ سے یہ شکوہ تھا کہ وہ تعاون کے جذبے سے عاری تھے۔ جبکہ میاں ممتاز دولت نامہ کو یہ شکایت تھی کہ وزیر اعلیٰ نے اپنی الگ "ذاتی اور نجی" کا بینہ بنائی ہوئی تھی۔ قائد اعظم نے دونوں فریقوں کا موقف سن کر دونوں کی مصالحت کرا کر واپس بھجوادیا۔ 17 چند دن

بعد اُن دونوں فریقوں میں ایک بار پھر اختلافات شروع ہو گئے۔ قائد اعظمؒ نے اُن دونوں فریقوں کو گورنر پنجاب فرانس موڈی (1976ء-1890ء) سمیت طلب کیا۔ اس مرتبہ انہوں نے اپنی طرف سے اُن کے جھگڑے کا مثبت حل تجویز کیا۔ کہ پنجاب کے تمام وزیر اپنے استغفے گورنر کو پیش کر دیں اور صوبائی وزارت از سر نو تشکیل دی جائے۔ انہوں نے میاں ممتاز دولتانہ کو وزیر اعلیٰ کی ذمہ داری اٹھانے کی دعوت دی۔ 18 مگر میاں ممتاز دولتانہ کو صوبائی اسمبلی کی لیگی پارٹی میں اپنی اکثریت نظر نہ آتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے یہ ذمہ داری اٹھانے سے انکار کر دیا۔ 19 پنجاب کے مسئلے کا کوئی معقول حل نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے یہ ذمہ داری پنجاب کے گورنر مسٹر فرانس موڈی کو سونپ دی کہ وہ موقع محل کے مطابق جو مناسب قدم سمجھیں اٹھائیں۔ اس سے پہلے کہ مسٹر فرانس موڈی کوئی مناسب قدم اٹھاتے نواب افتخار محمد و وزیر اعلیٰ پنجاب نے اعتماد کا ووٹ لینے کیلئے 20 مئی 1948ء کو صوبائی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا۔ گورنر نے ٹیلی فون پر قائد اعظمؒ سے مزید ہدایات لینے کیلئے رابطہ کیا۔ لیکن انہوں نے اپنے جواب میں فرمایا "مجھے ان لوگوں کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔" 20 وہ پنجاب کی صورت حال سے کس قدر بد دل اور مایوس تھے۔ یہ اُن کے جواب سے عیاں تھا۔ اس کشمکش کا اختتام میاں ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات کے استغفے پر ہوا۔

قائد اعظمؒ اپنی بیماری پر بالعموم جلد قابو پالیا کرتے تھے۔ یہ قابو کچھ آرام کی وجہ سے ہوتا تھا۔۔۔ اور زیادہ محترمہ فاطمہ جناح کی نگہداشت کی وجہ سے ہوتا تھا۔ وہ جب بھی بیمار ہوتے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح ساری ساری رات جاگ کر گزارتی تھیں۔ بار بار دیکھتیں کہ اُن کے وجود کے اوپر کپڑا درست بھی ہے کہ نہیں۔ اس کے علاوہ اُن کی دوائی کے اوقات کا خیال رکھتیں تھیں۔ جونہی کچھ افادہ ہوتا، اُن کے روزمرہ کی مصروفیات پھر سے شروع ہو جاتیں تھیں۔ فائلوں کو پڑھنا، اُن کے بارے میں سیکرٹریوں یا متعلقہ لوگوں سے بحث و مشورے، اُن کے اوپر پریمارکس دینا۔ کابینہ کی میٹنگوں کی صدارت اور یہ سلسلے رات بھر چلتے۔ جب یہ مصروفیات ہوتیں۔ وہ سب سے

زیادہ اپنی خوراک اور آرام سے لاپرواہی برتتے۔ اب پھر کچھ بہتر ہوتے ہی یہ سب سلسلے شروع ہو گئے۔ صوبہ سندھ اور صوبہ پنجاب کی وزارتیں اکھاڑ بچھاڑ نے انہیں بہت پریشان رکھا، کیونکہ ان دونوں صوبوں کا سیاسی عدم استحکام پاکستان کا سیاسی عدم استحکام تھا۔ اُن کی وجہ سے وہ اپنی بیماری اور آرام کی طرف مناسب توجہ نہ دے سکے۔ اُن کو ایک مدت تک آرام کی ضرورت تھی۔ برسوں کی محنت و مشقت نے اُن کے جسم اور اعصاب کو تھکا دیا ہوا تھا۔ کراچی میں رہتے ہوئے ان سے آرام کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ حکومتی معاملات، مشاورتیں، ان کو آرام کا موقع مہیا نہیں کر رہے تھے۔ کمزوری، بیماری اور مسلسل بخار اُن کیلئے بہت نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح کا اصرار اور خود وہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ وزن میں مسلسل کمی اور ہلکا ہلکا بخار اُن کے کسی "دیرینہ مرض" کا شاخسانہ تھا۔ اُن کیلئے چند ہفتوں کا آرام انتہائی ناگزیر ہو گیا تھا۔ اُن کے ذاتی فیزیشن کرٹل ڈاکٹر رحمن کا یہی اصرار تھا کہ وہ کم از کم دو ماہ تک کوئی کام نہ کریں اور مکمل آرام کریں۔ وگرنہ اُن کی صحت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ سب کے انتہائی اصرار پر وہ آرام کیلئے راضی ہو گئے اور اُن کا انتخاب کوئٹہ تھا۔ 21 وہ پہلے بھی دوسرے آرام کی غرض سے یہاں طویل قیام کر چکے تھے۔ یہاں کی آب و ہوا انہیں موافق رہی تھی۔ ویسے بھی مئی جون میں یہاں کا موسم انتہائی خوشگوار ہوتا تھا۔

17 مئی 1948ء کو ایک سرکاری اعلامیہ اخبارات کو جاری ہو گیا کہ قائد اعظمؒ 25 مئی کو کوئٹہ جائیں گے اور وہ کوئٹہ میں چند روزہ قیام کے بعد زیارت روانہ ہو جائیں گے۔ اُس کے چار روز بعد کوئٹہ کے اخبارات میں اُن کے دورے کا پروگرام جاری ہو گیا۔ جس میں استقبالیہ تقاریب کے علاوہ اُن کی متعدد مصروفیات تھیں۔ 22

حسب پروگرام قائد اعظمؒ 25 مئی کو کوئٹہ پہنچ گئے۔ دن کے گیارہ بجے اُن کا جہاز کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر اترا۔ بلوچستان میں گورنر جنرل کے ایجنٹ مسٹری۔ اے۔ جی۔ سیوج، کوئٹہ سب ایریا کے کمانڈر بریگیڈیر احمد جان مقامی لیڈروں، انتظامی افسروں اور عوام کی بہت بڑی تعداد نے

ان کا استقبال کیا۔ بری فوج کے ایک سو سپاہیوں نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ استقبالیہ تقریب سے فارغ ہو کر وہ ریڈیو کی تشریف لے گئے۔ جہاں اُن کے قیام کا بندوبست کیا گیا تھا۔²³

کوسٹ کی فضاء ایک بار پھر اُن کی صحت کیلئے آسیر رہی۔ یہاں آتے ہی چند دنوں کے اندر اُن کی صحت بہتر ہو گئی۔ کھانسی بہت حد تک کم ہو گئی۔ ٹیپیکر (درجہ حرارت) بھی نارمل سطح پر آ گیا۔ کئی برسوں بعد وہ پُر سکون نیند کا مزہ لے رہے تھے۔²⁴ یہاں اتنی مصروفیات بھی نہیں تھیں۔ مزید براں محترمہ فاطمہ جناح نے اُن کے سٹاف کو خصوصی طور پر ہدایت کی ہوئی تھی کہ صرف اہم نوعیت کی ہی فائلیں اُن کے پاس بھیجی جائیں۔²⁵

صحت بہتر ہوتے ہی اُن کی مصروفیات بڑھ گئیں۔ محترمہ فاطمہ جناح کی تدبیریں بے اثر ثابت ہوئیں۔ مرکزی حکومت کے امور کے ساتھ ساتھ وہ بلوچستان کے مسائل و مصائب کا بھی مطالعہ کر رہے تھے اور اُس کی بہتری اور ترقی کے معاملات میں خصوصی دلچسپی لے رہے تھے۔ چنانچہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے وفد سے اُن کی لمبی لمبی ملاقاتیں رہیں۔ اُس زمانے میں آئین کے تحت بلوچستان کو صوبائی درجہ حاصل نہ ہوا تھا۔ اس میں کوئی منتخب اسمبلی، گورنر یا وزیر اعلیٰ نہ تھا۔ وہ بلوچستان کے انتظامات کے براہ راست نگران تھے۔ اُن کی خواہش تھی کہ اسے پسماندگی سے نکالا جائے اور ترقی کے راستے پر ڈالا جائے۔ وہ صوبائی تقاریب، جلسوں اور سیاسی و انتظامی افراد سے ملاقاتوں کو نہایت اہم اور ضروری سمجھتے تھے۔ جلسوں کے ذریعے وہ خود کو براہ راست مسلم عوام کے ساتھ محسوس کرتے۔ جن کے وہ نجات دہندہ اور محسن تھے۔ سیاسی میٹنگوں میں وہ سیاسی نمائندوں کی تربیت کرتے۔ انہیں عوام کی خدمت اور جمہوری رویوں کا سبق سکھاتے۔ اُن کی گفتگو پاکستان اور اُن کے مسائل کے بارے میں ہوتی تھی۔ وہ بہت جلد ایک مستحکم پاکستان دیکھنے کے خواہش مند تھے۔

پاکستان کا ایک بڑا مسئلہ آئین کا تھا۔ وقتی طور پر 1935ء کے قانون حکومت میں مناسب تبدیلیاں کر کے اُسے عبوری آئین قرار دیا گیا تھا۔ نئے آئین کے بننے تک عبوری مدت

میں آئین ساز اسمبلی ہی ملک کی مرکزی اسمبلی کے فرائض سرانجام دے رہی تھی اور ملک کی ضرورتوں کے مطابق عام قوانین بنا رہی تھی۔ آئین سازی کا کام اتنا آسان نہ تھا کہ چند دنوں میں مکمل ہو جاتا۔

پاکستان کے قیام کے ساتھ ایسے مسائل ملے تھے جس کے وجہ سے آئین سازی کا اہم کام پس پشت ڈالنا پڑا تھا۔ اس موقع پر پاکستان مخالف عناصر عجیب و غریب افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ان سب کی تردید کرتے ہوئے انہوں نے فروری 1948ء میں امریکہ کے عوام کے نام اپنی نشریہ پیغام میں کہا تھا۔

پاکستانی آئین ساز اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخر کار شکل کیا ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ جمہوری طرز کا آئین ہوگا۔ جس میں اسلام کے بنیادی اصول تشکیل ہوں گے۔ یہ اصول آج بھی اس طرح عملی زندگی میں قابل عمل ہیں۔ جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ اسلام اور اُس کی اشاعت نے ہمیں جمہوریت کا درس دیا ہے۔ اُس نے انسانی مساوات، عدل اور ہر شخص سے منصفانہ برتاؤ سکھایا ہے۔ ہم ان درخشاں روایات کے وارث ہیں اور پاکستان کا آئندہ آئین بنانے والوں کی حیثیت میں ہمیں اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کا پورا احساس ہے۔ بہر حال پاکستان ایک ایسی مذہبی مملکت نہیں ہوگا۔ جس میں مذہبی پیشوا مامور من اللہ کے طور پر حکومت کریں گے۔ ہمارے ہاں بہت سے غیر مسلم ہیں۔ ہندو، عیسائی اور پارسی۔۔۔ لیکن وہ سب پاکستانی ہیں۔ وہ بھی تمام دوسرے شہریوں کی طرح یکساں حقوق اور مراعات سے بہرہ ور ہوں گے اور پاکستان کے

معاملات میں کما حقہ کردار ادا کریں گے۔ 26

ایک بار پھر اقلیتوں کے خدشات کا ازالہ کرتے ہوئے انہوں نے 13 جون کو پارسی فرقہ 27 کی طرف سے دی گئی ایک دعوت میں کہا۔

آپ جانتے ہیں کہ میری حکومت اور خود میری پالیسی یہ ہے کہ ذات، رنگ، عقیدے یا نسل کی تمیز روا رکھے بغیر ہر فرقے کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ کیا جائے اور یہ کہ پاکستان میں مکمل امن و امان ہر قیمت پر روا رکھا جائے۔ 28

17 جون کو قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے سٹاف کالج کوئٹہ کے افسروں سے خطاب کیا۔ دفاع کے شعبہ کو وہ دیگر شعبوں کی نسبت زیادہ اہمیت دیا کرتے تھے، کیونکہ پاکستان کا مضبوط دفاع ہی اُس کی آزادی کا ضامن تھا۔ وہ فوج کو نظم و ضبط کا پابند اور آئین کا وفادار دیکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس پس منظر میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

آپ نے مجھے جو عزت بخشی ہے۔ میں اُس کیلئے آپ کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ آپ سب حضرات اور پاکستانی فوج کے دوسرے ارکان ملک کے تمام لوگوں کی جان، اُن کی عزت اور اُن کے مال کے محافظ و امین ہیں۔ پاکستان کے تمام شعبوں میں محکمہ دفاع سب سے اہم ہے اور اسی مناسبت سے پاکستانی افواج پر بہت زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

میں نے جو کچھ دیکھا اور سمجھا ہے اُس سے مجھے یقین ہو چکا ہے کہ پاکستانی فوج کے حوصلے بلند اور ہمتیں استوار ہیں۔ سب سے زیادہ جو بات ہمارے لئے خوشی کا باعث ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہمارا ہر افسر اور سپاہی خواہ وہ کسی نسل و فرقے سے تعلق کیوں نہ رکھتا

ہو پاکستان کا سچا خادم ہے۔ اگر آپ متفقہ طور پر سچے پاکستانیوں کی طرح بے لوث خدمات انجام دیتے رہیں تو پھر پاکستان کو کسی چیز کا خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔

میں نے محسوس کیا ہے کہ فوجیوں نے جو حلف اٹھایا ہے وہ اُس کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھتے نہیں ہیں۔ ویسے تو قسم کھانا صرف چند الفاظ کو زبان سے دہرا دینا ہے۔ لیکن جو بات زیادہ اہم ہے وہ اُس کے معنی و مفہوم ہیں۔ اس موقع پر میں آپ کے سامنے اُس قسم کو دہرانا چاہتا ہوں۔

"میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر حلف اٹھاتا ہوں کہ میں پاکستان کے آئین و مملکت کا وفادار رہوں گا اور میرا فرض ہوگا کہ میں ایمان داری اور وفاداری سے پاکستانی فوج میں خدمات انجام دیتا رہوں گا۔ اس دوران ملازمت میں ہوائی جہاز، سمندر پار یا زمین سے جہاں کہیں بھی بھیجا جائے گا، جاؤں گا اور اگر جان کا خطرہ ہوگا تب بھی میں اُن افسروں کا حکم مانوں گا جو میرے اوپر متعین کئے جائیں گے۔"

جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے کہ اصل چیز تو معنی ہوتے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ رائج الوقت آئین کا مطالعہ کریں اور اُس کی آئینی و قانونی شقوں کو سمجھیں کہ اُس کا مطلب کیا ہے۔۔۔؟

اگر آپ کو وقت ملے تو آپ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کو جس ترمیم کے ساتھ پاکستانیوں نے قبول کر لیا ہے۔

مطالعہ کریں میں چاہتا ہوں کہ آپ یاد رکھیں کہ انتظامی اختیارات کا منبع و مخرج حکومت پاکستان کا سربراہ ہے۔ جو گورنر جنرل ہوتا ہے اور اس لئے آپ کو جو احکامات دیئے جاتے ہیں وہ اُس کی مرضی و منشاء کے بغیر نہیں دیئے جاسکتے اور آئین آپ سے اس امر کا متقاضی ہے کہ آپ ان احکامات پر عمل پیرا ہونے میں کبھی تاثر نہ کریں۔ 29

تقسیم ہند کا ایجنڈا ہندوؤں کی سازش اور انگریز بددیانتی کی وجہ سے اُدھوا تھا۔ حیدر آباد دکن برصغیر پاک و ہند کی سب سے اہم ریاست تھی۔ اس کا رقبہ 82 ہزار مربع میل اور آبادی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ تھی۔ اس کی سالانہ آمدن 26 کروڑ روپے تھی۔ اُس کی اپنی کرنسی اور ڈاک ٹکٹ تھا۔ اپنے رقبہ، وسائل، اہمیت، سطوت کے اعتبار سے حیدر آباد کی ریاست اپنے آپ کو ایک آزاد و خود مختار مملکت کی حیثیت کا حق دار سمجھتی تھی۔ 3 جون کے منصوبے کے اعلان کے بعد نظام حیدر آباد نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ نہ ہندوستان سے الحاق کرے گا اور نہ پاکستان سے اُسے اپنی ریاست کیلئے درجہ نوآبادیات کی توقع تھی۔ 30 لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے انکار کر دیا۔ بد قسمتی سے یہ ریاست تمام اطراف سے بھارتی علاقہ میں گھری ہوئی تھی اور اُس کا سمندر کے ساتھ کوئی رابطہ نہ تھا۔ اُس کا پاکستان کے ساتھ بھی الحاق مشکل تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور اُس کے مشیروں کا مشورہ نظام حیدر آباد کو یہی تھا کہ الحاق ہندوستان کی دستاویز پر دستخط کر دیں۔ اس کیلئے نظام تیار نہ تھا۔ 15 اگست 1947ء تک اس معاملے کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا۔ برصغیر میں مسلمانوں کی تہذیب، ثقافت اور علوم و فنون کا مرکز ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ اگر اس کا الحاق پاکستان سے نہیں ہوتا تو یہ اپنے آزاد تشخص کے ساتھ قائم رہے۔

ہندوستان اور حیدر آباد کے درمیان 29 نومبر 1947ء کو ایک اقرار نامہ طے ہوا تھا جس کے تحت اُن کے موجودہ روابط سر دست برقرار رہنے تھے۔ اس معاملے کا کوئی مناسب اور معقول حل نکالا جاسکتا تھا۔ لیکن ہندوستان اس معاملے کو طاقت سے حل کرنے کا خواہش مند تھا۔

پاکستان اس پوزیشن میں نہ تھا کہ حیدر آباد دکن کی مدد کیلئے ہندوستان پر دباؤ ڈال سکے تاہم اخلاقی حمایت کیلئے کونسل سے اپنے ایک بیان میں قائد اعظم نے کہا۔

ساری دنیا جانتی ہے اور خود ہندوستان اور حیدر آباد کو بھی معلوم ہے کہ حیدر آباد ایک آزاد اور خود مختار ریاست ہے اور یہ طے کرنا اُس کے دستور ساز ادارے کا کام ہے کہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے یا آزاد رہے۔ ہندوستان کو ریاست حیدر آباد کو اپنے سے ملحق کرنے کیلئے طاقت و تشدد کے ذریعے مجبور کرنا شرافت و اخلاق کے خلاف ہے۔ انصاف اور بھائی چارے کے خلاف ہے۔ کیا ایک آزاد و خود مختار پڑوسی مملکت سے برتاؤ کا یہ طریقہ مناسب ہے؟ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ صرف پاکستان کے مسلمان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلمان حیدر آباد کے ساتھ ہیں اور اس کی جدوجہد کو قدر اور ہمدردی سے دیکھتے ہیں۔ ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے نہ کرنے میں حیدر آباد کو آزاد ہونا چاہیے۔۔۔۔۔ ہندوستان اور حیدر آباد دونوں کیلئے صرف یہی ایک باوقار اور با عزت راستہ ہے۔ 31

قائد اعظم کی اخلاقی حمایت کا یہ نتیجہ تھا کہ ہندوستان کو اُن کی زندگی میں حیدر آباد پر فوج کشی کی جرات نہیں ہوئی تھی۔ جونہی اُن کا انتقال ہوا اُس کے ٹھیک دو دن بعد ہندوستان کی فوجیں ریاست میں داخل ہو گئیں۔

15 جون کو وہ کونسل کے شہریوں سے ایک جلسہ عام میں خطاب کر رہے تھے۔ وہ صوبائیت کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

ہم سب پاکستانی ہیں، ہم میں سے کوئی شخص بھی پنجابی، بلوچی،

سندھی یا بنگالی نہیں ہم میں سے ہر ایک کو پاکستانی کی حیثیت سے سوچنا ہے، محسوس کرنا ہے اور عمل کرنا چاہیے اور ہم کو پاکستانی ہونے پر فخر کرنا چاہیے۔ ہر شخص کو اپنے وطن سے محبت اور اُس کی خوشحالی کیلئے کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن اُس کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے ملک سے اور بھی محبت کرے اور اُس کی فلاح و بہبود کیلئے اور بھی کوشش کرے۔ کسی خاص جگہ سے اُنس یا تعلق رکھنا بھی ایک معنی رکھتا ہے۔ مگر ایک جزو کی حیثیت اسی وقت باقی رہتی ہے جب تک وہ محل کے ساتھ ہے، محل سے کٹ کر اُس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔

یہ حقیقت ہے کہ لوگ بھول میں پڑ جاتے ہیں اور مقامی، صوبائی یا فرقہ وارانہ فائدوں کو زیادہ دیکھتے ہیں اور قومی مفاد سے بے پروائی برتتے ہیں۔ یہ بُرے انداز کی یادگار ہے۔ جب آپ کو صرف صوبائی خود مختاری ملی تھی اور آپ مقامی معاملات کی حد تک برطانوی حاکمیت سے بے پروا تھے۔ لیکن اب جبکہ آپ کی اپنی مرکزی حکومت ہے اور وہ با اختیار ہے۔ پرانے انداز میں سوچتے رہنا نادانی ہے۔ صوبائی تعصب ایک لعنت ہے۔ اسی طرح شیعہ سنی وغیرہ کے سلسلے میں فرقہ پرستی بھی۔

اپنی بلوچستان سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

صوبہ بلوچستان کی ذمہ داری براہ راست میری ہے۔ اس لئے بلوچستان کے مسئلے میں مجھے خاص دلچسپی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ صوبہ بھی دوسرے صوبوں کی طرح مملکت کے معاملات میں پورا

پورا حصہ لے، لیکن اُسے دوسرے صوبوں کے برابر لانے کیلئے کچھ وقت درکار ہوگا۔ آپ لوگوں سے میری درخواست ہے کہ آپ میرا ہاتھ بٹائیں۔³²

کوئٹہ میں قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی مصروفیات اُن کی صحت کیلئے مضر ہو سکتی تھیں۔ ڈاکٹر انہیں قطعی طور پر بستر پر دیکھنا چاہتے تھے۔ بیماری کا تقاضا بھی یہی تھا کہ مکمل آرام کیا جائے لیکن آرام کی بجائے وہ ملکی اور کوئٹہ کے معاملات میں انتہائی مصروف تھے۔ کراچی سے اُن کی ڈاک روزانہ آتی تھی۔ وہ اس کا بڑی گہرائی اور باریک بینی سے مطالعہ کرتے۔ اُن پر نوٹس لکھتے، سیاسی نمائندوں اور وفد سے ملاقاتیں کرتے۔ گھنٹوں لمبی تقریبات میں بڑے اہتمام سے شرکت کرتے۔ ان سب کاموں میں کہیں آرام کیلئے وقت نہ تھا۔ اُن کے دیرینہ دوستوں میں محترم مرزا ابوالحسن اصفہانی (امریکہ میں پاکستان کے سفیر) جن سے مرتے دم تک اُن کی خط و کتابت رہی اُن کی صحت کے بارے میں بہت تشویش مندرجتہ تھے۔ وہ اپنے خطوط میں ہمیشہ انہیں اُن کی صحت کے بارے میں خصوصی تاکید کرتے رہتے تھے۔ قائد اعظمؒ نے انہیں 14 جون 1948ء کو ایک خط میں لکھا کہ

"آپ میری فکر نہ کریں۔ مجھے معمول سے زیادہ کام کرنا پڑا اور اُس کا تادان ادا کرنا پڑا۔ لیکن میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ کوئٹہ میں کسی قدر آرام کرنے سے مجھے بہت فائدہ ہوا ہے۔ 17 مئی کو میں زیارت جا رہا ہوں۔ جہاں مجھے امید ہے کہ میں تقریباً دس دن قیام کروں گا اور غالباً اس مہینے کے آخر تک کراچی آ جاؤں گا۔"³³

اگلے دو دن مزید مصروفیات میں گزار کر وہ 17 جون کو زیارت روانہ ہو گئے۔

جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خرواری بابا 42 "Kharwari Baba"، کھرواری بابا 43 نے یہاں آرام کیلئے قیام کیا تھا۔ اور اُن کی نسبت سے یہ علاقہ زیارت کے نام سے معروف ہو گیا۔ زیارت کے قصبے سے آٹھ کلومیٹر دور اُن کی آخری آرام گاہ مرجع خلافت عام ہے۔ ہر امیر و غریب وہاں حاضر ہو کر اپنی مرادیں پاتا ہے۔

جس جگہ قائد اعظم کا قیام تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح اس بارے میں لکھتی ہیں کہ "زیارت کی ریڈیو کی جہاں ہم ٹہرے وہ ایک پُر منظر، پرانی اور دو منزلہ عمارت تھی جو ایک بلند و بالا پہاڑی پر کسی مستعد چوکیدار کی طرح کھڑی تھی۔ اس کے لان اور گارڈن وسیع تھے۔ جہاں پرندے صبح نغمہ گاتے اور شام کو چہچہاتے، پھل دار درختوں کا ایک جھنڈ اور پھولوں کے تختے یہاں کے منظر کی خوبصورتی کو اور دو بالا کرتے۔ قائد اعظم اس کی خاموشی اور دل کشی پر فریفتہ ہو گئے۔" 44

یہ ریڈیو شہر یا بازار سے پچاس گز اونچی ہے۔ ریڈیو کی باہر گورنر جنرل ہاؤس کے الفاظ کندہ ہیں۔ 7 جنوری 1977ء کو قومی اسمبلی میں ایک قرارداد کے ذریعے زیارت ریڈیو کا نام قائد اعظم رکھ دیا گیا۔ 45 ریڈیو کی عمارت 1882ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ 46 اس وقت اس پر اُنٹالیس ہزار روپے کی لاگت آئی تھی۔ 47 عمارت دو منزلہ ہے۔ اُس کے فرش اور چھجھکڑی کے بنائے گئے ہیں۔ عمارت نو فٹ برآمدے سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد تقریباً 20 x 14 فٹ کی نشست گاہ اور اسی سائز کا کھانے کا کمرہ ہے، حمام اور سنگھار خانے کے ساتھ دو مستطیل کمرے ہیں۔ جن میں ایک کا رقبہ سترہ فٹ گیارہ انچ ضرب تیرہ فٹ دس انچ ہے۔ اس منزل میں باورچی خانہ، نعمت خانہ اور سامان کا کمرہ ہے۔ بالائی منزل چار کشادہ کمرے اور نو فٹ چوڑے ایک دالان پر مشتمل ہے۔ ہر کمرے کے ساتھ غسل خانہ ملحق ہے۔ بالائی منزل پر جانے کیلئے درمیانی راستہ پر ایک چوبی زینہ بنایا گیا ہے۔ ریڈیو کی جنوب مشرقی اور جنوب مغربی

قائد اعظم زیارت میں

17 جون کو قائد اعظم محمد علی جناحؒ حسب پروگرام زیارت آ گئے۔ اُن کے ہمراہ بلوچستان میں گورنر جنرل کے ایجنٹ مسٹری، اے، جی، سیوچ، جوائنٹ سیکرٹری وزارت خارجہ کرنل اے۔ ایس۔ بی شاہ اور ذاتی سٹاف تھا۔ ان کا یہاں دس دن قیام کا ارادہ تھا۔

زیارت

زیارت کوئٹہ سے 133 کلومیٹر دور شمال مشرق کی جانب صحت افزاء مقام ہے۔ 34 کوئٹہ سے زیارت کا راستہ پہاڑی ہے۔ بل کھاتی ہوئی پیچ در پیچ سڑکیں ہیں۔ راستے میں اتنے جاذب اور خوبصورت باغات ہیں کہ اُن کے نظاروں میں دل و نظر اسیر ہو جاتے ہیں۔ زیادہ تر سیب، آڑو اور دیگر پھلوں کے باغات دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ کوئٹہ سے دوران سفر پکلاک کی سرسبز و شاداب وادی، بلیلی اور کچھ، کوہستانی زندگی کا خوبصورت اور دلکش نظارہ پیش کرتے ہیں۔ 35 سطح سمندر سے یہ مقام (8200) آٹھ ہزار دو سو فٹ بلند ہے 36 اور دنیا میں یہ وادی جونپھر "Juniper" کے جنگلات کا قدیم ترین اور وسیع ترین علاقہ ہے۔ 37

یہاں کا موسم کوئٹہ سے زیادہ خوشگوار اور شاندار ہوتا ہے۔ مئی جون میں صرف ایک قمیض میں یہاں کے موسم کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ سردیوں میں خاصے کڑا کے کی سردی ہوتی ہے۔ درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بھی گر جاتا ہے۔ خوب برف باری ہوتی ہے۔ سفید برف کوہ و دمن پر اس طرح چھا جاتی ہے جیسے فطرت کی چاندنی چار سو پھیلتی ہے۔ سرراہ ٹر سٹین 38 جن کے نام پر کوئٹہ میں ہسپتال، سکول اور فورٹ سٹین ہے انہوں نے 1886ء میں زیارت کو بلوچستان کا موسم گرما کا صدر مقام مقرر کیا تھا۔ 39

زیارت کا پرانا نام گواٹلی 40 یا غوٹلی 41 تھا۔ زیارت کسی درگاہ پر حاضری کو کہا

کناروں پر لکڑی کے جنگلے کے ساتھ ایک زینہ ہے۔ جس کے قدمے پتھر کے ہیں۔ عمارت کی دیواریں نامموار ہیں اور کھر دے مربع نما پتھر کے بلاکوں کی ہیں، جن کی چٹائی سینٹ سے ہوئی ہے۔ فرش، چھت، کنارے اور سامنے کے دالان اور ڈیوڑھی میں صنوبر کی لکڑی استعمال ہوئی ہے۔ اوپری ڈھلوان لوہے کی نالی اور چادر سے بنائی گئی ہے۔ 48

زیارت میں نہ تو کراچی کی جھلسا دینے والی گرمی تھی اور نہ ہی گورنر جنرل کے ضابطے۔ یہاں گورنر جنرل محض قائد اعظم تھے اور قائد اعظم تعطیلات میں مصروف ایک عام شخص کی طرح آرام فرماتے۔ اُن کے کمرے میں لطیفہ اور کہانیاں ہوتیں۔ مباحثوں کی محفل گرم ہوتی اور اے ڈی سی بھی گفتگو میں شریک ہوتے۔

قائد اعظم کے زیارت کے قیام کے بارے میں اُن کے اے ڈی سی لیفٹیننٹ مظہر احمد یوں بیان کرتے ہیں۔

"جس جنگلے میں قائد اعظم کا قیام تھا، وہ پہاڑوں کے درمیان خاصی بلندی پر واقع تھا۔ اُس کے احاطے میں پھلوں کے درخت ہیں اور ایک چمن ہے۔ جو جوئیپر "Juniper" اور جنگلی لیوینڈر "Lavender" کی خوشبو سے بسا ہوا تھا۔۔۔ وہاں پہنچتے ہی ہم نے گورنر جنرل کا نیلا پرچم جنگلے پر نصب کر دیا اور ہمارا خیال تھا کہ اب قائد اعظم کچھ دن مکمل طور پر آرام کر سکیں گے لیکن منت اُن کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی اور آرام کرنا اُن کیلئے ممکن نہ تھا۔ ہر روز کراچی سے اُن کی ڈاک۔ یاہ صندوقوں میں آتی جن پر M.A.J کی سنہری مہر لگی ہوتی۔ یہ صندوق سرکاری کاغذوں سے بھرے ہوتے۔ قائد اعظم اُن کے مطالعے میں مصروف رہتے۔ اُن کی پتلی پتلی انگلیاں اُن میں ابھی رہتیں۔ میرے ذہن میں قائد اعظم کی جو

تصویریں محفوظ ہیں اُن میں یہ تصویر سب سے زیادہ صاف ہے۔" اپنے عملے کے ساتھ قائد اعظم کے تعلقات بالکل رسمی انداز کے تھے۔ لیکن زیارت کے قیام کے دوران وہ اُن سے گھل مل گئے۔ وہ انہیں اپنے کمرے میں اکٹھا کر لیتے اور اُن سے مکپ شپ کرتے تھے۔ عموماً وہ سبق آموز قصے اُن کو سناتے۔ وہ اکثر اس نصیحت سے سناتے کہ وہ نہ صرف اُن سے استفادہ کریں اور سبق حاصل کریں۔ عموماً قصہ شروع کرنے سے پہلے وہ انگلی اٹھاتے اور بات شروع کرتے۔

"اُن کا سنایا ہوا قصہ اب تک مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے۔ ایک دفعہ شملہ کے قیام کے دوران وہ پیدل سیر کرتے ہوئے کوہ جیکو گئے۔ اُن کی جیب میں کچھ Peanuts (موگب بلی) تھے۔ جو انہوں نے وہاں گھومنے والے بندروں کے سامنے ڈال دیئے۔ انہیں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ بندروں نے پھلیوں کی خاطر آپس میں کوئی چھین جھپٹ نہ کی اور خاموش کھڑے رہے۔ پھر ایک موٹا بندر درخت پر سے اُترا اور پھلیوں کی طرف بڑھا۔ اُسے دیکھ کر سب بندر خاموش ہو گئے اور اپنے سردار کے راستے سے ہٹ گئے اور جب تک اُس نے پھلیاں نہ کھالیں کسی اوز نے انہیں منہ سے نہ لگایا۔ یہ قصہ سنا کر قائد اعظم کہنے لگے۔ تم نے دیکھا کہ بندر تک نظم و ضبط کے پابند ہیں۔"

قائد اعظم کا نجیف و لاغر جسم دیکھ کر ہم سب کو بہت ڈکھ ہوتا تھا۔ ایک روز صبح انہوں نے کہا کہ اب دن میں سردی زیادہ ہونے لگی ہے اور انہیں چند ادنیٰ بنیانوں کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کیلئے تو زمانہ ناپ کی بنیان ڈھونڈنا پڑے گی، یہ سن کر وہ

مسکرا دیئے۔ میں کوئٹہ جا کر اُن کیلئے بنیان لے آیا۔ لیکن پہلی ہی دھلائی میں اُن میں سوراخ ہو گئے۔ میں انہیں بدلوانے کیلئے پھر دکان پر لے گیا۔ لیکن وہاں اس قسم کی اور بنیادیں نہ تھیں اور دکان دار نے انہیں رُفُو کروا دیا۔ قائد اعظمؒ اس سے مطمئن نہ ہوئے۔ اُن کا خیال تھا کہ قیمت میں کچھ کمی ہونا چاہیے۔ دکان دار راضی ہو گیا۔ میں نے پانچ روپے اُس سے لے کر قائد اعظمؒ کو لوٹا دیئے۔ اُس پر انہوں نے خوش ہو کر کہا۔ شاباش، تم بھی روپے کی قدر کرنا سیکھو۔ 49

قائد اعظمؒ کو تقسیم کے نتیجے میں ہونے والے جان و مال کے نقصان کا انتہائی دکھ اور صدمہ تھا۔ ہندوؤں کے مظالم چنگیز اور ہلاکو کو شرماتے تھے۔ قتل و غارت کا سلسلہ تھما نہیں تھا، جاری تھا۔ ہندوستان میں مسلمان ہونا جرم بن گیا تھا اور اس جرم کی سزا وحشیانہ موت تھی۔ ایک روز لیفٹیننٹ مظہر احمد (اے۔ ڈی۔ سی) سے باتیں کرتے ہوئے انہوں نے ہندوستان میں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کے قتل عام پر گہری تشویش ظاہر کرتے ہوئے فرمایا۔

"مسلمان کے خلاف یہ وحشیانہ طرزِ عمل جنگ سے کم نہیں۔۔۔ میں یہ تو سمجھتا ہوں کہ ہندو مجھے قتل کرنا کیوں چاہتے تھے؟ یہی ناکہ میں اُن کیلئے پاکستان تھا، اگر میں ختم ہو جاتا تو پاکستان ختم ہو جاتا۔۔۔ لیکن ایک ایسے کنوینشن میں زہر ڈال دینے کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا۔ جس سے اُس ہسپتال کو پانی سپلائی کیا جاتا ہے جہاں وحشیانہ اور ظالمانہ طرزِ عمل کے شکار بچوں اور عورتوں کا علاج ہو رہا ہے۔۔۔ یہ انسانیت نہیں، یہ حرکتیں تو درندوں کو بھی زیب نہیں دیتیں۔ 50

وہ آرام کے لمحات میں بھی مسلمانوں کی حالت سے غافل نہ تھے۔ اُن کی یہ سوچیں اور فکریں اُن کی بیماری کو اور بڑھا رہی تھیں۔

زیارت کی رہائش گاہ سے تھوڑے فاصلے پر ایک خوبصورت تالاب ہے۔ جہاں قائد اعظمؒ اپنے قیام کے دوران سیر کو جایا کرتے تھے۔ اُس کے قریب ہی ایک پگ ڈنڈی پر جس کے دونوں طرف جونپور کے پودے جھومتے ہیں، ایک قدرتی چشمے کو جاتی ہے۔ زیارت سے مغرب کی جانب تھوڑے فاصلے پر کئی آبشار فطرت کے سکوت میں نغمہ سرائی کرتے ہیں۔ پہاڑوں کے دو سلسلوں کو عبور کر کے ایک تیسرے پہاڑ میں جو کہ عمودی پُر پیچ اور تنگ و تاریک سلسلوں کا حامل ہے، آبشاریں ہیں۔ کافی بلندی سے شفاف پانی کے آبشار جب سنگ مرمر کے مختلف النوع رنگوں کے سنگ ریزوں پر گرتے ہیں تو عجیب سا بندھ جاتا ہے اور ایسے میں اگر دامن کو ہسار کی خنک ہو اسرگوشیاں کر رہی ہو، سکوت تنہائی یا بزم دوستاں ہو تو زیارت واقعی ایک حسین و جمیل پربتوں کی شہزادی معلوم ہوتی ہے۔ 51

غالباً ایسے ہی مناظر سے مسحور ہو کر قائد اعظمؒ نے اپنے سیکرٹری فرخ امین سے کہا تھا۔

"مجھے زیارت بہت پسند ہے۔ اسے ایک خوبصورت شہر بنایا جاسکتا ہے۔ جس میں ہر جگہ بڑے بڑے آرام دہ ہوٹل، خوبصورت بنگلے، پارک اور پھولوں سے لدے ہوئے باغ باغیچے ہوں۔ اُس کے بعد مسکرا کر فرمانے لگے۔ تمہیں پتہ ہے میں اس طرح کے خواب دیکھتا ہوں اور کبھی کبھی میرے خواب پورے بھی ہو جاتے ہیں۔ پاکستان بھی کبھی اس طرح کا ایک خواب تھا۔ جس طرح کا یہ خواب زیارت کے متعلق ہے اور ممکن ہے ایک دن یہ خواب بھی پورا ہو کر رہے۔ 52

زیارت کے قیام کے دوران وہ مرکزی امور اور ملک کے حالات و معاملات سے بے

خبر نہ تھی۔ اہم فائلیں اُن تک پہنچتی رہتیں تھیں اور وہ اُن پر اپنے مشورے دیتے رہتے تھے۔ زیارت ہی میں اُنہوں نے سندھ مسلم لیگ کے نمائندوں کے ایک وفد سے ملاقات کی اور کراچی کو وفاقی دارالحکومت کا علاقہ قرار دینے کے خلاف اعتراضات سنے۔ یہ ساری تحریک ایوب کھوڑو سابقہ وزیر اعلیٰ سندھ کی چلائی ہوئی تھی۔ جنہوں نے اپنے عہدے سے برطرفی کے بعد مرکزی حکومت کے خلاف اعلان جنگ کیا ہوا تھا۔ قائد اعظمؒ نے اس وفد کو سمجھایا کہ وہ "دستور ساز اسمبلی کے فیصلہ کو قبول کر لیں اور احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ بند کر دیں۔ بصورت دیگر پاکستان کی بنیادیں کمزور ہو جائیں گی۔ کیونکہ ملک پہلے ہی ایک بحرانی دور سے گزر رہا ہے۔" علاوہ ازیں اُنہوں نے کہا کہ مرکزی حکومت آہستہ آہستہ دفاتر بنائے گی اور تمام املاک کا معاوضہ ادا کرے گی۔ کراچی میں جو بھی تعمیر کا کام ہوگا اور سہولتیں میسر ہوں گی اُن سے بہر حال سندھ کو فائدہ پہنچے گا۔⁵³ وفد کے ساتھ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی ساری گفتگو اور مشورے اُن کی ہدایت پر اخبارات میں شائع ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سندھ مسلم لیگ نے 5 جولائی کو 5 کے مقابلہ میں 26 ووٹوں سے قائد اعظمؒ کے مشورے کی حمایت کر دی۔ یہ صرف قائد اعظمؒ ہی تھے جو اس قسم کے فساد انگیز طوفانوں کو ایک اشارے سے ختم کر سکتے تھے۔⁵⁴

جن دنوں قائد اعظمؒ زیارت میں تھے۔ اُنہی دنوں کراچی میں گورنر جنرل کی کوٹھی کے قریب پاکستان کے سرکاری بینک "State Bank" کی شاندار عمارت مکمل ہوئی۔ یہ بینک ملک کی اقتصادی خود مختاری کا نشان تھا اور قائد اعظمؒ کو پاکستان کی بقاء پر جو یقین کامل تھا یہ عمارت اُس کا ایک شاندار مادی مظہر تھی۔ اس کا قیام تقسیم کے ساتھ ہی آ جانا چاہیے تھا کیونکہ اس کے بغیر آزاد مملکت کی معیشت کو اُس کی آزادانہ پالیسی پر گامزن ہونا بہت دشوار تھا۔ لیکن تقسیم کے مسائل نے اس طرف توجہ ہونے نہ دی۔ چنانچہ یہی طے کیا گیا کہ ریزرو بینک آف انڈیا کم و بیش ایک سال کیلئے پاکستان کے مالیاتی امور کا بندوبست کرے۔ سٹیٹ بینک کے گورنر کے طور پر "زاہد حسین" کا انتخاب ایک طے شدہ معاملہ تھا۔ وہ ایک آزمودہ کار ماہر مالیات تھے۔ لیکن جب یکم

اکتوبر 1948ء تک ریزرو بینک آف انڈیا ہی کو پاکستان کے کرنسی کے معاملات سپرد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو اُنہیں عارضی طور پر ہندوستان میں ہائی کمانڈر برائے پاکستان مقرر کر دیا گیا۔ جب دسمبر 1947ء میں حکومت ہندوستان کی ہدایات کے تحت ریزرو بینک آف انڈیا نے پاکستان کے حصہ کے متفق علیہ نقد بھتیا جات روک لئے۔ تو طے شدہ تاریخ سے پہلے ہی اپنے لئے آپ انتظام کرنے کی ضرورت واضح ہو گئی اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے قیام کی تاریخ تین ماہ قبل یکم جولائی کر دی گئی۔⁵⁵

قائد اعظم محمد علی جناحؒ یکم جولائی 1948ء کو کراچی میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی دعوت قبول کر چکے تھے اگرچہ اُن کی طبیعت ناساز تھی۔ لیکن وہ اس بات پر مصر تھے کہ بینک کا افتتاح وہ خود کریں گے۔ اس موقع پر اُن کے اے ڈی سی نے یہ مشورہ دیا کہ تقریر کا مسودہ کراچی بھیج دیا جائے اور افتتاح کے وقت گورنر جنرل کی طرف سے وزیر اعظم اُسے پڑھ دیں۔ اُنہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن ہاتھ کے اشارے سے یہ تجویز رد کر دی۔⁵⁶ جب ایسی ہی تجویز محترمہ فاطمہ جناحؒ نے بھی دی تو انہوں نے جواباً کہا۔

"تم جانتی ہو کہ کانگریس اور ہندو پیش گوئی کر چکے ہیں کہ پاکستان ایک دیوالیہ ملک ہو گا اور یہ کہ ہمارے لوگ تجارت، صنعت، بینکنگ، جہاز رانی اور انشورنس وغیرہ کے شعبوں کو نہیں چلا سکیں گے۔ چنانچہ ہمیں لازماً ثابت کرنا ہے کہ ہمارے پاس نہ صرف سیاسی شعبے میں ٹیلنٹ موجود ہے۔ بلکہ مالیات اور بنکاری میں بھی ہمارے پاس باصلاحیت افراد کی کمی نہیں ہے۔ لہذا میری وہاں موجودگی نہایت ضروری ہے اور پھر اس کے بعد ہم چند روز کے اندر ہی کوئٹہ واپس آ جائیں گے۔ تم میری صحت کے بارے میں اس قدر پریشان کیوں ہو؟۔۔۔ مجھے اپنا فرض بہر حال ادا کرنا

ہے۔ میں اُسے ملتوی نہیں کر سکتا اور تم کہہ سکتی ہو کہ میں اس سلسلہ

میں کوئی خطرہ قبول نہیں کر سکتا۔ 57

زیارت سے کراچی روانگی کیلئے قائد اعظم محمد علی جناح 28 جون کو کوئٹہ پہنچے۔ اُس دن شام چھ بجے انہوں نے بریگیڈ سپورٹس گراؤنڈ میں منعقد ہونے والے سالانہ جلسے میں شرکت کی۔ جونہی وہ بریگیڈ گراؤنڈ پہنچے وہاں موجود ایک لاکھ سے زائد تماشاخیوں نے جو کھیلیں دیکھنے کیلئے جمع تھے، ہر زور تالیوں سے اظہار مسرت کیا اور کوئٹہ کی آس پاس کی پہاڑیاں قائد اعظمؒ زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھیں۔ 58

اگلے دن 29 جون کی صبح دس بجے قائد اعظمؒ اپنے خصوصی طیارے سے ماڑی پور ہوائی اڈے پر اترے۔ وزیر اعظم، کابینہ کے وزراء، اعلیٰ افسروں اور سیاسی ورکروں نے اُن کا استقبال کیا۔ کوئٹہ سے کراچی کا یہ سفر اُن کے لئے زیادہ خوشگوار نہ تھا۔ اس نے اُنہیں بہت تھکا دیا۔ افتتاحی تقریب کی صبح وہ اپنے بستر سے لگے ہوئے تھے، اور بے حد کمزوری محسوس کر رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اٹھے تقریب کیلئے اپنا بہترین لباس پہنا اپنی ہمیشہ محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر اپنی قیام گاہ سے بینک کی عمارت تک گئے۔ یہ گاڑی اُن سوار یوں میں سے تھی جو انگریزوں کے زمانے میں وائسرائے کیلئے مخصوص تھی اور تقسیم ہند کے وقت دہلی سے کراچی آئی تھی۔ اُسے چھ گھوڑے کھینچ رہے تھے اور اُس کا محافظ دستہ شوخ سرخ رنگ کی وردیاں پہنے ہوا تھا۔ جو انگریزوں کے عہد میں وائسرائے کے گاڑی گارڈ پہنا کرتے تھے۔ اُس روز کراچی کے لوگوں نے پہلی اور آخری مرتبہ اپنے مسیحا کو شاہانہ کردار سے نکلنے دیکھا۔ 59

جب قائد اعظمؒ کا جلوس گورنر جنرل کی کوٹھی سے نکلنے والا تھا۔ تو انہوں نے جھک کر کچھ شوخی اور کچھ شرارت سے اپنے ملٹری سیکرٹری کرنل نولز سے پوچھا "کرنل نولز (Col. Knowles) مجھے اُمید ہے ان گھوڑوں کو اس سفر کیلئے کافی مشق کرائی گئی ہے" 60 اس مذاق پر یقیناً وہ زیر لب مسکرایا ہوگا۔ اس تقریب کی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ بانی پاکستان کی آخری

سرکاری مصروفیت تھی۔ اُس کے بعد مرض الموت نے انہیں مہلت نہ دی۔ طبیعت کی خرابی کے باوجود اس تقریب کیلئے اُن کا اصرار اور شرکت کی اہمیت اُن کے خطاب سے واضح تھی۔ آپ نے اس موقع پر فرمایا۔

مسٹر گورنر، ڈائریکٹر صاحبان سٹیٹ بینک، خواتین و حضرات!
"سٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح آج اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے ہمارے ملک کو اقتصادی میدان میں بھی خود مختاری مل گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس ادارے کے افتتاح کی رسم ادا کرتے ہوئے میں حد درجہ مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ پچھلے سال اگست میں ہمیں گمان تک نہ تھا کہ ہم اس نوزائیدہ مملکت کے قیام کے ساتھ ہی اُس کا اپنا بینک قائم کر لیں گے۔ کیونکہ جس ادارے کو کرنسی نوٹ جاری کرنے اور بنکاری کے سلسلہ میں طرح طرح کے تکنیکی اور نازک کردار ادا کرنے ہوں، اُس کے قیام سے پہلے بھاری تیاریوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ یہ مہلت حاصل کرنے کیلئے ہی پاکستان کے مالی نظام ریزرو بینک کے آرڈر مجریہ 1947ء میں یہ دفعہ رکھی گئی تھی کہ پاکستان میں کرنسی نوٹ کے اجراء اور بنکاری کی ذمہ داری 30 ستمبر 1948ء تک ریزرو بینک آف انڈیا ادا کرے۔ لیکن بعد کے حالات نے ہمیں مجبور کر دیا کہ ہم سوچیں کہ ریزرو بینک آف انڈیا کو جس قدر جلد اُس کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیں اُتنا ہی پاکستان کے بہترین مفاد کے مترادف ہوگا۔

چنانچہ بھارتی حکومت اور ریزرو بینک آف انڈیا کے ساتھ

سمجھوتہ کر کے یہ ذمہ داری پاکستان کے کسی ادارے کے سپرد کر دینے کی مہلت میں 3 ماہ کی کمی کا فیصلہ کر لیا گیا اور ساتھ ہی یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہماری کرنسی اور بنکاری کے انتظام کیلئے کسی اور ادارے کے سپرد کرنے کی بجائے پاکستان کا مرکزی بینک قائم کر دیا جائے۔ پاکستان میں اس مقصد کیلئے تربیت یافتہ افراد کی تعداد بہت کم تھی اور تمام ابتدائی تیاریوں کیلئے وقت بھی اتنا تنگ تھا۔ لیکن ان معدودے چند افراد کی محنت، ہمت، حوصلے اور مساعی جیلہ سے یہ مشکل کام عین وقت پر مکمل کر دیا گیا۔ وہ اس کامیابی کے مستحق ہیں اور میں انہیں ان تھک محنت اور خدمت کی پوری داد دیتا ہوں۔

مسٹر گورنر جیسا کہ آپ اپنے استقبالیہ میں کہہ چکے ہیں، متحدہ ہندوستان میں بنکاری غیر مسلموں کے گھر کی لونڈی بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ ان کے ترک پاکستان کے نتیجے میں ہمارے نوزائیدہ ملک کی اقتصادی زندگی میں خاصا خلا محسوس ہونے لگا۔ اس مقصد کیلئے کہ کاروبار تجارت اور صنعت کی مشینری بدستور چلتی رہے۔

یہ امر لازمی ہے کہ غیر مسلموں کے چلے جانے کے بعد اس میدان میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے اسے بلا تاخیر پُر کر لیا جائے۔ مجھے مسرت ہوئی ہے کہ اس میدان میں بھی پاکستانیوں کی تربیت کی سکیمیں شروع ہو چکی ہیں۔ میں ان سکیموں کا تمام تر مطالعہ جاری رکھوں گا اور مجھے پوری امید ہے کہ سٹیٹ بینک آف پاکستان کو اس ضمن میں تمام متعلقہ اداروں کا جن میں بینک اور یونیورسٹیاں شامل ہیں، پورا تعاون حاصل ہوگا۔ تاکہ یہ سکیمیں کامیاب ہو

سکیں۔ بنکاری ایک ایسا نیا میدان پیش کر رہی ہے۔ جس میں ہمارے نوجوان پورا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ مجھے اُن سے پوری توقع ہے کہ وہ بنکاری کے سلسلے میں تربیت حاصل کرنے کیلئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں میدان میں نکلیں گے اور اس ضمن میں پیش کردہ سہولتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ وہ ایسی تربیت حاصل کر کے نہ صرف خود مستفید ہوں گے بلکہ اپنے ملک اور وطن کی فلاح و بہبود کا بھی موجب بنیں گے۔

سٹیٹ بینک آف پاکستان کو ملک کی اقتصادی زندگی میں آگے چل کر جواہم کردار ادا کرنا ہے اُس کی زیادہ وضاحت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ بینک کی مالی پالیسی ہی کا ہماری تجارت اور کاروبار پر براہ راست اثر ہوگا اور یہ اثر صرف اندرون ملک ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھی ہوگا اور مجھے سٹیٹ بینک کے ارباب بست و کشاد سے یہی توقع ہے کہ اُن کی پالیسی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافے اور آزاد تجارت پر مبنی رہے گی۔ پچھلی عالمگیر جنگ کے دوران جو مالی پالیسیاں اختیار کی گئیں، اُن کے نتیجے میں ہم کئی اقتصادی مسائل سے دوچار ہو گئے ہیں۔ معاشرے کے مخلص طبقے کو جس میں محدود و مقررہ آمدنی والا طبقہ بھی شامل ہے۔ مہنگائی نے پریشان کر رکھا ہے اور ملک میں موجود آمدنی میں بے اطمینانی اسی پریشانی کا نتیجہ ہے۔ حکومت پاکستان کی حکمت عملی یہ ہے کہ اشیاء کی قیمتیں ایسی سطح پر مستحکم رکھی جائیں۔ جو صنعت کار اور صارفین دونوں کیلئے منصفانہ ہوں۔ مجھے آپ سے پوری توقع ہے

کہ اس اہم فیصلے کے حل کیلئے آپ بھی اپنی کوشش اسی اصول کے تحت جاری رکھیں گے۔

میں آپ کی ریسرچ آرگنائزیشن کے کام کا بھی دلچسپی اور غور سے مطالعہ جاری رکھوں گا کہ وہ بنکاری کے کون کون سے ایسے اصول وضع کرتی ہے جو معاشرتی اور اقتصادی زندگی میں اسلامی اصولوں کے مطابق ہوں۔ مغرب کے اقتصادی نظام نے نوع انسان کیلئے عجیب عجیب لاناغیل مسئلے کھڑے کر دیئے ہیں اور ہم میں سے بہت سے یہ خدشہ محسوس کرتے ہیں کہ آنے والی تباہی کو شاید کوئی معجزہ ہی روک سکے گا۔ کیونکہ اس نظام نے انسان کے ہاتھوں انسان کے ساتھ انصاف ختم کر دیا ہے اور بین الاقوامی فضاء میں سے منافقت اور خلفشار کو بھی دور کرنے میں ناکام ہو گیا ہے۔ اس کے برعکس یہ نظام پہلے ہی نصف صدی کے اندر اندر دو عالمگیر جنگوں کا باعث بن چکا ہے۔ مغربی دنیا ہزار تکنیکی اور صنعتی ترقی کے دعوے کر رہی لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس کی حالت اتنی زبوں اور خراب تر نہیں تھی جتنی کہ آج ہے۔ ہم نے یہ سرزمین ایک معاشرہ قائم کرنے کیلئے حاصل کی ہے۔ جو ہر لحاظ سے مسرور اور مطمئن ہو۔ مگر اقتصادی نظریات ہمیں یہ مقصد پورا کرنے میں ہرگز کوئی مدد نہیں دے سکیں گے۔ ہمیں اپنی تقدیر کو آپ بنانا ہے اور انسانی مساوات، معاشرتی انصاف اور اسلامی تصورات کے تحت دنیا کے سامنے ایک مثالی اقتصادی نظام پیش کرنا ہے۔ ہم ایسا کریں تو جیہی ہم بحیثیت داعیان اسلام اپنا صحیح مقام حاصل کر سکیں گے اور اسی طرح ہم دنیا

کو ایسی امن دوستی کا پیغام پہنچا سکیں گے جس میں نوع انسانی کی فلاح و بہبود، خوشحالی اور ترقی کی راہیں کھلی ہوں۔۔۔ خدائے بیگ آف پاکستان کو کامیاب اور کامران کرے اور وہ اُن مقاصد کی تکمیل کر سکے جن کی اساس پر اُسے قائم کیا جا رہا ہے۔

میں آخر میں مسٹر گورنر آپ اور آپ کے ساتھیوں کا ممنون ہوں کہ جنہوں نے اس گرم جوشی سے میرا خیر مقدم کیا۔ میں اُن اصحاب کا بھی ممنون ہوں، جنہوں نے اس تقریب کو رونق بخشی ہے اور میں اس عزت افزائی کیلئے بھی آپ کا مرہون منت ہوں جو آپ نے مجھے سٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کی رسم ادا کرنے کا موقع دے کر بخشی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ادارہ سب سے اہم اور عظیم ترین ادارہ ثابت ہوگا اور دنیا بھر میں شایان شان کردار ادا کرے گا۔ 61

تقریب میں جو لوگ موجود تھے انہوں نے بخوبی محسوس کیا کہ قائد اعظم کی طبیعت ناساز ہے۔ اُن کی آواز بمشکل سنائی دیتی تھی۔ تقریر کے دوران وہ بار بار کھانسی رہے تھے اور اکثر انہیں سانس لینے کیلئے زکنا پڑتا تھا۔ لیکن کمزوری اور بیماری سے اُن کے عزم و استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔ 62

اُس یادگار دن کے آخری قابل ذکر واقعات اُن کے اے ڈی سی لیفٹیننٹ مظہر احمد نے یوں بیان کئے ہیں۔

"والہیسی پر قائد اعظم جب گاڑی پر چڑھنے لگے تو بہت نحیف اور تھکے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ ہزاروں آدمی اُن کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اور شاید وہ انہیں چھونا چاہتے تھے۔ لیکن ہم

رکاب سواروں نے انہیں روک دیا۔ جو لوگ سواری سے ذرا قریب تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ گاڑی کی طرف بڑھا دیئے گویا اس طرح اُن کی خوشی پوری ہو جائے گی۔

گورنمنٹ ہاؤس پہنچ کر میں قائد اعظمؒ کے ہمراہ اوپر گیا اور ہم دونوں داہنے ہاتھ کو مڑ گئے جدھر مسٹر جناح کا کمرہ تھا۔ چند قدم آگے چل کر انہوں نے مجھے رخصت کر دیا۔ بیڑھیاں اُترنے سے قبل میں نے مڑ کر دیکھا تو قائد اعظمؒ لڑکھڑاتے ہوئے اپنے کمرے کے دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بہت بیمار ہیں لیکن مجھے جرأت نہ ہوئی کہ میں واپس جا کر اُن کی مدد کروں۔ میں جانتا تھا کہ وہ اس مداخلت کی ہرگز اجازت نہ دیں گے۔" 63

وہ اپنے کمرے میں جا کر کپڑوں اور جوتوں سمیت بستر میں لیٹ گئے۔ 64 اُسی شام انہوں نے امریکی سفیر کی رہائش گاہ پر منعقد ہونے والے استقبالیہ میں شرکت کی۔ اُس کی دعوت وہ بہت پہلے قبول کر چکے تھے۔ اپنی بیماری کی وجہ سے وہ عین وقت پر انکار بھی کر سکتے تھے۔ لیکن خرابی صحت انہیں اپنے فرائض کی ادائیگی سے نہیں روک سکتی تھی۔ وہ تقریب کیلئے فوری تیار ہو گئے وہاں انہوں نے کسی قسم کی تھکاوٹ یا کمزوری کا اظہار نہ کیا۔ استقبالیہ میں مہمانوں سے اُن کا تعارف کروایا گیا۔ وہ اُن کے ساتھ معمول کے مطابق باتیں کرتے رہے۔ بیماری اُن کی خوش مزاجی کے نیچے دب کر رہ گئی۔ ایسے موقع پر اعلیٰ عہدہ اور پوزیشن جس قسم کی قیمت و قربانی کا مطالبہ کیا کرتا ہے۔ وہ انہیں بہر حال ادا کرنی تھی اور انہوں نے یہ قیمت مُسکراتے ہوئے ادا کی۔ 65

اگلے دن 2 جولائی کو وہ پیراڈائیز سینما کراچی میں ایک دستاویزی فلم "ہمارے درمیان" دیکھنے تشریف لے گئے۔ کراچی میں اُن کا قیام پانچ دن رہا۔ اسی دوران انہوں نے

نہایت اہم فائلیں دیکھیں۔ کابینہ کے اراکین و اہم اعلیٰ سرکاری لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ اور دیگر کام کئے۔ پھر ہوائی جہاز کے ذریعے واپس کوئٹہ آ گئے۔ کراچی کے مصروف شب و روز اور جہاز کے سفر نے انہیں بری طرح تھکا دیا۔ جس سے انہیں ہلکا سا بخار ہو گیا۔ قائد اعظمؒ کی صحت کیلئے بخار انتہائی خطرناک تھا۔ کوئٹہ آتے ہی مختلف اداروں کی طرف سے انہیں دعوت نامے موصول ہونے لگے۔ اہلیان کوئٹہ انہیں مختلف تقاریب میں دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ روزانہ مختلف مقامی لیڈر اور وفود ان سے ملنے کا تقاضا لے کر آتے۔ مگر وہ اپنی صحت کی وجہ سے ان کی خواہشات کا احترام نہیں کر پاتے تھے جس کا انہیں افسوس تھا۔

14 جولائی کو وہ اپنے سٹاف کے ہمراہ زیارت منتقل ہو گئے۔ وہ کوئٹہ کی نسبت یہاں زیادہ سکون محسوس کر رہے تھے۔ کیونکہ نہ تو یہاں دفتری مصروفیات تھیں اور نہ ملاقاتوں کے سلسلے تھے۔ وہ اُمید کر رہے تھے کہ وہ تھوڑا ہی عرصہ میں اس قابل ہو جائیں گے کہ دوبارہ جوش و خروش سے اپنے خوابوں کی تعبیر کو پروان چڑھا سکیں۔

☆☆☆

کھوئی ہوئی توانائیاں بحال ہو سکیں۔ اُن کے ساتھ شاف کے چند لوگوں کے علاوہ محترمہ فاطمہ جناح تھیں۔ جو خدا کی رحمت پر بھروسہ کئے ہوئے تھیں۔

زیارت میں صبح ہی اُن کے لئے کرسی اور میز لگ جاتا تھا۔ وہاں وہ بیٹھ کر گھنٹوں کام کرتے تھے۔ صبح وشام ریڈیو نیسی سے تالاب تک سیر ک جاتے۔ سیر میں وہ آہستہ آہستہ چلتے تھے۔ انہیں زیارت کے جنگلی پھول اور سدا ہنر رہنے والے جونیپر بہت پسند تھے۔ تالاب پر وہ تھوڑی دیر آرام کرتے اور واپس آ جاتے۔ بیماری کی وجہ سے بستر تک محدود ہو جانے سے قبل یہ اُن کے معمولات تھے۔³ پھولوں میں انہیں کارنیشن اور گلاب کے پھول پسند تھے۔ زیارت ریڈیو نیسی کا مالی صالح محمد روزانہ اُن کے کمرے کو پھولوں سے سجاتا تھا۔ انہیں اپنے کمرے کی بالکونی میں بیٹھ کر وادی کا منظر دیکھنا بہت پسند تھا۔ وہ اکثر اس منظر سے لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔ انہوں نے یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ لوگ یہ راستہ استعمال نہ کریں۔ وہ یہاں بیٹھ کر صرف منظر ہی سے لطف اندوز نہ ہوتے تھے بلکہ کچھ اہم باتیں بھی سوچا کرتے تھے لوگوں کی آمد و رفت سے اُن کی سوچوں کا ارتقا زوٹ جاتا تھا۔ قائد اعظم کے شاف کے ملازمین بھی یہ راستہ استعمال نہ کرتے تھے۔⁴

زیارت میں کچھ دن کے قیام سے اُن کی صحت بہتر ہو گئی تھی اور وہ کراچی میں سٹیٹ بینک کے افتتاح اور دیگر مصروفیات کے قابل ہو گئے تھے۔ لیکن اب کراچی سے واپسی کے بعد اُن کی طبیعت کسی طور پر سنبھل نہیں رہی تھی۔ وہ بے خوابی اور کم خوراک کا شکار ہو گئے تھے۔ اتفاق سے اُن دنوں میو ہسپتال لاہور کے معروف فیزیشن ڈاکٹر ریاض علی شاہ اپنے ایک مریض کو دیکھنے زیارت آئے ہوئے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح کو جب پتہ چلا تو انہوں نے اُن سے معائنہ کرانے کی تجویز اُن کے سامنے رکھی۔ لیکن انہوں نے سختی سے اُن کی تجویز کو یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ "انہیں کوئی زیادہ سنگین مرض لاحق نہیں ہے، اگر صرف اُن کا معدہ خوراک کو ذرا بہتر ہضم کرنے لگے تو وہ جلد ہی دوبارہ تندرست ہو جائیں گے۔"⁵

زیارت سے کوئٹہ

قائد اعظم محمد علی جناح اب تک ڈاکٹروں اور دواؤں سے گریز کرتے آئے تھے۔ ڈاکٹر کا مشورہ اور دوا وہ اُسی وقت ہی لیتے تھے جب وہ محسوس کرتے تھے کہ بیماری اُن کی قوت برداشت سے بڑھ رہی ہے۔

انہوں نے اپنی "دیرینہ"¹ بیماری کو دانستہ فراموش کیا ہوا تھا۔ وہ اس خیال میں تھے کہ اُن کی یہ حالت کام کی کثرت اور بڑھتی عمر کے سبب تھی اور چند دنوں کا آرام انہیں تروتازہ کر دے گا اور وہ پھر سے پہلے کی طرح بھلے چنگے ہو جائیں گے۔ بہت عرصہ قبل انہوں نے اپنے ملٹری سیکرٹری کرنل ولیم برینی (یہ کرنل جیفرے نولز سے قبل تھے) سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ کم از کم دو ہفتے کسی ایسی جگہ پر بسر کر سکوں،

جہاں کوئی شخص مجھے پریشان نہ کرے۔"²

لیکن پاکستان کے ساتھ عشق کی حد تک وابستگی اور اُس کے مسائل سے شدید انہماک کی وجہ سے وہ کبھی بھی اپنے لئے آرام کا وقت نہ نکال سکے۔ پاکستان کے استحکام کیلئے یہ ضروری تھا کہ وہ چند روز کیلئے کسی پرسکون جگہ پر آرام کرتے اور اپنی طاقت کو مجتمع کرتے۔

زیارت میں اُن کے قیام کا مقصد یہی تھا کہ ہنگاموں سے دور آ کر یہاں صرف اور صرف آرام کریں۔ وگرنہ علاج کیلئے یہ جگہ بہتر اور معقول نہ تھی۔ زیارت پسماندہ اور دور افتادہ جگہ تھی۔ جہاں اس زمانے میں ڈاکٹر تو کیا معقول میڈیکل سٹور بھی نہ تھا۔ قائد اعظم کے ساتھ نہ تو ڈاکٹروں کی کوئی ٹیم تھی اور نہ ہی نگہداشت کرنے والا عملہ۔ حتیٰ کہ اُن سے ذاتی فیزیشن ڈاکٹر عبدالرحمن (1955ء-1882ء) بھی ساتھ نہ تھے۔ یہاں وہ صرف آرام کیلئے آئے تھے تاکہ

ایک دن اچانک اُن کو سردی لگ گئی، جس سے وہ بخار میں مبتلا ہو گئے۔ بخار کے علاوہ کھانسی کی بھی شکایت ہو گئی۔ کوئٹہ کے سول سرجن ڈاکٹر صدیقی سے رابطہ کیا گیا، انہوں نے پینسلین لو زنجر (Pencillen Lozengers) تجویز کی۔ جس سے کچھ افادہ ہو گیا اور بخار میں بھی کمی ہو گئی۔ حالیہ بخار اور کھانسی کے حملے نے اُنہیں بے حد کمزور کر دیا تھا۔ وہ ہمیشہ یہی خیال کرتے تھے کہ وہ اپنی صحت کو اپنی مرضی کے تابع رکھ سکتے تھے۔ مگر اب اُنہیں احساس ہو رہا تھا کہ اُن کی یہ کوشش ناکامی سے دو چار ہو رہی تھی۔

ایک صبح اُنہوں نے محترمہ فاطمہ جناح سے اظہار کیا کہ اُنہیں کسی ڈاکٹر سے اپنی صحت کے بارے میں مشورہ لینا چاہیے۔ وہ ایک عرصہ سے آرزو مند تھیں کہ وہ کسی اچھے ڈاکٹر سے اپنا باقاعدہ علاج کروائیں اور کچھ دن مکمل آرام سے گزاریں۔ بھائی کی رضامندی دیکھتے ہوئے اُنہوں نے فوراً چوہدری محمد علی سیکرٹری جنرل حکومت پاکستان سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا اور اُنہیں قائد اعظم کی بیماری کے حوالے سے اعتماد میں لیتے ہوئے اُن سے درخواست کی کہ لاہور کے معروف ڈاکٹر کرنل الہی بخش کو فی الفور زیارت بھجوانے کا بندوبست کریں۔⁶ اس کا مشورہ اُنہیں کوئٹہ ہسپتال کے سول سرجن ڈاکٹر صدیقی نے دیا تھا۔⁷

21 جولائی کو ڈاکٹر کرنل الہی بخش سے چوہدری محمد علی نے بذریعہ ٹیلی فون رابطہ قائم کیا اور اُنہیں قائد اعظم کی تشویش ناک حالت کا بتاتے ہوئے اُن سے درخواست کی کہ وہ فوراً زیارت پہنچیں۔۔۔ قائد اعظم کی بیماری کی خبر عوام کیلئے مایوسی اور بددلی کا سبب بن سکتی تھی اور اس خبر کے عام ہونے سے پاکستان دشمن عناصر فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ اسے راز میں رکھنے کی سخت ضرورت تھی۔ چنانچہ چوہدری محمد علی نے اُن سے اس بات کو راز میں رکھنے اور اُنہیں انتہائی رازداری سے سفر کرنے کی خصوصی تاکید کی۔

22 جولائی کو جمعرات کا دن تھا۔ اُس دن اورینٹ ایئرویز (پاکستان کی قومی ایئر لائن، حال پی آئی اے) وجود میں نہیں آئی تھی) کا دفتر بند تھا۔ چنانچہ اُس سے اگلے دن یعنی جمعہ

21 جولائی کو وہ جہاز کے ذریعہ کوئٹہ پہنچ گئے۔ جہاں میجر جنرل اکبر خان اور کرنل کے۔ جیلانی اُن کے منتظر تھے۔ کوئٹہ میں سب کو معلوم تھا کہ قائد اعظم سخت بیمار ہیں۔ لیکن کسی کو اُن کی بیماری کی اہمیت کا پتہ نہ تھا۔ صرف وہ اس قدر جان سکے کہ وہ ٹیکوں اور پیینٹ دواؤں سے گھبراتے تھے اور اپنے آپ کو ہزلیکی لینسی کہلانے کی بجائے سر کہلانے کو ترجیح دیتے تھے۔⁸ اُسی شام وہ زیارت پہنچ گئے۔ اُن کی آمد کی خبر محترمہ فاطمہ جناح کے لئے ایک خوشی اور اطمینان کی خبر تھی۔ وہ یہ توقع کر رہے تھے کہ اُنہیں پہنچتے ہی قائد اعظم محمد علی جناح کا معائنہ کرنا ہوگا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اُنہیں انتہائی ہنگامی طور پر بلوایا گیا تھا۔ لیکن قائد اعظم نے اُنہیں اگلی صبح آٹھ بجے کا وقت دیا۔ طبی امداد مائل کرنے میں اس قسم کی لا پرواہی اُن کے لئے بہت حیرت انگیز تھی۔ لیکن یہ حیرانگی بہت جلد اُتر ہو گئی۔ جب وہ اُن سے ملے تو اُنہیں معلوم ہوا کہ وہ تمام عمر مسلسل علاج سے پہلوتپی کرتے رہے تھے۔⁹

ڈاکٹر کرنل الہی بخش کی قائد اعظم سے پہلی ملاقات 24 جولائی کو ہوئی۔ وہ ملاقات سے اُن کی تھوڑی سی گھبراہٹ محسوس کر رہے تھے۔ جو یقیناً ایک بڑے آدمی کو ملنے سے تھی وہ اُن سے کبھی نہیں ملے تھے۔ اُنہیں اُس وقت یاد آیا کہ اُنہوں نے ایک دن اُنہیں دور سے دیکھا تھا۔ جب ملوث مغربی پنجاب نے باغ جناح میں ستمبر 1947ء کو اُن کے اعزاز میں چائے کی پارٹی دی تھی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو وہ دروازے کی طرف رخ کئے ہوئے لیٹے تھے۔ اُنہوں نے مصافحہ کیا اور مسکرائے۔ اُس وقت وہ نہایت لاغر اور نحیف نظر آ رہے تھے۔ چہرے پر زردی پھائی ہوئی تھی۔ یوں بھی وہ کوئی موٹے تازے نہ تھے۔ لیکن اُس وقت اُن کی شکل و صورت نے انہیں خوف زدہ کر دیا۔ اُن کی تیز آنکھوں نے تاڑ لیا کہ ڈاکٹر پر اُن کی حالت سے کیا رد عمل ہوا۔ چنانچہ اُنہوں نے ڈاکٹر کرنل الہی بخش کو ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور لاہور سے زیارت کے سفر کے بارے میں دریافت کیا۔

حال احوال کے سلسلوں کے بعد اُنہوں نے اپنے بارے میں ڈاکٹر کرنل الہی بخش کو

ہو جائے تو فوراً تندرست ہو جاؤں گا۔ کئی سال ہوئے مجھے معدے کی سخت تکلیف ہوئی جس کے لئے میں نے لندن کے بعض ماہرین سے مشورہ کیا۔ لیکن وہ میرے مرض کی تشخیص نہ کر سکے اور ایک نے تو آپریشن تجویز کیا۔ مجھے تسلی نہ ہوئی اس لئے میں نے آپریشن کروانا مناسب نہ سمجھا۔ لندن کے ایک معروف ڈاکٹر سے مشورہ کیا۔ اُس نے تشخیص کے بعد کہا کہ

"تمہیں کوئی جسمانی عارضہ نہیں صرف خوراک میں باقاعدگی اور آرام کرنے کی ضرورت ہے۔" میں چند ہفتے اُس کے شفا خانے میں رہا اور بالکل تندرست ہو گیا۔ 1934ء میں بمبئی کے ڈاکٹروں نے معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ تمہیں دل کا عارضہ لاحق ہے۔ لیکن جرمی کے ایک ڈاکٹر جو اس مرض کا ماہر تھانے مجھے یقین دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں اور دل بالکل تندرست حالت میں ہے۔

مریض سے بیماری کی مختصر تاریخ سننے کے بعد ڈاکٹر کرل الہی بخش نے اُن کا معائنہ لیا۔ وہ کپڑوں میں جو کچھ نظر آرہے تھے وہ اس سے کہیں زیادہ کمزور اور لاغر تھے۔ اتنے دبلے ہونے کے باوجود وہ زندہ کیوں کرتے تھے؟ اور کام کیسے کرتے تھے؟ انہیں یاد آ رہا تھا کہ انہوں نے ٹاپور میں ایسے ہی بعض خیف اور لاغر اسیران جنگ کو دیکھا تھا (دوسری جنگ عظیم کے دوران وہ ٹاپور تعینات رہے تھے) جو رہا ہونے کے بعد اچھی اور عمدہ غذا کھانے سے بالکل تندرست ہو گئے تھے۔ یہ توقع تھی کہ اگر انہیں کوئی جسمانی عارضہ نہیں تو مناسب اور مقوی غذا کھانے سے وہ اعلیٰ طور پر صحت یاب ہو سکتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے اُن کا تقصیلاً معائنہ کیا تو وہ انتہائی اہل ہوئے۔ لیکن انہوں نے اپنی مایوسی کو مریض پر ظاہر ہونے نہ دیا۔ تاہم انہوں نے اپنے اہل سے اتنا ضرور کہا کہ وہ علاج سے قبل ایک بار پھر معائنہ کرنا پسند کریں گے۔ انہوں نے

مجھے کوئی عارضہ نہیں ہے سوائے معدے کی خرابی اور تھکان کے جو کام کی زیادتی اور دماغی پریشانیوں کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ میں اپنی زندگی کے گزشتہ چالیس سالوں میں ہر روز چودہ گھنٹے کام کرتا رہا ہوں لیکن کسی عارضے کا سامنا نہیں ہوا۔ لیکن گزشتہ چند سالوں میں مجھے کبھی کبھی بخار اور کھانسی کی شکایت ہوتی رہی۔ بمبئی کے ڈاکٹر اسے پیچھڑوں کی سوجن بتاتے تھے۔ معمولی علاج اور آرام سے میں بالعموم ہفتے عشرے میں تندرست ہو جاتا تھا۔ کوئی ایک دو سال سے یہ تکلیف زیادہ تیزی کے ساتھ عود کر آنے لگی اور اس کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ جس سے میں بہت نڈھال ہو جاتا ہوں۔

باتیں کرتے کرتے اُن کا سانس پھول جاتا تھا۔ ہر فقرے کے بعد اور کبھی کبھی درمیان میں رُک جاتے تھے۔ بولتے بولتے اُن کی زبان خشک ہو جاتی تھی اور وہ لبوں کو بار بار تر کرتے تھے۔ آواز دھیمی پڑ جاتی تھی اور کبھی بالکل سنائی نہ دیتی تھی۔ اس اثناء میں انہیں کھانسی آئی جس سے وہ مضطرب ہو گئے۔ انہوں نے مزید بتایا۔

کوئی تین ہفتے ہوئے سردی لگ جانے کی وجہ سے مجھے بخار اور کھانسی کی شکایت ہوئی، کوئٹہ کے سول سرجن نے پنسلین لوژنجر (Pencillen Lozengers) کی نکلیاں تجویز کیں اس وقت سے یہی استعمال کر رہا ہوں اب کچھ افاقہ ہے۔ بخار کم ہو گیا ہے۔ لیکن کمزوری بہت زیادہ ہے۔ میرا خیال ہے۔ مجھے کوئی جسمانی عارضہ نہیں۔ بلغم کا آنا انبلاً معدے کی وجہ سے ہے۔ اگر معدہ ٹھیک

مختصر یہ بتایا کہ اصل شکایت معدے کی نہیں پھیپھڑے کی ہے۔۔۔

لیکن انہیں یہی یقین تھا کہ اصل شکایت معدہ کی ہے۔ اس لئے انہوں نے انہیں معدے کی طرف زیادہ توجہ دینے کو کہا۔ ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے ان کو یقین دلایا کہ معدے کے علاج میں ہرگز کوتاہی نہ ہوگی۔۔۔ کیونکہ پھیپھڑوں کا علاج بھی جب ہی ہو سکے گا اگر غذا کو بہتر بنایا جائے گا اور غذا کے اہتمام سے معدے کی خرابی دور ہو جائے گی۔ 10

قائد اعظم ڈاکٹر کرنل الہی بخش کی رائے سے کچھ مطمئن ہو گئے۔ نیچے برآمدے میں محترمہ فاطمہ جناح بے چینی سے ان کی منتظر تھیں ڈاکٹر صاحب نے انہیں اپنے معائنے کے بارے میں بتایا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ مزید تشخیص کے بغیر کوئی فیصلہ کن رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ ان کی ناتوانی اور خون کی کمی خطرے سے خالی نہیں تھی۔ ان کی بیماری سے زیادہ خطرناک ان کی کمزوری تھی۔ ان کی اس کمزوری کو دور کرنے کیلئے بہتر اور اچھی غذا کی ضرورت تھی۔ انہوں نے ان کے ناشتے کیلئے نیم جوش یا تلے ہوئے پیانی میں پکے ہوئے انڈے، بکھن کے ساتھ ڈبل روٹی کے پتلے پتلے کٹوے، بعد میں قبوہ جس میں دودھ کی کافی مقدار ہو اور پھلوں کا رس دو پہر کو کھانے کیلئے چوزے کا قیمہ، سفید چینی کے ساتھ ابلے ہوئی بھاپ میں پکی ہوئی مچھلی، آلوؤں کا بھرتہ، بڑے کے سبز دانے، بعد میں پکا ہوا کسٹر ڈیا کریم کے ساتھ پھلوں کی جیلی۔ تیسرے پہر کو چائے اور بسکٹ اور شام کے کھانے کیلئے چوزے کا قیمہ، بھنی ہوئی مچھلی، بھرتہ، منر کے سبز دانے، ابلے ہوئے کدو، اور نرم سی پڈنگ اور قبوہ تجویز کیا۔ 11 قائد اعظم کبھی بھی خوش خوراک نہ تھے وہ اس چارٹ کو دیکھ کر پریشان ہو گئے انہوں نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

یہ تو بہت زیادہ ہے ڈاکٹر! آپ کا کیا خیال ہے کیا میرا کمزور معدہ اس قدر خوراک برداشت کر سکے گا۔

ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے اپنے تجویز کردہ چارٹ کا تحفظ کرتے ہوئے کہا۔

سر! آپ کو زیادہ حراروں (کیلوریز) والی خوراک کی ضرورت

ہے۔ آپ جیسے مریض کیلئے یہ از حد ضروری ہے۔ 12

قائد اعظم نے ساری زندگی دلیل کا کاروبار کیا تھا۔ ڈاکٹر کی رائے میں دلیل اور وزن دونوں موجود تھے۔ چنانچہ انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔

ڈاکٹر کرنل الہی بخش کو قائد اعظم کی بیماری کا قطعاً کوئی اندازہ نہ تھا۔ وہ لاہور سے کسی معاون اور ضروری ساز و سامان کے بغیر آئے تھے۔ ان کے ضروری ٹینٹوں کیلئے نہ صرف انہیں ضروری ساز و سامان چاہیے تھا بلکہ معاونوں کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے کونہ کے سول ہسپتال سے رابطہ قائم کیا۔ ان کی درخواست پر اگلی صبح (25 جولائی) کو ڈاکٹر صدیقی سول سرجن کونہ اور ڈاکٹر محمود 13 (جو کہ کلیدیکل پیتھالوجسٹ تھے) ضروری سامان لے کر آ گئے۔ انہوں نے خون اور تھوک کے نمونے لے کر اپنا کام شروع کر دیا۔ ٹینٹوں کا کام دن کے گیارہ بجے مکمل ہو گیا۔ کلیدیکل ٹینٹ ڈاکٹر کرنل الہی بخش کے "خدا شات" کی تصدیق کر رہے تھے۔ قائد اعظم کے قریبی عزیزوں میں صرف محترمہ فاطمہ جناح ہی ان کے قریب تھیں۔ وہی ان کے علاج معالجے کی نگرانی کر رہی تھیں۔ انہی سے ڈاکٹر کرنل الہی بخش کو ان کی صحت کے بارے میں مشورہ کرنا تھا۔ انہوں نے انہیں ان کے خون اور تھوک کے نتائج سے آگاہ کیا۔ یہ بڑا ہی مشکل مرحلہ تھا۔

نتیجہ سُن کر ان کے صبر و سکون میں کوئی فرق نہ آیا۔ ان کے بشرے سے استقلال کی وہی کیفیت نکلتی تھی۔ جو ان کے شہرہ آفاق بھائی کا طرہ امتیاز تھی۔ 14 وہ بہت سی تفصیل جاننے کی خواہش مند تھیں لیکن انہوں نے ان کو بتایا کہ ایکس ریز سے سینے کا معائنہ کئے بغیر کوئی رائے ظاہر کرنا مشکل ہے اور نہ سردست یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان پر علاج کا کیا اثر ہوگا؟ انہوں نے انہیں یقین دلاتے ہوئے کہا کہ اس وقت پاکستان میں جو بہتر سے بہتر طبی امداد میسر آ سکتی ہے وہ ان کی خدمت کیلئے حاضر ہوگی اور وہ خود جو طبی یا ذاتی خدمت بجالا سکیں گے اس میں ہرگز کوتاہی نہ ہوگی۔ 15

ان کی ہمت اور حوصلہ قابل تعریف تھا۔ وہ ڈاکٹر کرنل الہی بخش کی بات سُن کر بے خود ہی ہو گئیں اور کچھ ڈکھا اور کچھ تاسف سے کہنے لگیں۔

کاش وہ کچھ عرصہ پہلے میرے مشورے پر دھیان دیتے۔ پچھلے دو ماہ سے میں گھبرا کر بار بار کہتی رہی کہ کسی ماہر کو بلا کر دکھانا چاہیے۔ لیکن انہوں نے میرا کہا نہ مانا اور بدستور کام میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ ان کے کام کرنے کی قوت سلب ہو گئی اور وہ آرام کرنے پر مجبور ہو گئے۔ کونینہ اور زیارت میں کچھ عرصہ قیام کر کے ان کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی کہ سٹیٹ بینک کی رسم افتتاح ادا کرنے انہیں کراچی جانا پڑا۔ کونینہ اور زیارت میں آرام کے بعد جو صحت حاصل ہوئی وہ اس سفر کی نذر ہو گئی۔ کراچی سے واپس آئے تو بہت زیادہ نحیف و علیل تھے۔ آتے ہی کھانسی اور بخار کی وجہ سے صاحب فراش ہو گئے۔ وہ ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ میں خوا خواہ پریشان ہوتی ہوں۔ بخار اور کھانسی تو محض کام کی زیادتی اور ہوا لگنے کی وجہ سے ہو جاتے ہیں۔ دو اؤں سے وہ بیزار تھے اور ڈاکٹر جو پروگرام ان کیلئے تجویز کرتے اُس پر بھی پوری طرح عمل نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ چند ہی دن آرام کرنے سے ان پر کافی اچھا

اثر پڑتا تھا۔ 16

وہ حد درجہ آرزو مند تھیں کہ کاش یہ تشخیص کچھ عرصہ پہلے ہو چکی ہوتی اور ان کے مرض پر

بردقت قابو پایا جاتا۔

ڈاکٹر کرنل الہی بخش نہیں چاہتے تھے کہ قائد اعظم کو ان کی بیماری کی صحیح نوعیت کے بارے میں پتہ چلے۔ انہیں خدشہ تھا کہ وہ اپنی بیماری کا سن کر شکستہ دل ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ سوچ کر محترمہ فاطمہ جناح کو منع کیا کہ انہیں کسی قسم کی خبر نہ دی جائے۔ لیکن وہ اپنے بھائی کے حوصلے اور ہمت دونوں سے بخوبی واقف تھیں۔ انہوں نے انہیں یقین دلاتے ہوئے کہا کہ

"ایسا ہرگز نہ ہوگا۔۔۔ انہیں کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ وہ تبھی

علاج میں تعاون کریں گے اگر انہیں تمام حقیقت کا پتہ ہوگا۔"

چنانچہ محترمہ فاطمہ جناح کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے قائد اعظم کو انتہائی محتاط انداز۔۔۔ اور۔۔۔ منتخب الفاظ میں تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ ساتھ ساتھ ان کے چہرے کو بھی بڑے غور سے دیکھتے گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کہیں وہ انہیں مطلع کر کے کوئی غلطی تو نہیں کر رہے تھے۔۔۔ انہوں نے یہ خبر نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ سنی اور آخر میں صرف اتنا پوچھا کہ کیا فاطمہ جناح بھی یہ سب کچھ جانتی ہیں؟ ڈاکٹر کرنل الہی بخش کا جواب ہاں میں تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان کو ایسا نہیں کرتا چاہیے تھا آخر۔۔۔ وہ ایک عورت ہیں۔

انہیں یہ جان کر انتہائی دکھ ہوا تھا کہ ان کی بہن ان کی بیماری کے بارے میں جان گئیں ہیں۔ ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے اپنے دفاع میں کہا کہ

"مجھے افسوس ہے کہ میں مس جناح کو رنج پہنچانے کا موجب ہوا۔

لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ طبی اختلاقیات کی رو سے اگر

ڈاکٹر مریض کو اصل مرض سے آگاہ کرنا مناسب نہ سمجھے تو اُس کا

فرض ہے کہ خاندان کے کسی ذمہ دار فرد سے اُس کا ذکر ضرور

کر دے۔ یہاں گھر کا کوئی اور فرد نہیں تھا اس لئے مجھے ان سے ہی

ذکر کرنا پڑا اور وہ مضر بھی تھیں کہ آپ سے مرض پوشیدہ نہ رکھا جائے

تاکہ پورا پورا علاج ہو سکے۔ میرے لئے بڑی دشواری کا سامنا تھا

کہ کیا کروں، کیا نہ کروں؟" 17

وہ اپنی بیماری سے ہرگز تشویش مند نہ تھے۔ ممکن ہے انہیں اس وقت ڈاکٹر جے۔

اے۔ ایل۔ ٹیل کے خدشات اور تنبیہ یاد آئی ہو۔ وہ اب بھی بیماری سے زیادہ یہ جاننے کے

خواہش مند تھے کہ مرض پر قابو پانے کے امکانات کیا تھے اور علاج کب تک جاری رہے گا۔ یہ

پہلا موقع تھا کہ اُن کا علاج باقاعدگی سے شروع ہوا تھا اور انہوں نے خود کو معالج کی مرضی پر چھوڑا تھا۔ ڈاکٹر کرٹل الہی بخش ایکسرے اور دیگر ضروری ٹیسٹوں کے بغیر اُن کے سوالوں کا مستند جواب دینے سے معذور تھے۔ تاہم انہوں نے انہیں یہ یقین ضرور دلایا کہ انہیں تمام صورت حال سے آگاہ رکھا جائے گا اور اپنے پیشہ وارانہ اخلاق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انہوں نے انہیں امید دلاتے ہوئے کہا کہ جدید ادویہ کے استعمال سے اُن کی صحت بہت جلد بہتر ہو جائے گی۔

ڈاکٹر کرٹل الہی بخش کے جانے کے بعد جب محترمہ فاطمہ جناح اُن کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ اُن سے آنکھیں ملاتے ہوئے گھبرارے تھے۔ وہ ایک عرصہ سے انہیں آرام کا مشورہ دے رہیں تھیں۔ مگر انہوں نے اُن کی ایک نہ سنی تھی۔ اگر وہ بروقت اپنا طبی معائنہ کرواتے رہتے اور کچھ کام کچھ آرام کے اصول کو اپناتے تو شاید آج یہ صورت حال نہ ہوتی۔ انہوں نے انہیں اپنے قریب بلایا اور اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

فاطمہ! تم نے دیکھا، تم درست ہی کہا کرتی تھیں۔۔۔ مجھے سپیشلسٹ سے بہت پہلے مشورہ کرنا چاہیے تھا۔۔۔ مگر مجھے کوئی افسوس نہیں ہے آدی صرف جدوجہد کر سکتا ہے۔۔۔ تقدیر کی زبان گوگئی ہوا کرتی ہے۔۔۔ میں اپنے فرائض اُس وقت تک انجام دیتا رہوں گا جب تک میں انہیں ادا کرنے کے قابل ہوں۔۔۔ تم جانتی ہو میرا ہمیشہ اصول رہا ہے۔۔۔ کہ میں کبھی آنکھیں بند کر کے۔۔۔ دوسروں کے مشورے قبول نہیں کیا کرتا۔۔۔ میں نے ہمیشہ اپنی سوچ اور مرضی کے مطابق عمل کیا ہے۔ میں نے زندگی کو

شدید مشکلات سے یکساں ہے۔ 18

قائد اعظمؒ کی دیکھ بھال کیلئے کسی تجربہ کار نرس کی بہت ضرورت تھی۔ اب تک محترمہ فاطمہ جناح اُن کی دیکھ بھال کر رہیں تھیں۔ وہ بہت نحیف اور کمزور تھیں۔ ڈر تھا کہ اُن کی دیکھ

بھال کرتے ہوئے اگر اُن کی صحت خراب ہوگئی تو اُن کی پریشانیوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ ڈاکٹر کرٹل الہی بخش کا مشورہ تھا کہ نرس کا ہونا ضروری ہے۔ نرس کے سلسلے میں محترمہ فاطمہ جناح ڈاکٹر کرٹل الہی بخش سے متفق تھیں۔ لیکن وہ جانتیں تھیں کہ وہ نرس رکھنے کیلئے بالکل تیار نہ ہوں گے۔ جب اُن سے بات کی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ ڈاکٹر کرٹل الہی بخش کی دلیل تھی کہ نرس نمبر پچر اور نبض کی رفتار کا حساب رکھنے کیلئے ضرور ہی تھی۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہ کام مقامی ڈاکٹر یا اُس کا نائب بھی سرانجام دے سکتا تھا۔ تاہم اُن کی رائے کے برخلاف ایک تجربہ کار نرس کا بندوبست کر لیا گیا اور انہوں نے ڈاکٹر کے تقاضے کو بہتر سمجھتے ہوئے مزید اعتراض نہ کیا۔ اُن کی رضامندی اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ اپنے معالج سے تعاون کر رہے تھے۔

رات نرس نے بابائے قوم کا درجہ حرارت لیا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ "کتنی حرارت ہے۔"

نرس پیشہ ور اصولوں کی پابند خاتون تھی۔ اُس نے اب سے کہا۔

جناب! مجھے افسوس ہے، میں ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر آپ کو نہیں بتا سکتی۔ 19

اُس کے انکار سے عیاں تھا کہ وہ جرات اور اعتماد کی مالک تھی۔ وہ اس کے جواب پر ناراض نہ ہوئے اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح سے کہا۔ "میں اس قسم کے لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔۔۔ لوگ جو مصمم ارادہ کے مالک ہوں۔۔۔ اور جو خوف زدہ ہونے سے صاف انکار کر دیں۔" 20

کسی کے اصولوں کی تعریف و توصیف وہی شخص کر سکتا تھا جس نے خود ساری زندگی اصولوں پر گزاری ہو۔ قائد اعظمؒ خود اصولوں کے پیکر تھے۔ دوسروں کو اصولوں کا پابند دیکھ کر انہیں بہت خوشی ہوتی تھی۔

آیا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ ایک شاعر یا فلسفی کی طرح چہرے کی جھریاں اُن کے گہرے مطالعے اور تدبر کی باریکیوں کو نمایاں کر رہی تھیں۔ 24

ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے اُن کا تفصیلی طبی معائنہ کیا اور کمرے سے باہر منتظر بیٹھے ہوئے ڈاکٹر کرنل الہی بخش اور محترمہ فاطمہ جناح کو اپنے نتائج سے آگاہ کیا۔ اسی اثناء میں نرس اُن کیلئے قائد اعظم کے بلاوے کا پیغام لے آئی۔ اُنہوں نے اُنہیں اپنے قریب بٹھایا اور کہا۔ "میں نے آج تک کبھی اپنی جان اور صحت کی پرواہ نہیں کی اور نہ آئندہ اس فائدہ پر چیز کا خیال رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ موت اور زندگی سب خدا کی طرف سے ہے۔ موت وقتِ معین سے پہلے نہیں آسکتی، یہ میرا ایمان ہے۔ میں خداوند قدوس کی ذات کے سوا اس دنیا میں کسی طاقت اور موت سے نہیں ڈرتا۔ جب موت کو آنا ضرور ہے، اور زندگی فانی ہے تو پھر موت سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ آپ میری بیماری کے متعلق تمام کوائف و حالات سے آگاہ کر دیں۔ یہ میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ ہر مریض کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے معالج سے دریافت کرے کہ اُسے کیا بیماری ہے؟ میں اس لئے اپنا صحیح حال معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بیماری کی نوعیت سے آگاہ ہونے کے بعد میں آپ دونوں ڈاکٹروں سے زیادہ تعاون کر سکوں گا اور آپ کو علاج کرنے میں آسانی ہوگی۔ لیکن اگر طبی اصول و امور یہ بتانے کے راستے میں حائل ہوں، تو پھر میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا۔" 25

قائد اعظم نہ صرف اپنے اصولوں کو مد نظر رکھتے تھے بلکہ دوسروں کے اصولوں کا بھی

ڈاکٹر کرنل الہی بخش قائد اعظم کے باقاعدہ علاج سے قبل اُن کے ایکسرے اور کسی ماہر فیزیشن کی رائے کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے میو ہسپتال لاہور کے ماہر فیزیشن ڈاکٹر ریاض علی شاہ، ماہر ایکسرے ڈاکٹر عالم 21 اور ڈاکٹر غلام محمد ماہر تشخیص امراض کو زیارت پہنچنے کی درخواست کی۔ یہ احباب 27 جولائی کی شام کو ضروری ساز و سامان اور سفری ایکسرے کے آلات سمیت پہنچ گئے۔ 22 محترمہ فاطمہ جناح ڈاکٹر ریاض علی شاہ سے پہلے بھی مل چکی تھیں۔ وہ کچھ عرصہ قبل ایک مریض کو دیکھنے زیارت آئے تھے۔ کیشنر کوئٹہ ڈویژن کی بیگم اے آر خان نے اُن کا ذکر محترمہ فاطمہ جناح سے کیا تھا اور مشورہ دیا تھا کہ قائد اعظم کا اُن سے معائنہ کرانا مفید رہے گا۔ لیکن جب اُنہوں نے یہ تجویز اپنے بھائی کے سامنے رکھی تھی تو اُنہوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دی تھی کہ "اُنہیں کوئی زیادہ سنگین مرض لاحق نہیں۔" 23 اُنہیں بہت خوشی اور اطمینان ہوا تھا کہ ڈاکٹر ریاض علی شاہ قائد اعظم کے علاج و معالجے کے سلسلے میں خصوصی طور پر زیارت آئے تھے۔

ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے 28 جولائی کو قائد اعظم کا تفصیلی معائنہ کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ "وہ ایک مسہری پر دراز تھے۔ جسم نحیف و کمزور لیکن چہرہ باوقار اور بڑے جلال آنکھوں میں بلا کی چمک اور ہونٹوں پر ہلکی سے مسکراہٹ۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو اُنہوں نے کبل سے اپنا ہاتھ نکال کر مجھے سے مصافحہ کیا۔ کمزوری کے باوجود میں نے محسوس کیا کہ اُن میں اتنی طاقت ہے جتنی اُس دور کے کسی عام نوجوان میں ہوتی ہے۔"

اُن کی صحت کے بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں۔

وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ زخار کی ہڈیاں ابھرا آئیں تھیں اور گال اندر کی طرف دھنس گئے تھے۔ بیماری کی وجہ سے رنگ اور زیادہ نکھر

لحاظ رکھتے تھے۔ انہوں نے تمام اخلاقی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر ریاض علی شاہ سے اپنی بیماری کا احوال پوچھا تھا۔

ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے جواب میں کہا کہ اُن کے مزید ٹیسٹ ہونے ہیں۔ وہ ان ٹیسٹوں کی روشنی میں اور ڈاکٹر کرل الہی بخش کے مشورے ہی سے اُن کی صحیح بیماری کا تعین کر کے اُن کو آگاہ کر سکیں گے۔

اُن کا تسلی بخش جواب سُن کر انہوں نے مزید اصرار کرنا پسند نہ کیا۔

ڈاکٹر غلام محمد نے قائد اعظمؒ کے تھوک اور خون کے نمونے لئے۔ ڈاکٹر عالم نے ڈاکٹر ریاض علی شاہ کی مدد سے اُن کے پیچھے پھروں کے ایکسرے لیا۔ اُن کی صحت کا عالم یہ تھا کہ وہ کمزوری کی وجہ سے نہ تو کچھ دیر کے لئے سانس روک سکتے تھے اور نہ بستر پر بیٹھ سکتے تھے۔ یہ دونوں چیزیں ایک اچھے ایکسرے کیلئے ضروری تھیں۔ ریڈیٹنی کے ایک غسل خانے کو لیبارٹری بنایا گیا۔ ایکسرے دھوئے نچے۔ ایکسرے اُن کے پیچھے پھروں کی بہت بھیا تک تصویر پیش کر رہے تھے۔ کرل ڈاکٹر الہی بخش کو یقین تھا کہ کراچی سے جوئی ادویات آئیں تھیں، بہت مفید ثابت ہوں گی لیکن ایکسرے دیکھ کر اُن کا یقین کمزور پڑ گیا۔ کیونکہ حالات زیادہ حوصلہ افزاء نہ تھے، بہت تاخیر ہو چکی تھی۔ مرض انہیں اندر ہی اندر سے چاٹ چکا تھا۔ 26

27 جولائی کو واشنگٹن (امریکہ) میں متعین پاکستان کے سفیر اور قائد اعظمؒ کے دیرینہ دوست مرزا ابوالحسن اصفہانی (1902ء-1981ء) اُن سے ملنے کیلئے زیارت آئے۔ وہ اُن سے مل کر بہت خوش ہوئے اُن کے کمرے میں متعدد فائلیں موجود تھیں۔ اُن کی طبیعت جب سنبھلتی تھی وہ ان فائلوں کو پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔ ان فائلوں کے انبار پر اعتراض کرتے ہوئے انہوں نے ڈاکٹر الہی بخش کو ہدایت کی کہ علاج کے دوران انہیں کام سے منع کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اُن کی بڑی کوشش ہوتی ہے کہ فائلیں اور سیکرٹری صاحب دونوں اُن کے کمرے سے دور رہیں۔ لیکن اُن کی ایک نہیں چلتی۔ ڈاکٹر کرل الہی بخش کی شکایت پر مرزا ابوالحسن اصفہانی نے

قائد اعظمؒ سے درخواست کے لہجے میں انہیں کام نہ کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا۔ "ہماری نوزائیدہ خود مختار ریاست کیلئے آپ کی جان ہر چیز سے زیادہ اہم ہے اور یہ کہ ہماری زندگی کے اس نازک مرحلے پر آپ کی جدائی ہمارے لئے ایک بہت بڑا اور خوفناک المیہ ہوگا۔" اس پر وہ مسکرائے اور کہنے لگے۔

تقسیم کے بعد اور 1948ء کے شروع تک ایک ایسا وقت ضرور آیا تھا کہ جب مجھے یہ فکر لاحق تھی کہ آیا پاکستان اُن بہت سے غیر متوقع صدمات سے جانبر ہو سکے گا جو ہندوستان سے ہماری جدائی کے ذرا سی دیر بعد اُس کے ہاتھوں سے پہنچے تھے۔ لیکن ہم نے انہیں برداشت کر لیا اور آئندہ بھی کوئی چیز ہمیں پریشان نہ کرے گی۔ مجھے اب کوئی خوف نہیں رہا۔ آدمی آتے رہیں گے اور جاتے رہیں گے۔ لیکن پاکستان مضبوطی سے قائم ہو چکا ہے اور اللہ کے فضل سے ہمیشہ قائم رہے گا۔ 27

قائد اعظمؒ کے یقین کا اُن کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اپنے قائد کو دیکھ کر اصفہانی جب نیچے پہنچے تو اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ اس ماہر سیاستدان کو جس نے بہت سی سیاسی لڑائیاں لڑی تھیں، اُسے بے بسی سے بستر پر پڑے۔۔۔ تا تو اُن کے ساتھ، اپنی زندگی کی جنگ لڑتے دیکھ کر وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکے تھے۔۔۔ 28 انہوں نے ڈاکٹر کرل الہی بخش سے کہا کہ اگر امریکہ سے کسی سپیشلسٹ یا ادویہ کی ضرورت ہو تو بتایا جائے۔۔۔ انہیں ان کیلئے امریکہ سے ضروری سپیشلسٹ اور مطلوبہ ادویہ بھجوا کر بہت خوشی ہوگی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ اُن کو ایسا کرنے کو کہیں گے۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی نے پھر مزید کہا۔ کہ اُس کی ضرورت نہیں پڑے گی کیونکہ وہ اپنے موجودہ علاج پر پورا اعتماد رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ خاطر خواہ

ڈاکٹروں کے زیر علاج ہیں۔ قائد اعظمؒ کا اپنے معالج اور علاج پر جو اطمینان اور اعتماد تھا۔ اُس کے بارے میں جان کر ڈاکٹر کرل الپی بخش نے بہت تقویت محسوس کی۔ 29

اپنی زیارت سے واپسی کے حوالے سے محترم اصفہانی لکھتے ہیں۔

"جب میں اُن سے مل کر زیارت سے رخصت ہوا تو قائد اعظمؒ کو ایسی جذباتی کیفیت میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جو بہت شاذ و نادر ہی نظر آتی تھی۔ حالانکہ اُنہیں ایک سخت دل اور سرد مہر آدمی سمجھا جاتا تھا۔ میں نے پہلی مرتبہ اُن کے آنسو دیکھے۔ جو اُن کے نحیف و لاغر زخموں پر بہہ کر گرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اُن کی آنکھوں کی گہرائیوں میں دیکھے جاسکتے تھے۔ مجھے کراچی واپس جانا تھا اور کراچی سے اپنی جگہ واشنگٹن ہوائی جہاز سے پہنچنا تھا۔ میں نے اُنہیں آخری بار اس حالت میں دیکھا جب میں اُن کے سونے کے کمرے سے نکل رہا تھا۔ تو وہ ہاتھ ہلا کر مجھے خدا حافظ کہہ رہے تھے۔ زینے کے اوپر برآمدے میں مجھے مس جناح ملیں۔ وہ خاموشی سے رو رہیں تھیں اور فرط جذبات سے میں بھی بُرے سکون و خاموش نہ رہ سکا۔ میں زینے سے نیچے اُترا، اپنا سوٹ کیس اُٹھایا۔ کیونکہ میں قائد اعظمؒ کے مکان پر ہی پڑا ہوا تھا۔ مس جناح کو خدا حافظ کہا اور بار خاطر کو بندہ روانہ ہو گیا۔" 30

وہ اگرچہ جو بھل دل اور انجانے خدشات کے ساتھ زیارت سے واشنگٹن آ گئے تھے لیکن اُن کا دھیان قائد اعظمؒ محمد علی جناح کی طرف اُنکا ہوا تھا۔ وہ خطوط کے ذریعے مسلسل رابطہ میں تھے۔ وہ اُنہیں اپنے خطوں میں ڈاکٹروں سے تعاون اور مکمل آرام کی درخواست کرتے رہتے تھے۔

رابعہ غضنفر علی خان بھی قائد اعظمؒ محمد علی جناح کے دیرینہ ساتھیوں میں سے تھے۔ اُن کی تعیناتی بطور سفیر ایران ہوئی تھی۔ ایران میں اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے سے قبل وہ 28 جولائی کو زیارت اپنے قائد سے ملاقات کیلئے آئے۔ اُن کا مقصد اُن کی تیمارداری اور اُن سے خصوصی ہدایات لینا تھا۔ اُن کی ملاقات ڈیڑھ گھنٹہ رہی۔ اس موقع پر اُنہوں نے ایران کی سفارت کیلئے دو نکات پر زور دیا۔

(i) پاکستان ایک نیا ملک ہے لیکن ایک وقت آئے گا کہ پاکستان تمام دُنیا کے مسلمانوں کی پشت پناہی کرنے کے قابل ہوگا۔ حکومت ایران نے دُنیا کے اسلام کے نقطہ نگاہ سے پاکستان کی اہمیت کو سمجھنے کی پہل کی ہے، ہمیں بھی ایران کے اس حقیقی جذبے کی اہمیت کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایران اور پاکستان کے درمیان برادرانہ تعلقات قائم اور مضبوط کرنے کی ہر تدبیر سوچی جائے۔

(ii) اس عام اصول کے علاوہ آپ نے فرمایا کہ ایک خاص مسئلہ ایسا ہے جس کی وقتی اہمیت ہمارے لئے بہت زیادہ ہے میں چاہتا ہوں کہ مناسب طریقے سے اس مسئلہ کو حکومت ایران کے ساتھ چھیڑا جائے۔ ہم اپنی فوج کو منظم اور مسلح کرنے اور ملک کے دفاع کے قابل بنانے کیلئے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ہم نے برطانیہ کے ایک کارخانے کو فیوری (Fury) لڑاکا ہوائی جہازوں کیلئے آرڈر دیا ہے۔ لیکن وہ ہر ملک کے آرڈر کی باری باری تعمیل کرتے ہیں۔ اُن کا مال غنقریب اُنہیں ملنے والا ہے۔ اگر وہ ہمیں یہ سہولت دے سکیں کہ جو جہاز اُن کیلئے تیار ہوئے ہیں وہ ہمیں مل جائیں اور

ہمارے آرڈر کے جہاز وہ لے لیں تو ہماری اشد ضرورت پوری ہو جائے گی۔ یہ معلوم کرنا چاہیے کہ کیا کسی رعایت کے عوض اُن سے یہ رعایت حاصل کرنے کیلئے کوئی سمجھوتہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔³¹

زیارت جیسے دور افتادہ مقام پر بیمار قائد کتنا باخبر تھا؟ وہ اپنی صحت سے زیادہ نوزائیدہ ملک کی خارجہ پالیسی کیلئے فکر مند دکھائی دیتا تھا۔ قائد اعظمؒ کے خطوط پر روبرو غنفر علی خان نے حکومت ایران سے بات چیت کی اور وہ بغیر کسی جوابی رعایت کے اپنے آرڈر کے جہاز پاکستان کو منتقل کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ اور آغاز ہی سے ایران سے ایسے تعلقات قائم ہو گئے کہ بیرونی دنیا کے جس سربراہ مملکت نے سب سے پہلے خیرگالی دورے پر پاکستان آنا منظور کیا وہ شہنشاہ ایران ہی تھے۔³²

28 جولائی کو قائد اعظمؒ کے خدمت گزاروں میں ایک اور کردار کا اضافہ ہوا یہ سسٹمز فلز ڈنہم تھیں۔ جو اُس وقت کوئٹہ کے سول ہسپتال میں نرسنگ سپرنٹنڈنٹ تھیں۔ سسٹمز فلز ڈنہم کے بارے میں محترمہ فاطمہ جناح کہتی ہیں کہ وہ انتہائی مستعد نرس ثابت ہوئیں، اس خوبی کی بناء پر قائد اعظمؒ انہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔³³ اُن کی پہلی ہی دن اُن سے تکرار کا بڑا دلچسپ واقعہ ہے۔

سسٹمز ڈنہم نے اُن کے بستر کے نیچے برابر کرنے چاہے تو انہوں نے منع کر دیا اور کہا۔
"مجھے اسی طرح رہنے دو، مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔"

لہجہ خاصا سخت اور درشت تھا۔ جو یقیناً سسٹمز ڈنہم کو پسند نہ آیا تھا۔ انہوں نے جواباً کہا۔
"اگر آپ کو میری خدمت کی ضرورت نہیں تو مجھے بھی اس راسخار نہیں ہے۔ لیکن ڈاکٹر کا حکم ہے کہ۔۔۔"

انہوں نے فوراً ہی جملہ کاٹ کر کہا۔

"میں دوسروں کو تسلیم دیتا ہوں مجھے کوئی حکم نہیں دے سکتا۔"

سسٹمز ڈنہم نے "حکم" کا لفظ واپس لے لیا اور کہا۔
ڈاکٹر صاحب نے درخواست کی ہے کہ۔۔۔

اُس کے بعد انہوں نے دوائی پینے سے انکار کر دیا۔ سسٹمز ڈنہم نے انہیں خوش کرنے اور دوائی پینے کیلئے آمادہ کرتے ہوئے کہا۔

"جناب آپ مان جائیے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ تھوڑے ہی دنوں میں میرے طور طریقے قبول کر لیں گے اور میں آپ کے۔"

انہوں نے جواب دیا۔

"میرے طور طریقے انوکھے تو نہیں، اُن کو سمجھنے کیلئے صرف عقل سلیم کی ضرورت ہے۔"

چار دنوں کے بعد سسٹمز ڈنہم اس نتیجے پر پہنچیں کہ قائد اعظمؒ کی تیمارداری اُن کے بس کی بات نہیں انہوں نے ڈاکٹر کرنل الہی بخش سے کہا کہ انہیں فارغ کر دیا جائے اور اُن کی جگہ کسی مرد نرس کو اُن کی تیمارداری کیلئے رکھ دیا جائے، تو مناسب ہوگا۔ اُن کے سامنے جب یہ تجویز پیش ہوئی تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا۔

"میں مرد نرس کو رکھنا نہیں چاہتا۔ سسٹمز ڈنہم کو ٹھہرنا ہوگا وہ مجھے پسند ہیں۔"

سسٹمز ڈنہم کی فرض شناسی اور تیمارداری سے وہ بہت مطمئن تھے اب وہ اُن کی ہر بات مان لیتے تھے۔ ایک دن جب سسٹمز ڈنہم اپنے مریض کے کمرے میں آئیں تو اُن کے ہاتھ میں زل اور کنگھا تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر مسکرائے اور اپنا سر تکیہ پر ڈال دیا۔ نرس نے بالوں میں بُرش بھرنا شروع کر دیا تو مزاحاً کہنے لگے۔ "کیا تم میرے سر کا منجھا حصہ چھپانے کی کوشش کر رہی

جوائی کے آخر میں وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی بک ریزی جزل

حکومت پاکستان قائد اعظم کی مزاج پرستی کو زیارت آئے۔ یہ ان کی عیادت کا پہلا اور آخری موقع ثابت ہوا۔ انہوں نے بڑی بے تابی سے ڈاکٹر کرنل الہی بخش سے قائد اعظم کی کیفیت دریافت کی۔ ان کے لہجے میں بڑا اضطراب اور بے چینی تھی۔ وہ کرید کرید کر ان کی صحت کے حوالے۔۔۔ بات کر رہے تھے۔ وہ ان کی جلد صحت یابی کیلئے دعا گو تھے۔ انہوں نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ قائد اعظم کو اپنے معالج پر اعتبار ہے، اور اس وجہ سے ان کی صحت پر اچھے اثرات پڑنے کے امکانات تھے۔ وزیر اعظم پاکستان اپنے راہنما اور پُرانے رفیق کی علالت اور صحت سے بہت افسردہ تھے۔ ان کی دسویں سے ڈاکٹر کرنل الہی بخش بہت متاثر ہوئے۔³⁶

محترمہ فاطمہ جناح وزیر پاکستان لیاقت علی خان کی زیارت آمد کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ

جولائی کے آخر میں ایک روز وزیر اعظم لیاقت علی خان اور سیکرٹری جنرل مسٹر محمد علی اچانک زیارت پہنچ گئے۔ ان کے آنے کی پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی۔ وزیر اعظم نے ڈاکٹر الہی بخش سے پوچھا کہ قائد اعظم کی صحت کے متعلق ان کی تشخیص کیا ہے؟ ڈاکٹر نے کہا کہ اُسے محترمہ فاطمہ جناح نے یہاں بلایا ہے، اس لئے وہ اپنے مریض کے متعلق کوئی بات صرف انہی کو بتا سکتے ہیں۔ "لیکن وزیر اعظم کی حیثیت سے میں قائد اعظم کی صحت کے متعلق متفکر ہوں۔" ڈاکٹر نے ادب سے جواب دیا۔ "جی ہاں بے شک۔" لیکن میں اپنے مریض کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں بتا سکتا۔

جب محترمہ فاطمہ جناح نے قائد اعظم کو وزیر اعظم کی آمد کی اطلاع دی، تو وہ مسکرائے اور فرمایا۔ تم جانتی ہو وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میری علالت کتنی شدید ہے، میں کتنا عرصہ

زندہ رہ سکتا ہوں، تم نیچے جاؤ اور پرائم فئیر سے کہہ دو کہ میں انہیں ابھی ملوں گا۔

محترمہ فاطمہ جناح نے کہا اب کافی دیر ہو گئی ہے کل صبح ان سے مل لیں۔

نہیں! قائد اعظم نے فرمایا ابھی آنے دو۔

وزیر اعظم نصف گھنٹے کے قریب قائد اعظم کے پاس رہے، اُس کے بعد جب وہ اندر گئیں تو قائد اعظم بے حد تھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے کچھ جوس مانگا اور پھر چوہدری محمد علی کو اپنے پاس بلایا۔ سیکرٹری جنرل پندرہ منٹ تک قائد اعظم کے ساتھ رہے۔ اُس کے بعد وہ دوبارہ قائد اعظم کے کمرے میں گئیں اور پوچھا کہ کیا وہ جوس یا کافی پینا پسند فرمائیں گے۔ قائد اعظم نے کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ وہ کسی سوچ میں محو تھے۔ اب ڈنر کا وقت آ گیا تھا۔ قائد اعظم نے ان سے کہا "بہتر ہے تم نیچے چلی جاؤ اور ان کے ساتھ کھانا کھاؤ۔"

"نہیں"، انہوں نے اصرار کیا، "میں آپ کے پاس ہی بیٹھوں گی اور یہیں پر کھانا کھالوں گی۔"

"نہیں"، قائد اعظم نے فرمایا، "یہ مناسب نہیں وہ یہاں پر ہمارے مہمان ہیں۔ جاؤ اور ان کے ساتھ کھانا کھاؤ۔"

محترمہ فاطمہ جناح لکھتی ہیں کہ کھانے کی میز پر انہوں نے وزیر اعظم کو بڑے خوشگوار موڈ میں پایا۔ وہ ہنسی خوشی پُر مذاق باتیں کرتے رہے۔ جبکہ ان کا اپنا دل اپنے بھائی کیلئے خوف سے کانپ رہا تھا۔ جواد پر کی منزل میں بستر علالت پر اکیلے پڑے تھے۔ کھانے کے

دوران چوہدری محمد علی چپ چاپ کسی سوچ میں غم رہے۔
کھانا ختم ہونے سے پہلے وہ اوپر چلی گئیں۔ انہوں نے بڑی ضبط
سے اپنے آنسوؤں کو روک رکھا تھا۔ قائد اعظم انہیں دیکھ کر
منسکرائے اور فرمایا۔ "فطی" تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیے۔ 37

محترمہ فاطمہ جناح کی یہ تحریر کئی قصوں اور افسانوں کا سبب بنی۔ درحقیقت قائد اعظم
ان دنوں اپنی بیماری کی وجہ سے انتہائی زور و زنجی کا شکار تھے۔ وہ ہمیشہ خوش لباس اور خوش گفتار رہے
تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی انہیں بیماری میں بے کس و لاچار دیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ انتہائی
محدود لوگ وہ بھی ان کی رضامندی سے انہیں ملنے اور عیادت کیلئے آئے۔ بالعموم ایسے موقعوں پر
عزیز و اقارب کی ایک بڑی تعداد آیا کرتی ہے۔ لیکن وہ بھی یہاں نظر نہیں آئے۔ جس کی ایک
بڑی وجہ تو یہ تھی کہ ان کی بیماری کو پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ ان کو یہ پسند نہ تھا کہ کوئی انہیں مجبور
دیکھے۔ ان کی اس عادت کا خیال کرتے ہوئے یقیناً محترمہ فاطمہ جناح نے ان کی حوصلہ افزائی
نہیں کی ہوگی۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان کی زیارت آمد کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ قائد
اعظم کا یہ کہنا کہ "وہ یہ دیکھنے آئے ہیں کہ میری علالت کتنی شدید ہے اور میں کتنا عرصہ زندہ رہ سکتا
ہوں" اسی کیفیت کا حصہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود انہیں اپنی روایات کی پاسداری بڑی عزیز
تھی۔ مہمانوں کا نہ صرف گرم جوشی سے استقبال کیا گیا۔ ان سے مملکت کے مختلف امور پر انہوں
نے تبادلہ خیال بھی کیا۔ نیز ان کے کھانے کا خصوصی اہتمام بھی کیا گیا اور انہوں نے محترمہ فاطمہ
جناح کو خصوصی طور پر ہدایت کی کہ وہ مہمانوں کے ساتھ کھانا کھائیں۔

بیماری کی وجہ سے قائد اعظم کئی دفعہ ناوابہ طور پر ضد سے کام لینا شروع کر دیے
تھے۔ جس سے خاصی پریشانی ہو جاتی تھی۔ وہ رات کو سوتے ہوئے ریشمی پاجامہ پہنتے تھے۔ یہ ان
کی ساری زندگی کی عادت تھی۔ نرس سسر فلس ڈنہم نے محسوس کیا کہ وہ اکثر رات کو سردی سے کانپتے
رہتے ہیں۔ اس کا ذکر انہوں نے ڈاکٹر کرنل الہی بخش سے کیا۔ انہوں نے فوراً ان کے

لئے Viyella (اولی کپڑا) منگوانے کیلئے کراچی لکھ بھیجا۔ وہ اولی پاجاموں کیلئے راضی نہ
تھے۔ ان کی بجائے سوتی پاجاموں کیلئے راضی تھے۔ یہ ان کی سردی کا حل نہ تھے۔ ڈاکٹر کرنل الہی
بخش نے جب انہیں بتایا کہ انہوں نے ان کی اجازت کے بغیر میں گز وانلا (Viyella) کیلئے
کراچی پیغام بھیجا ہے۔ تو انہوں نے نصیحتا کہا۔

ڈاکٹر! سنئے میری نصیحت یہ ہے کہ جب آپ کچھ خریدنا چاہیں تو
دوبارہ غور کر لیا کریں۔ کہ کیا اس کے بغیر کام چل سکتا ہے یا واقعی
اس کی ضرورت ہے۔ 38

اس کی واقعی ضرورت تھی۔ ان پاجاموں کے استعمال سے وہ سکون سونے لگے۔ ان
کے تھوڑے سے اختلاف کے بعد راضی ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے معالجوں پر اعتبار کر رہے
تھے۔ یہ بہت اچھا شگون تھا۔ ان کے تعاون سے یہ محسوس ہونے لگا کہ صحت یاب ہونے کی
کوششوں میں وہ ان سب کے ساتھ شریک تھے۔ وہ اکثر کھانے کی بے لذتی کی شکایت کیا کرتے
تھے۔ ان کی صحت کیلئے ضروری تھا کہ وہ اچھی خوراک باقاعدگی سے لیتے رہتے۔ ان کی خوراک کو
ان کیلئے مرغوب بنانا ضروری تھا۔ اس کیلئے ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے محترمہ فاطمہ جناح کو مشورہ دیا
کہ وہ ریاست پور تھلہ کے سابق باورچی "امانت علی" کی خدمات حاصل کر لیں۔ وہ اس کے
بہتر سے واقف تھے۔ وہ کئی سال تک پیرس رہ چکا تھا۔ اس نے باورچی خانے کا کام مشہور ہوٹل
"Ritz" اور دوسرے معروف ہوٹلوں سے سیکھا تھا۔ 39 ان کے مشورے پر انہوں نے
فوری طور پر اسے بلوایا۔ وہ ہر تدبیر سے اپنے بھائی کو صحت مند دیکھنے کی خواہش مند تھیں۔

بیماری کے باوجود قائد اعظم نے اپنے روزمرہ کے معمولات کو ترک نہ کیا۔ وہ ہر صبح
حجامت بنواتے۔ ساڑھے چھ بجے چائے پیتے۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ اگر وہ سوتے ہوئے
ہوں تو بہتر ہے کہ چائے کیلئے ان کو نہ جگایا جائے کیونکہ آرام اور نیند ان کے لئے اشد ضروری تھا۔
اس پر انہوں نے منسکراتے ہوئے کہا۔ "صحت کیلئے زندگی بھر کے اصول ترک نہیں کئے

جاسکتے۔" کئی دن کی بحث و تمحیص کے بعد ڈاکٹروں نے انہیں راضی کر لیا کہ اگر وہ سوئے ہوئے ہوں تو ان کو چائے کیلئے نہ اٹھایا جائے۔⁴⁰ ان کی صحت کو بہتری کی طرف مائل دیکھ کر ڈاکٹروں نے انہیں اخبارات پڑھنے کی اجازت دے دی تھی کیوں کہ ڈاکٹر محسوس کرتے تھے کہ ایسا شخص جس کا دماغ تیزی سے چلتا ہو، اس کا مصروف رہنا بے حد ضروری ہے۔ تاکہ وہ اپنی بیماری کے بارے میں نہ سوچے۔ انہیں تھوڑی دیر کیلئے سرکاری امور دیکھنے کی بھی اجازت مل گئی۔ لیکن اس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا کہ وہی معاملات بھیجے جائیں جن کا ان تک پہنچنا ناگزیر ہو۔ وہ معاملات ہرگز نہ بھیجیں جائیں جو ان کی پریشانی کا موجب بنیں۔⁴¹

مسلل علاج اور تیمار داری سے قائد اعظم کی صحت اچھی ہو گئی تھی۔ بھوک بھی زیادہ لگنے لگی تھی اور چہرے پر خون بھی دوڑنے لگا تھا۔ اب وہ اکثر مختلف موضوعات پر بحث کرتے تھے اور مختلف مسائل پر روشنی ڈالتے۔ گفتگو میں ان کا پسندیدہ موضوع پاکستان ہوتا تھا۔ ایک روز جب ڈاکٹر ریاض علی شاہ انہیں ٹیکہ لگانے کیلئے گئے تو باتوں باتوں میں وہ فرمانے لگے۔

"پاکستان ایک زندہ حقیقت ہے۔ ایک ایسی حقیقت جس کا دوست اور دشمن سب ہی اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ پاکستان بن چکا ہے۔ پاکستان کا مستقبل درخشندہ ہے۔ میرے دل کو اطمینان ہے کہ براعظم ہند میں مسلمان غلام نہیں۔ بلکہ ایک آزاد قوم کی حیثیت سے آزاد مملکت کے مالک ہیں۔ جن کے وسائل و ذرائع لامحدود ہیں۔ جس کی ترقی کی شاہراہیں نمایاں ہیں اور انشاء اللہ مستقبل قریب میں پاکستان دنیا کا عظیم ترین ملک بن جائے گا۔ جب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میری قوم آج آزاد ہے تو میرا سر معز و نیاز کے جذبات کی فراوانی سے بارگاہ رب العزت میں سجدہ شکر بجالانے کیلئے جھک جاتا ہے۔" ⁴²

انہوں نے گفتگو کے سلسلے کو مزید جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ مشیت ایزدی ہے کہ وہ قوم جس کو برطانوی سامراج اور ہندو بنیا ازم نے قرطاس ہند سے حرف غلط کی طرح مٹانے کی سازش کر رکھی تھی، آج وہ قوم آزاد ہے۔ اس کا اپنا ملک ہے اور اپنا جھنڈا ہے۔ اپنی حکومت ہے۔ اپنا مسکہ ہے اور اپنا آئین و دستور ہے۔ کیا کسی قوم پر اس سے بڑھ کر خدا کا اور انعام ہو سکتا ہے؟ خدا کے انعام عظیم کی حفاظت اب مسلمانوں کا فرض ہے۔ پاکستان ایک تحفہ ہے اور خداوندی تحفے کا تحفظ ہر مسلمان کا ایمان ہونا چاہیے۔ اگر پاکستانی نیک نیتی، دیانت داری، خلوص، نظم و ضبط اور اعمال و افعال صالح سے دن رات کام کرتے رہے، ان میں بدی اور نفاق، جاہ طلبی اور ذاتی مفاد کا جذبہ نفیریں پیدا نہ ہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ چند سالوں ہی میں دنیا کی بڑی قوموں میں شمار ہونے لگیں گے۔ ان کا ملک امن و آشتی، تہذیب و تمدن، ثقافت و شرافت کا مرکز ہوگا اور اُس کی حدود سے ترقی کی شعاعیں نکل کر ایشیائی ممالک کی راہنمائی و رہبری کریں گی۔ ان کو ترقی اور امن کا راستہ دکھائیں گی۔" ⁴³

وہ اپنی بیماری میں بھی قوم کے غم اور خوشیوں میں شریک ہونے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اور اگر کسی وجہ سے ان کی شرکت ممکن نہ ہوتی تو وہ اپنا پیغام ضرور بھجوا دیتے تھے تاکہ ان کی غوام نہیں اپنے دکھ سکھ میں شریک سمجھے۔ 7 اگست کو عید الفطر کا تہوار تھا۔ یہ عید ایسے موقع پر آئی تھی کہ جب عالم اسلام بعض اہم مسائل سے دوچار تھا۔ کشمیر کا مسئلہ نازک صورت اختیار کر چکا تھا۔ دوسری طرف فلسطین اور انڈونیشیا میں مسلمان بے حد آزمائشی مراحل سے گزر رہے تھے۔ قائد اعظم نے اپنے پیغام عید میں قوم کو ان مسائل کی طرف توجہ دلائی اور پوری اسلامی

دنیا کو متحد ہو جانے کا مشورہ دیا۔ قائد اعظمؒ نے روزے کے اسلامی فلسفہ۔۔۔ ضبط نفس اور ایثار۔۔۔ پر روشنی ڈالتے ہوئے قوم سے اپیل کی کہ وہ عام زندگی میں بھی قربانی اور فرض شناسی کے اوصاف پر عمل پیرا ہوں تاکہ ترقی اور خوشحالی اُن کے قدم چومے۔ اُنہوں نے اپنے پیغام عید میں کہا۔

"میں ہر مسلمان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ پاکستان کی خدمت، دیانتداری، خلوص اور بے غرضانہ انداز میں کرے۔ فلسطین، انڈونیشیا اور کشمیر میں حصول اقتدار کیلئے جو ناک کھلا جا رہا ہے۔ اُس سے ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ اس سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ تمام مسلمانوں کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد و متفق ہو جانا چاہیے۔ تاکہ دنیا کی کونسلوں اور انجمنوں میں ہماری آواز سُنی جائے۔ اس خوشی کے موقع پر میں تمام دنیا کے مسلمانوں کو مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ خوشی خوشی اس روزِ سعید کو گزاریں۔ ہم پاکستانیوں کیلئے پچھلی عید جو قیام پاکستان کے فوراً بعد آئی تھی اُس کی تمام خوشیاں اور سرسبز اُس خونی حادثہ کی نذر ہو گئیں جو مسلمانوں پر ٹوٹا تھا اور جس کے باعث لاکھوں افراد کو ہجرت کرنا پڑی۔ اس بے پناہ اور مظلوم ہجوم کو سہارا دینے کیلئے ہم نے اپنے تمام وسائل کی بازی لگادی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ ڈرتھا وہ بھی ہمارا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ اُس طوفان نے تو ہمارے بچکے چھڑا دیئے تھے۔ لیکن پھر بھی ہم کسی نہ کسی طرح اپنا سراونچار کھنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔

تمام مہاجرین کو آباد بحال کرنے کیلئے بارہ ماہ کا عرصہ کچھ بھی نہیں

ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگلی عید سے پہلے پہلے یہ مسئلہ حل کر کے چھوڑا جائے گا اور تمام مہاجرین کو ہم پاکستان کے اقتصادی نظام میں سولیں گے اور وہ معاشرہ کے کارآمد ممبر بن چکے ہوں گے۔ پچھلے بارہ ماہ کی داستان ایک مسلسل جدوجہد کی تاریخ ہے۔ لیکن جس چیز نے ہمیں زندہ رکھا ہے وہ جذبہ اتحاد ہے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں اور ہم نے عزم کر لیا تھا کہ ہم اپنے نوزائیدہ ملک کو دشمنوں کی ضربوں سے بچا کر رہیں گے۔ ہم نے سخت سے سخت طوفان کا منہ پھیر دیا اور کنارہ اگرچہ دور ہے مگر سامنے نظر آ رہا ہے۔ اگر ہم اندرونی اختلافات میں پھنس کر اپنی توانائیوں کو ضائع نہ ہونے دیں تو ہمیں اپنے روشن مستقبل پر پورا ایمان رکھنا چاہیے۔ ہمیں اتحاد و اتفاق اور نظم و ضبط کی اس وقت سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ہم صرف یگانگت و اتحاد اور اعتقاد و اعتماد ہی کے سہارے ایسا پاکستان تعمیر کر سکیں گے جو ہمارے تصورات میں کروٹیں لیتا رہا ہے۔

آپ لوگ ماہ رمضان کے بعد عید منارہے ہیں۔ مسلمانوں پر روزہ اس لئے فرض کر دیا گیا ہے تاکہ اُن میں نظم و ضبط پیدا ہو۔ یہ ایسی صفات ہیں جنہیں ہمیں اپنے آپ میں پیدا کرنا چاہیے۔ کیونکہ اسی میں ہماری قوم کی نجات و بقا مضمر ہے۔ میں تمام اسلامی ممالک کو دوستی اور بھائی چارے کا پیغام دیتا ہوں۔ ہم اس وقت ایک خطرناک دور سے گزر رہے ہیں۔ فلسطین، انڈونیشیا اور کشمیر میں حصول اقتدار کیلئے جو جنگ و جدل برپا ہے اس سے اب ہماری

آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔۔۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ بین الاقوامی انجمنوں اور کونسلوں میں ہماری آواز گونج اُٹھے تو یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم یکجان دو قالب بن جائیں۔۔۔ اس لئے میں ہر زبان و ملک کے مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ اُن کو پاکستان کی خدمت پوری ایمانداری، خلوص اور بے غرضی سے کرنی چاہیے۔" 44

عمید کی شام کو ڈاکٹر عالم نے برقی شعاعی علاج شروع کر دیا اور سب سے پہلے ایک ٹانگ پر چند منٹ کیلئے اس ارادے سے آزمایا کہ اگر مریض برداشت کرے تو اُسے زیادہ وقفے کیلئے دونوں ٹانگوں پر جاری رکھا جائے۔ اُس کے ابتدائی نتائج بہت اچھے ثابت ہوئے۔ لیکن 19 اگست کو قائد اعظمؒ کے پاؤں پر درم آ گیا اور پیشاب کی مقدار بھی کم ہو گئی۔ یہ بات خطرے سے خالی نہ تھی۔ چنانچہ تجویز یہ ہوا کہ فی الفور انہیں کوئٹہ لے جایا جائے۔ خیال یہ تھا کہ اس کم بلند مقام پر انہیں یقیناً فائدہ ہوگا۔ چنانچہ محترمہ فاطمہ جناح سے مشورہ کر کے ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے اُن کو مطلع کیا۔ وہ 15 اگست سے قبل کوئٹہ جانے کو تیار نہ تھے۔ لیکن ڈاکٹر کرنل الہی بخش کے اصرار پر وہ 13 اگست کو کوئٹہ جانے پر رضامند ہو گئے۔ 45

زیارت سے کوئٹہ تک کا سفر انہوں نے بڑے اہتمام سے کیا۔ نیا کوٹ پہنچا جواُنہوں نے کراچی میں سلوایا تھا۔ اپنے پمپ جوتے پہنے اُس کے بعد اپنے اکے (Monocle) کی سُرمئی ریشمی ڈوری اپنے گلے میں ڈالی۔ انہوں نے یک چشمہ لگانا پچاس سال قبل شروع کیا تھا۔ جب وہ لندن میں زیر تعلیم تھے۔ آج موت کے سائے میں بھی وہ اپنا یک چشمہ نہ بھولے تھے۔ نوجوانی میں پہلی دفعہ اُسے لگا کر جو خوشی ہوئی اُس کی یاد شاید آج پھر تازہ ہو گئی تھی۔ انہوں نے ایک سفید رومال اپنی انگلیوں میں دبایا اور لیفٹیننٹ مظہر احمد نے فوجی اے۔ ڈی سے اور دو پنٹھان خدمت گاروں کی مدد سے اُن کا نحیف جسم اُٹھا کر سٹریچر پر رکھا اور نیچے لائے۔ 46 زیارت ریڈیو نیسی کا سارا عملہ اپنے مہمان کو رخصت کرنے کیلئے جمع تھا۔ صالح محمد مالی بھی اُن میں موجود تھا

جو روزانہ اُن کے کمرے میں پھول لے کر جاتا تھا۔ صالح محمد کو دیکھ کر قائد اعظمؒ مسکرائے اور اُس کے سلام کے جواب میں کہا۔۔۔ صالح محمد۔۔۔ تم ہمارے ساتھ کوئٹہ چلو وہاں سے واپس آ جانا۔ 47

صالح محمد اس اعزاز پر ساری عمر نازاں رہا۔

☆☆☆

کوئٹہ سے کراچی

13 اگست کو زیارت سے کوئٹہ کا سفر انتہائی خاموشی اور رازداری سے کیا گیا۔ کوئٹہ سے ایبوالیس منگوانے کا اہتمام بھی نہ کیا گیا موٹر کار کی پچھلی نشست کھول کر قائد اعظم محمد علی جناح کو نیم دراز لٹا دیا گیا۔ اُن کو جھکوں اور ہچکولوں سے بچانے کیلئے کار کی رفتار انتہائی سُست رکھی گئی۔ زیارت سے کوئٹہ 133 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ اگرچہ ارادہ تھا کہ راستے میں ریست ہاؤس میں کچھ دیر قیام کیا جائے، لیکن اُن کی حالت کو بہتر دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ منسوخ کر دیا گیا۔ تاہم ایک جگہ رُک کر انہیں چائے اور سٹک ڈیئے گئے۔ زیارت سے کوئٹہ تک کا فاصلہ چار گھنٹوں میں طے ہوا، پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی تھی۔ اُن کی خیریت سے کوئٹہ پہنچ جانے پر تمام لوگ خوش تھے۔ ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے اُن کی نبض دیکھی جو دس یا پندرہ بار چلنے کے بعد دب رہی تھی، یہ سفر کی تھکان کی وجہ سے تھی۔ اُن کے خون کا دباؤ ٹھیک تھا۔ مجموعی طور پر وہ تازگی محسوس کر رہے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح شکر ادا کر رہیں تھیں کہ اُن کا سفر خیریت سے ہوا تھا۔ خود وہ بھی اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کر رہے تھے اور ڈاکٹر کرنل الہی بخش سے کہہ رہے تھے۔

میں یہاں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ زیارت میں مجھے سانس لینے

ہوئے ڈشوار می محسوس ہوتی تھی۔ 1

اگلی صبح صورت حال نہایت اطمینان بخش تھی۔ رات کا کھانا انہوں نے رغبت سے کھایا تھا اور وہ ساری رات آرام سے سوتے رہے تھے۔ انہیں کھانسی کی شکایت بھی نہیں ہوئی تھی اور نبض بھی ٹھیک چل رہی تھی۔ خون کا دباؤ بہت بہتر تھا، بلغم بھی نہیں آیا تھا۔ یہ دیکھ کر ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے اُن سے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ہم زیارت سے بخیریت تمام آ پہنچے۔ اس کمزوری

کی حالت میں آپ کو سفر کی زحمت دینا خطرے سے خالی نہ تھا۔ لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ زیارت کی بلندی آپ کیلئے مُضر تھی۔ اس لئے ابتدائی فائدے کے بعد صحت کی ترقی رُک گئی اور آپ کے پاؤں کے درم سے ہمیں تر د تھا اور اگر آپ یہاں نہ آتے تو حالت شاید زیادہ خراب ہو جاتی۔"

اُن کا تجزیہ سُن کر قائد اعظم مُسکرائے اور کہا۔

"بہت اچھا کیا آپ مجھے یہاں لے آئے۔ زیارت میں مجھے ایسا

معلوم ہوتا تھا جیسے پتھرے میں بند ہوں۔"

زیارت کے متعلق اُن کا یہ بیان بالکل بجا تھا۔ وہ وہاں اس لیے گئے تھے کہ ایک پُر فضا اور خوشگوار مقام پر رہ کر کھوئی ہوئی صحت کو دوبارہ حاصل کریں لیکن بد قسمتی سے وہاں جاتے ہی بیمار پڑ گئے اور کمزور ہوتے چلے گئے۔ 2

زیارت میں اُن کی صحت سے اُن کے ڈاکٹر مطمئن نہ تھے۔ وہ سخت تشویش محسوس کرتے تھے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے لکھا۔

زیارت میں میری اور ڈاکٹر شاہ (ریاض علی شاہ) کی حالت عجیب

تھی۔ کئی راتیں اور دن تشویش ناک عالم میں گزارے تھے۔

باوجود اس کے کہ قائد اعظم کا بخار اُتر چکا تھا۔ اور وہ رو بہ صحت

تھے۔ ہمیں ہر لمحہ خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ جیسے کوئی آتش فشاں پہاڑ

کے دہانے پر بیٹھا ہو۔ خیال کیجئے ایک بوڑھا، بہتر سالہ ناتواں

مریض، پیسپہروں کی بیماری، خون کا دباؤ کم، لاغری اور نقاہت،

زیارت کا مقام، ساڑھے آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر، ادھر مریض

بھی وہ مریض جو آقائے مملکت اور بابائے ملت ہو۔ کتنا نازک

مرحلہ تھا، کتنی بڑی ذمہ داری تھی۔ 3

اُس دن چودہ اگست تھا۔۔۔ پاکستان کے قیام کی پہلی سالگرہ، وہ بہت خوش تھے۔ انہوں نے اپنے عملے اور معالجوں سے آزادی کے دن کی مبارک باد کا تبادلہ کیا اور انہوں نے سب کو اُس کے جشن کی تقریبات میں شرکت کی فراخ دلانہ اجازت دی۔ اگر وہ بیمار نہ ہوتے تو یقیناً وہ بھی اس دن دارالحکومت میں کسی شاندار تقریب میں شامل ہوتے، اس کی حسرت اُن کو ہوگی۔

اُن کی بیماری کو انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں تھے؟ اور کن حالات میں تھے؟ اُن کی بیماری کیا تھی؟ اور اُس کا کیسا علاج ہو رہا تھا؟ اُن کا معالج کون تھا؟۔۔۔ اُن کی علالت اور اُس کی تفصیلات کو صیخہ راز میں رکھنا اور عوام تک اُس کی اطلاع نہ پہنچنے دینا شاید مملکت کے وسیع تر مفاد میں تھا۔ خود وہ بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ عوام اور خواص کو اُن کی علالت اور تشویش ناک حد تک کمزوری کا علم ہو۔ چنانچہ اس اہم تقریب سے غیر حاضری کے جواز کیلئے 7 اگست کو کراچی سے ایک پریس نوٹ حکومت کو جاری کرنا پڑا۔ جس میں قائد اعظم محمد علی جناح کی طرف سے معذرت جاری کی گئی تھی کہ "وہ ملک کے قیام اور آزادی کے حصول کی پہلی سالگرہ کی تقریبات میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔" 4

اس پریس ریلیز سے عوام الناس میں تشویش و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔۔۔ ملک کا بانی، لوگوں کا محبوب قائد، اس اہم تقریب میں کیوں کر شرکت نہیں کر رہا تھا؟ یہ بات لوگوں کیلئے انتہائی تشویش کا باعث تھی۔ اُن کی ذات اور صحت کے حوالے سے مختلف چہ میگوئیاں ہونا شروع ہو گئیں۔ حکومتی حلقے لوگوں کے رد عمل سے بہت پریشان ہوئے۔ لوگوں کو مطمئن کرنے کیلئے قائد اعظم کے حوالے سے وزارت داخلہ کو ایک اور خصوصی پریس نوٹ شائع کرنا پڑا جس میں وضاحت کی گئی کہ

"پچھلے دنوں سے بعض خود غرض لوگوں نے قائد اعظم کی صحت کے متعلق غلط افواہیں پھیلا دی ہیں۔ جس کے باعث لوگوں میں

تشویش اور پریشانی پھیل گئی ہے۔ مخالفین نے قائد اعظم کے جشن آزادی میں شرکت نہ کر سکنے کی خبر کو بھی غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ حکومت پاکستان نہایت قطعی طور پر اعلان کرتی ہے کہ قائد اعظم ماشاء اللہ بالکل اچھے ہیں۔ البتہ اُنہیں مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ اس مہینے کے آخر تک غیر ضروری محنت سے پرہیز کریں اور زیارت میں قیام فرمائیں۔ 5

حکومت اور اُس کے اراکین کی طرف سے یہی تاثر دیا گیا کہ وہ ٹھیک اور بہتر تھے۔ اور صرف آرام کی غرض سے زیارت میں قیام پذیر تھے۔ ان وضاحتوں سے نہ عوام کی تشویش کم ہوئی اور نہ اضطراب۔۔۔ 14 اگست کے جشن استقلال میں وہ کہیں نہ تھے۔ صرف اُس موقع پر اُن کا ریکارڈ شدہ پیغام ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا۔ انہوں نے اس موقع کی مناسبت سے کہا۔

اہل پاکستان!

آج ہم آزادی کی پہلی سالگرہ منا رہے ہیں ایک سال ہوا اہل پاکستان کو کامل اختیارات سونپے گئے تھے اور موجودہ ترمیم شدہ دستور کے تحت حکومت پاکستان نے ملکی معاملات کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ ہم نے سال بھر کے حوادث کا مقابلہ ہمت، عزم اور تدبیر سے کیا ہے اور دشمن کے حملوں کا جن کا ذکر اس سے پہلے بار بار کیا جا چکا ہے خصوصاً مسلمانوں کو بہ حیثیت قوم کے ختم کر دینے اور پہلے سے طے کئے ہوئے پروگرام کی روک تھام اور ملکی تعمیرات کا اصل کام کر کے ایک حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ہمارے تعمیری اور اصلاحی کام کا نتیجہ ہمارے بہترین دوستوں کی توقعات سے بڑھ چڑھ کر نکلا۔ میں آپ سب کو وزیر اعظم کی قیادت میں

اپنے وزراء کو دستور ساز اسمبلی اور مجالس قانون ساز کے ارکان کو مختلف انتظامی محکموں کے افسروں اور دفاعی فوجوں کے ارکان کو ان کارناموں پر جو انہوں نے اس تھوڑے سے عرصہ میں انجام دیئے ہیں، مبارک باد دیتا ہوں اور میں اہل پاکستان کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ہماری کوششوں میں ہمارا ساتھ دیا اور صبر و تحمل کا ثبوت دیا۔ جو ہم نے پہلے سال کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کیں۔

لیکن یہی کافی نہیں! یاد رکھیے کہ پاکستان کا قیام دنیا کی تاریخ میں ایک بے نظیر واقعہ ہے یہ دنیا کی عظیم ترین اسلامی ریاستوں میں سے ہے اور جوں جوں وقت گزرتا جائے گا مملکت پاکستان سال بہ سال اپنے عظیم الشان فرائض انجام دیتی رہے گی۔ بشرطیکہ ہم ایمان داری، تہن دہی اور بے غرضی سے اس کی خدمت کرتے رہیں۔ مجھے اپنے عوام پر پورا پورا بھروسہ ہے کہ وہ ہر صورت حال سے اسی طرح عہدہ برآ ہوں گے جو ہماری گذشتہ اسلامی تاریخ کی شان و شوکت اور روایات کے شایان شان ہوگا۔

ان لاکھوں مہاجرین کی داستان جنہیں ہماری سرحد کے اس پار اپنے گھروں کو چھوڑ کر پاکستان میں پناہ لینی پڑی سب کو معلوم ہے کہ یہ المناک حادثہ اس وقت پیش آیا کہ ابھی ہماری نئی مملکت کو اپنے پاؤں جمانے کا مشکل سے وقت ملا تھا اور فی الواقعہ اس کی لپیٹ میں بہت سے وہ لوگ بھی آ گئے جنہیں سرکاری ملازمتوں کی حیثیت سے خود حکومت کی انتظامی مشینری کو قائم کرنا تھا۔ میں جانتا

ہوں کہ اپنے ان بے گھر اور ستم رسیدہ بھائیوں کے لئے جو کچھ کرنا چاہیے تھا وہ نہیں کیا جاسکا۔ ان میں سے بہت سے لوگ ابھی تک بہت مشکلات سے دوچار ہیں۔ محض یہ واقعہ کہ مہاجرین کی ایک بڑی تعداد اپنے نئے گھروں میں ایک نئی سرور زندگی کی اُمید کے ساتھ آباد کر دی گئی ہے۔ یہ معمولی کارنامہ نہیں ہے اگر اہل پاکستان اخوت کے اس جذبہ کا اظہار نہ کرتے جو انہوں نے کیا، پاکستان کے وجود میں آتے ہی دیگر ذرائع سے اس کا گلا گھونٹنے کی تدبیروں میں ناکام ہو کر ہمارے دشمنوں کو یہ آس تھی کہ ان کا دلی منشاء اقتصادی چالبازیوں سے پورا ہو جائے گا۔ ان تمام دلائل سے کام لے کر جن کی تہہ میں محض عداوت اور کینہ پروری کام کر رہی تھی، انہوں نے یہ پیش گوئی کی کہ پاکستان کا دیوالیہ نکل جائے گا۔ لیکن یہ جھوٹے نجومی اپنی چالوں میں ناکام رہے۔ ہمارے پہلے بجٹ میں بچت ہوئی اور توازن تجارت ہمارے حق میں ہے۔ اس کے ساتھ اقتصادی میدان میں بھی ہم نے ہمہ گیر اور مسلسل ترقی کی ہے۔ کسی مملکت کی تاریخ میں ایک سال کا عرصہ اس کے کارناموں کا جائزہ لینے اور اس کے مستقبل کا اندازہ لگانے کیلئے مختصر ہے۔ لیکن جس طرح ہم نے زبردست مشکلات پر قابو پایا ہے اور گذشتہ بارہ مہینوں میں جو تھوس ترقی کی ہے۔ اس کی بناء پر ہم یہ اُمید کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمارا مستقبل شاندار ہوگا۔ جہاں تک مرکزی حکومت کا تعلق ہے، ہمیں انتظامی معاملات بالکل نئے سرے سے شروع کرنے پڑے۔

مغربی پنجاب میں یہ صورت حال پیش آئی کہ پاکستان قائم ہوتے ہی وہاں کا نظام حکومت تقریباً درہم برہم ہونے والا تھا۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ ہم نے ان تمام امور کا، جو ہماری یک جہتی کیلئے خطرہ بنے ہوئے تھے، کامیابی سے مقابلہ کیا اور وقت کے بعض بڑے بڑے مسائل کے بارے میں حکومت پاکستان نے نہ صرف اپنا عزم بالجزم ظاہر کیا بلکہ اس امر کا ثبوت دیا کہ وہ ان مختلف عالمگیر مسائل سے بھی کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔ جو واقف و قانی پیدا ہوتے رہے ہیں۔

قدرت نے آپ کو سب کچھ بخشا ہے آپ کے وسائل محدود ہیں، آپ کے ملک کی بنیاد رکھی جا چکی ہے، اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس بنیاد پر جلد سے جلد اور بہتر سے بہتر عمارت تعمیر کریں۔ لہذا بڑھتے چلے جائیے، خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔ پاکستان زندہ باد⁶

اس پیغام کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ یہ قوم کے نام اُن کا آخری پیغام تھا۔

یہاں ایک جھلک سازشیوں کی دیکھئے، جو بیمار قائد کے سر ہانے بیٹھ کر تانے بانے بن رہے تھے۔ یوم پاکستان کے کچھ دن بعد پاکستان کے وزیر خزانہ غلام محمد قائد اعظمؒ سے ملنے کو کوئٹہ تشریف لائے۔ انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو بتایا کہ "یوم پاکستان پر قائد اعظمؒ نے قوم کے نام جو پیغام دیا تھا، اسے خاطر خواہ اہمیت اور تشہیر نہیں دی گئی۔ اُس کے برعکس وزیر اعظم کے پیغام کے پوسٹر چھاپ کر انہیں شہر شہر دیواروں پر چسپاں کیا گیا۔ بلکہ ہوائی جہازوں کے ذریعے بڑے بڑے شہروں پر پھینک کر منتشر بھی کیا گیا ہے۔"

محترمہ فاطمہ جناح نے یہ بات خاموشی سے سُن لی۔ کیونکہ اُس وقت انہیں اپنے بھائی کی صحت کی فکر تھی، پبلیٹی کی نہیں۔

وزیر خزانہ غلام محمد کی اس حرکت میں کھلم کھلا شرارت اور سازش کی آمیزش تھی۔ قائد اعظمؒ بستر علالت پر پڑے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح اُن کی تیمارداری میں پریشان تھیں۔ ایسے حالات میں لگائی بچھائی کرنا بڑی مذموم حرکت تھی۔ اگر محترم وزیر غلام محمد کو واقعی ایسی شکایت تھی تو اُن کا فرض تھا کہ اس بات کو کابینہ میں اٹھاتے۔ اگر اُس کے باوجود اُن کا گلہ قائم رہتا تو اصولی طور پر انہیں مستعفی ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن اصولوں پر استغنیٰ دینا ہمارے حکمرانوں کی کمزوری نہیں۔ غلط فہمیاں پیدا کر کے اختلافات کو ہوا دینا انہیں زیادہ راس آتا ہے۔ یہ واقعہ ایک طرف تو جناب غلام محمد کے اُن ذاتی رجحانات کی غمازی کرتا ہے جنہوں نے آگے چل کر ملک کے کاروبار میں کئی اور گل کھلانے تھے۔ دوسری طرف اس سے یہ بھی عیاں ہوتا تھا کہ پاکستان کی زندگی کے پہلے سال ہی مرکزی کابینہ میں ایسے عناصر نے سر اٹھالیا تھا جو وزیر اعظم اور پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف عمل تھے۔⁷

کوئٹہ کی آب و ہوا، قائد اعظمؒ کی صحت کیلئے زیارت سے زیادہ موافق ثابت ہوئی تھی۔ اب وہ رغبت سے کھانا کھاتے تھے۔ انہیں نیند بہتر آتی تھی۔ کھانسی کی شدت میں کمی آ گئی تھی۔ خون کا دباؤ اطمینان بخش ہو گیا تھا۔ بلغم آنا بھی کم ہو گیا تھا۔ ایکس ریز کے نتائج بھی بہتر تھے۔ ان تمام حوصلہ افزاء صورت حال کے باوجود اُن کے ڈاکٹر زیادہ پُر امید نہ تھے۔ کیونکہ مسلسل بیمار رہ کر اور مستقل علاج سے گریز سے اُن کی صحت بہت متاثر ہوئی تھی۔ اُن کے مکمل طور پر تندرست ہونے کی کوئی امید نہ تھی۔۔۔ اگر حالات موافق ہو جاتے، دوائیاں اپنا جادوئی اثر دکھادیتیں تو اُن کی بیماری دو تین سال کیلئے رک سکتی تھی۔۔۔ لیکن وہ کسی قسم کا سفر کرنے کے قابل نہ رہتے۔۔۔ دائم المریض بن کر رہ جاتے۔ اُن کیلئے کسی قسم کی مصروفیات یا تقریبات میں شرکت کرنا ممکن نہ رہتا۔۔۔ اصل صورت حال یہ تھی لیکن اُن کے ڈاکٹر اُن کا حوصلہ بڑھا رہے تھے اور کسی معجزے کے انتظار میں تھے۔⁸

اُن کا معدہ جس کی خرابی کی وہ اکثر شکایت کیا کرتے تھے اب بہت بہتر کام کر رہا تھا

اور خوراک ہضم کر رہا تھا۔ ایک رات انہوں نے حلوہ پوری کھانے کی فرمائش کر دی۔ ڈاکٹروں کو اس کی اجازت دیتے ہوئے تامل تھا۔ کیونکہ یہ بہت بوجھل اور ثقیل غذا تھی۔ مگر انہوں نے ڈاکٹروں کو بتایا کہ وہ جن پوریوں کی بات کر رہے تھے، وہ بازار جیسی نہیں ہوتیں۔ پھر انہوں نے بتایا کہ وہ کیسے تیار کی جاتیں تھیں۔ ڈاکٹروں نے ان کا شوق دیکھتے ہوئے مجبوراً اجازت دے دی۔ کیشنر کوئی کی اہلیہ بیگم اے۔ آر خان نے ان کے لئے خصوصی طور پر حلوہ پوری تیار کیا۔ انہوں نے اُسے بڑی رغبت سے کھایا اور بیگم اے۔ آر خان کو ان کی پکوائی کی بڑی داد دی اور انہیں بڑے شوق سے بتایا کہ انہوں نے جو حلوہ تیار کیا وہ اتنے مزے کا تھا کہ وہ سارا کھا گئے تھے۔⁹ ڈاکٹروں کو ان کے حلوہ پوری کھانے پر بڑی تشویش تھی لیکن جب وہ اُسے بہ آسانی ہضم کر گئے تو ڈاکٹروں نے یقیناًطمینان کا سانس لیا ہوگا۔

وہ اب بہت بہتر تھے اور بلا سہارے بستر پر اٹھ کر کسی قسم کی تھکان کے بغیر بیٹھ جاتے تھے۔ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ کر میز سامنے رکھ کر کھانا کھا لیتے تھے۔ ان کی صحت کو بہتر دیکھتے ہوئے ڈاکٹروں نے انہیں ایک گھنٹہ روزانہ کام کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ ان کا انتہائی پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اس میں وہ قطعاً تھکان کی شکایت نہیں کرتے تھے۔ انہی دنوں پاکستان کے اُس وقت کے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان کشمیر کے بارے میں پاکستان کا مؤقف اقوام متحدہ میں پیش کرنے کیلئے ایک مسودہ لے کر ان کے مشورے کیلئے ان کی خدمت میں پیش ہوئے۔ قائد اعظم نے اُس کا انتہائی انتہاک سے مطالعہ کیا اور اُس پر عدم اطمینان کا اظہار فرمایا۔ اُس کے بعد انہوں نے اپنے سیکرٹری کو بلا کر فی البدیہہ مسودہ لکھانا شروع کیا۔ درمیان میں کہیں کہیں وہ کمزوری کے باعث تھوڑی دیر کیلئے رُک جاتے تھے۔ مسودہ لکھانے کا عمل پانچ گھنٹے جاری رہا، اُنسی مسودے کی روشنی میں چوہدری ظفر اللہ خان نے اقوام متحدہ میں کشمیر کے حوالے سے پاکستان کا بہترین زاویہ نگاہ پیش کیا تھا۔¹⁰ وہ مسئلہ کشمیر کی وجہ سے بہت تشویش مند تھے۔ اپنی علالت کے باوجود وہ اپنی آخری سانسوں میں بھی اس کا حل تلاش کر رہے تھے۔

تین ہفتوں سے قائد اعظم کو بخار نہیں ہوا تھا۔ ڈاکٹروں کی خواہش تھی کہ وہ بستر سے نکل کر کچھ چلیں پھریں۔ کیونکہ ان کی عمر کے مریضوں کو بخار اترنے کے بعد اگر بستر میں رکھا جائے تو صحت بہتر ہونے کی بجائے اور خراب ہو جاتی ہے۔ دوران خون کمزور ہو جاتا ہے، رُگ اور پٹھے سُست ہو جاتے ہیں۔ ہاضمے کی قوت انتڑیوں کی حالت مریض کے چلنے پھرنے ہی سے بہتر ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے انہیں ان کے کمرے ہی میں پکڑ کر چند قدم چلانے کی ورزش شروع کرادی۔ سب لوگ خوش تھے وہ کئی ہفتوں کی بیماری کے بعد اٹھ کھڑے ہونے کے قابل ہوئے تھے۔ لیکن چند قدم چل کر اس ورزش سے ان کا سانس پھول جاتا تھا۔ یہ بہت تشویش کی بات تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ ان کے پیچھڑوں کے ریشوں میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ کوئٹہ میں ہوا کا دباؤ کم تھا یہ ان کے لئے مفید نہ تھا۔ چنانچہ ڈاکٹروں کا اب مشورہ یہی تھا کہ وہ کراچی منتقل ہو جائیں جہاں آکسیجن کا دباؤ کوئٹہ کی نسبت زیادہ تھا۔

ڈاکٹروں کے مشورے پر قائد اعظم نے فرمایا۔

"جلدی نہ کیجئے۔ مجھے یوں نہ دھکیلئے۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اٹھ کر چلوں پھروں۔ لیکن کیا کروں مجھے ابھی تک کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ آپ یہ نہ سمجھئے کہ میں بستر سے نکلنے کا مشتاق نہیں۔ اس لئے آپ مجھ پر وہ علاج نہ آزمائیے جو ایک معالج نے ایک بوڑھی عورت پر آزمایا تھا۔ یہ عورت کئی ماہ سے بستر پر پڑی ایڑھیاں رگڑتی تھی۔ جب وہ کسی قدر سنبھلی تو ڈاکٹر نے اُسے اٹھ کر چلنے پھرنے کا مشورہ دیا۔ وہ بولی، میں ابھی اس قابل نہیں۔ ایک ہفتہ بعد ڈاکٹر نے پھر یہی رائے دی۔ وہ پھر بھی نہ مانی اور برابر تامل کرتی رہی۔ آخر کار ہار کر وہ ڈاکٹر چلا گیا اور ایک دوسرے معالج کا علاج شروع ہوا۔ اُس نے سر سے لیکر پاؤں تک بڑھیا کا معائنہ کیا

اور کہا کہ آپ کو واقعی کوئی تکلیف لاحق نہیں بہتر ہے کہ آپ بستر سے نکل آئیں۔ بڑھیا تھی ضدی، ڈاکٹر کے مشورے کو خاطر میں نہ لائی اور برابر بستر میں گھسی رہی۔ پھر ایک تیسرا ڈاکٹر بلایا گیا جو آپ (ڈاکٹر کرنل الہی بخش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) کی طرح جلد باز تھا۔ اُس نے کیا کیا کہ ایک روز چپکے سے بڑھیا کے بستر کو آگ لگا دی۔ چنانچہ بڑھیا بوکھلا کر چار پائی سے اُچھلی اور تیزی سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی۔

واقعہ سننے کے بعد انہوں نے کہا کہ آپ میرے ساتھ بھی سلوک نہ کیجئے گا۔ 11

قائد اعظمؒ کے معالج صرف مریض کی حیثیت سے نہیں ایک گونہ عقیدت سے اُن کی خدمت میں مصروف تھے۔ وہ بھی انہیں صرف ایک معالج ہی نہ سمجھتے تھے وہ اکثر اُن کے ساتھ مختلف موضوعات پر بات چیت کرتے رہتے۔ موضوعات میں اُن کا پسندیدہ موضوع پاکستان ہوتا تھا۔ وہ جب بھی پاکستان کے بارے میں بات کرتے تھے تو اُن کے ہونٹوں پر ایک فخر آمیز تبسم کھیلنے لگتا۔ ایک روز جب اُن کی طبیعت ہشاش بشاش تھی، وہ کہنے لگے۔

"پاکستان کو خدا نے ہر چیز دے رکھی ہے۔ معدنیات اور زراعت کے وسیع وسائل، اقتصادیات کی ترقی کے روشن امکانات، ملک کو صنعتی بنانے کے ذرائع غرضیکہ ہر چیز پاکستان میں موجود ہے۔ قدرت کی فیاضی نے اس ملک کو دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ لیکن ضرورت محنت، خلوص اور دیانت داری کی ہے۔ اگر پاکستانی مسلمان اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کر سکے۔۔۔ انشاء اللہ میری قوم میں یہ اوصاف پیدا ہو کر رہیں گے۔ میں مسلمانوں سے کبھی مایوس نہیں ہوا۔ میرے حامی اور آقا کی تعلیمات میں مایوسی کا لفظ تک

نہیں۔ زندہ قوموں کو انتہائی مصائب اور مشکلات میں بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کو تو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب وہ مصیبتوں، مشکلوں، طوفانوں، آندھیوں میں گھر جائے تو غیر اللہ سے رشتہ توڑ کر اپنے خدا کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ وہی مصیبتوں کو راحتوں میں تبدیل کرنے پر قادر ہے۔ تو پھر مسلمان کسی مصیبت سے کیوں خوف زدہ ہوں۔ مسلمانوں کو دشمن کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے گھبراتا نہیں چاہیے بلکہ پوری طاقت سے اُن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ 12

قائد اعظمؒ کو اپنی بیماری میں سب سے زیادہ مہاجرین کا خیال رہتا تھا۔ یہ مہاجرین نوزائیدہ پاکستان کا بہت بڑا مسئلہ تھے۔ ایک دن باتیں کرتے ہوئے انہوں نے ڈاکٹر ریاض علی شاہ سے کہا۔

"قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کے مسئلے نے مجھے سخت پریشان کیا۔ مجھے اس کا خیال ضرور تھا کہ ہندوستان اور پاکستان میں تبادلہ آبادی ہو گا اور یہ تبادلہ آہستہ آہستہ عمل میں آئے گا۔ لیکن ہندوستان میں طے شدہ پروگرام اور سازش کے تحت مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا گیا۔ یہ قتل عام اس قدر وسیع پیمانے پر ہوا کہ کسی مذہب، قوم اور ملک کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ دنیا کے کسی گوشے اور خطے میں اس قدر درندگی اور بربریت کا مظاہر کیا جاسکتا ہے۔ قتل عام کے بعد ہمارے دشمنوں نے ہمیں ختم کرنے کیلئے ستر لاکھ مسلمانوں کو اُن کی ہر چیز چھین کر پاکستان کی طرف دھکیل دیا۔ میں پورے یقین اور دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس

سیلاب کے سامنے مضبوط سے مضبوط اور مستحکم سے مستحکم حکومت کی بنیادیں بھی متزلزل ہو جاتیں اور ایوان حکومت دھڑام سے زمین پر آ رہتا۔ ہماری مملکت تو تھی ہی نوزائیدہ۔ ایسی مملکت جسے نہ ابھی فوج پر اختیار ملتا تھا، نہ وہ پورے طور پر نظم و نسق سنبھال سکی تھی، خزانہ خالی تھا، اسلحہ دشمن کے قبضے میں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی، مسلمانوں نے جس عزم و ایثار، قربانی اور جوش کا اظہار اس موقع پر کیا، میں اُسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا، اُس سے مجھے روحانی اذیت پہنچی، میرے قلب پر ایک ایسی چوٹ لگی کہ جس کا درد میں زندگی کے آخری سانس تک بھی محسوس کرتا رہوں گا۔ مسلمانوں کی تباہی پر میرا دل دن رات خون کے آنسو روتا رہا۔ لیکن خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مہاجرین کی آباد کاری کا سلسلہ تسلی بخش طریق پر طے پا رہا ہے۔ پاکستان کے سامنے مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ مجھے یقین ہے حکومت پاکستان اس مسئلے کو جلدی حل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ جب تک مہاجرین آباد نہیں ہو جاتے اور کام کاج پر نہیں لگ جاتے میری روح کو قرا نہیں آ سکتا۔" 13

قائد اعظم سگریٹ کے پُرانے عادی تھے۔ بیماری نے جہاں کھانے پینے سے بے رغبت کر دیا تھا، وہاں سگریٹ بھی اپنی لذت اور مزہ کھو بیٹھے تھے۔ ایک دن انہوں نے سگریٹ پینے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ بڑی صحت مند علامت تھی کیونکہ سگریٹ کا عادی مریض جب صحت مند ہونے لگتا ہے تو اُسے سب سے پہلے طلب سگریٹ ہی کی ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے انہیں ایک سگریٹ پینے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے اسٹیٹ ایکسپریس 555 کے ڈبے میں سے

ایک سگریٹ نکال کر سلا لیا اور کافی دیر تک اُسے انگلیوں میں پکڑ کر اُس کی لذت محسوس کرتے رہے۔ اگلے دن جب ڈاکٹر کرنل الہی بخش اُن کے کمرے میں گئے تو اُن کے راکھ دان میں چار سگریٹوں کے ٹکڑے موجود تھے۔ یہ تعداد اُن کی صحت کے لئے مضرت تھی۔ ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے راکھ دان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، آپ نے سگریٹوں کا خوب لطف اُٹھایا۔"

وہ اُن کا اشارہ سمجھ گئے فوراً ایک ذہین وکیل کی طرح اپنا دفاع کرتے ہوئے انہوں

نے کہا۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ دھواں اندر نہ کھینچا جائے تو سگریٹ

میرے لئے بے ضرر ہیں۔" 14

قائد اعظم کو کریون اے (Craven-A) سگریٹ پسند تھے۔ سگریٹ کے حوالے

سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے کہا کہ

"کیا ہی اچھا ہو کہ ہم پاکستان میں سگریٹوں کی فیکٹری کھول لیں اور

بہترین تمباکو امریکہ سے درآمد کر کے پاکستان میں سگریٹ تیار

کریں۔"

قائد اعظم نے جوش میں کہا۔

"پاکستان میں دنیا کے سب ممالک سے اچھا اور بہترین تمباکو ہوتا

ہے۔ ہم امریکہ کے محتاج نہیں۔ ہم اپنے ملک ہی میں بہترین تمباکو

پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں اسے ترقی دے کر دوسرے ممالک

میں برآمد کر سکتے ہیں۔ میری تمنا ہے پاکستان ضروریات زندگی

کیلئے دوسرے ملکوں کا محتاج نہ رہے بلکہ پاکستان میں ہر چیز پیدا

ہو۔ ملک کی دولت ملک ہی میں رہے۔" 15

ڈاکٹروں کا مشورہ یہ تھا کہ قائد اعظم کو فوری طور پر کراچی منتقل کر دیا جائے۔ کیونکہ کوئٹہ کی بلندی اُن کی صحت کیلئے مضر ثابت ہو رہی تھی۔ وہ ذرا سی تھکان پر ہانپنا شروع کر دیتے تھے۔ ویسے بھی اگست میں کراچی کا موسم خوشگوار ہو جاتا تھا۔ وہ کراچی جانے کی مخالفت کرتے تھے اور کراچی کی بجائے "سبی" کا نام تجویز کرتے تھے۔ "سبی" دور افتادہ جگہ تھی وہاں بہت شدید گرمی پڑتی تھی اور جھکڑ چلتے تھے۔ اس وجہ سے اُن کا مشورہ ڈاکٹروں نے مسترد کر دیا۔ وہ عصا کے سہارے کراچی جانے کے حق میں نہ تھے۔ وہ کار سے لیکر اپنے کمرے تک خود چل کر جانے کے خواہش مند تھے۔ انہیں اے۔ ڈی۔ سی اور ملٹری سیکرٹری کے کمروں کے سامنے سے اسٹریچر پر لیٹ کر اپنے کمرے تک پہنچنا گوارا نہ تھا۔ وہ "ملیر" جانے پر رضامند تھے۔ لیکن وہاں ایک ہی مکان اُن کی رہائش کیلئے موزوں تھا وہ نواب بہاولپور کی ملکیت تھا۔ نواب آف بہاولپور انگلستان میں تھے۔ طے یہ پایا کہ نواب آف بہاولپور کو تار (ٹیلی گرام) دے دیا جائے۔ قائد اعظم نے اس موقع پر فرمایا۔

"آپ نے شاید سنا ہو گا کہ پہلے زمانے میں جب کوئی وکیل ہائیکورٹ کا جج مقرر ہو جاتا تھا تو وہ کلبوں اور محفلوں میں جانا بند کر دیتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات تو مقامی اخبارات پڑھنے سے بھی گریز کرتا تھا کہ کہیں اُن سے اُس کی غیر جانبداری میں خلل نہ پڑے۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے میرا ہر ہائی نیس، نواب بہاولپور سے کہنا، مناسب نہیں یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔" 16

قائد اعظم محمد علی جناح نے دے دے الفاظ میں اپنے معالجین کو ایک گہرے فلسفے سے آگاہ کیا۔ لیکن اُن کی کوشش یہ تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے وہ کراچی منتقل ہو جائیں۔۔۔ ڈاکٹروں کا اصرار شدت سے تھا۔۔۔ دوسری طرف اُن کی ہچکچاہٹ جو غیرت، خودداری اور آثار

جینی تھی، مضر جاں ہو رہی تھی اور جب محترمہ فاطمہ جناح نے نواب بہاولپور کو تار دیا، اُس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ انہوں نے یہ تار 30 اگست کو دیا تھا۔ جس کا جواب آتے آتے تین دن لگ گئے۔ اگر وہ اگست کے آخر میں کوئٹہ سے کراچی آ گئے ہوتے تو شاید زیادہ دن زندہ رہ جاتے۔۔۔ لیکن وہ بے دست و پا مریض کی حیثیت سے کراچی جانا پسند نہ کرتے تھے۔ اسی دوران اُن کی حالت ایسی بگڑی کہ وہ گیارہ ستمبر کو تقریباً نیم زندہ، نیم مردہ حالت میں کراچی لائے گئے۔

اُن دنوں اُن کی بھوک کم ہو رہی تھی۔ اُن کی بیماری میں سب سے پریشان کن چیز اُن کی صحت تھی۔ اُن کا وزن صرف 80 پونڈ رہ گیا ہوا تھا۔ خوراک سے بے رغبتی کا اثر اُن کی صحت پر تھا۔ باورچی نے طرح طرح کے کھانے بنائے مگر اُن کی بھوک بحال نہ ہوئی۔ ایک روز جب ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے انہیں زیادہ کھانے کی ضرورت کا احساس دلایا تو وہ کہنے لگے۔

"ڈاکٹر میں نے اچھی حالت میں کبھی اتنا نہیں کھایا جتنا آپ کھانا چاہتے ہیں، کیا آپ نہیں سمجھتے کہ زیادہ کھانا مفید ہونے کی جگہ مضر ثابت ہوتا ہے۔"

پھر انہیں ایک پرانا واقعہ یاد آ گیا۔ انہوں نے کہا۔

چند سال ہوئے جب میں بمبئی میں تھا ہمارے ہاں ایک یورپین ڈپلومیٹ مدعو تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کچھ نہیں کھا رہے تھے۔ سوپ آیا اُسے نہ چکھا، مچھلی پیش کی گئی اُسے نہ چھوا، گوشت کا بھنا ہوا ٹکڑا پیش کیا گیا تو بھی دست کش رہے۔ میں بڑا حیران ہوا۔ لیکن خاموش بیٹھا دیکھتا رہا۔ آخر نہ رہا گیا اور مہمان سے کھانے میں یوں تامل کرنے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں کاہو کے سوا کچھ نہیں کھایا کرتا۔ چنانچہ جب سلاڈ آئی تو آپ نے خوب ہاتھ کھول کر لی اور سیر ہو کر کھائی اور ہمیں بتایا کہ گزشتہ چھ

ماہ سے محض کا ہو پر ہی گزارہ ہے۔ اب بتائیے ڈاکٹر صاحب کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ کوئی شخص اتنے عرصے تک صرف سلا دکھا کر اپنی صحت برقرار رکھ سکتا ہے۔"

ڈاکٹر کرنل الہی بخش کے لئے یہ قصہ ناقابل یقین تھا اور انہوں نے قائد اعظم کو ایک

زمیندار کا واقعہ جواب دیا۔

"اُس شخص کا وزن کوئی 20 سٹون سے کم نہ تھا۔ ایک بار وہ میرے پاس موٹاپے کے علاج کے لئے آیا۔ میں نے پوچھا، آپ روزانہ کتنی خوراک کھاتے ہیں۔ بولے! دن میں صرف ایک مرتبہ کھاتا ہوں۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ کوئی شخص اتنی احتیاط برتنے پر کیسے موٹا ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر شاہ نے اس احتیاط کی حقیقت بیان کی تو عقدہ کھلا۔ وہ اس زمیندار سے واقف تھے اور بتایا کہ موصوف کی ایک وقت کی خوراک بھنے ہوئے گوشت کے ایک بہت بڑے پارچے اور انواع و اقسام کی شربتی پر مشتمل ہوتی تھی۔" 17

قائد اعظمؒ یہ واقعہ سن کر بہت محظوظ ہوئے۔

قائد اعظمؒ کی بھوک ختم ہو گئی تھی۔ اُن کی زندہ دلی اور شگفتگی بھی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ عموماً وہ اپنے معالجوں اور عملے کے لوگوں کے ساتھ ہلکی پھلکی گپ شپ کرتے تھے۔ انہیں اپنی زندگی کی کتاب سے نصیحت آموز اور دلچسپ واقعات سناتے۔ 29 اگست کو معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے اپنے مریض کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا کہ "جس ریاست کو آپ وجود میں لائے ہیں اُسے پوری طرح مستحکم کرنے اور استوار کرنے کیلئے آپ ابھی دیر تک زندہ رہیں گے۔ قائد اعظمؒ نے اُن کے جواب میں نہایت افسردہ اور یاس انگیز لہجے میں کہا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ آپ پہلی بار زیارت پہنچے تو میں زندہ رہنا

چاہتا تھا لیکن اب میرا مرنا جینا برابر ہے۔"

اُس وقت اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ بالعموم جذبات سے یکسر عاری اور فولاد کی طرح سخت سمجھے جاتے تھے۔ اُن کی یہ پشیمردگی بڑی حیران کن تھی۔ پھر خود اُس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"میں اپنا کام پورا کر چکا ہوں۔" 18

ڈاکٹر ریاض علی شاہ اس واقعے کو یوں لکھتے ہیں کہ ایک دن ہتے ہتے باتوں میں ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے کہا کہ ہم دونوں کی یہ انتہائی کوشش ہے کہ آپ کی نصحت اتنی اچھی ہو جائے جتنی آج سے سات آٹھ سال پہلے تھی۔ قائد اعظمؒ مسکرائے اور کہنے لگے۔

"چند سال قبل یہ یقیناً میری آرزو تھی کہ میں زندہ رہوں۔ میں اس

لئے زندہ رہنا چاہتا تھا کہ قوم نے جو کام میرے سپرد کیا ہے اور

قدرت نے جس کے لئے مجھے مقرر کیا ہے۔۔۔ میں اُسے پایہ

تکمیل تک پہنچا سکوں۔ وہ کام پورا ہو گیا ہے۔ میں اپنا فرض ادا کر

چکا ہوں۔ پاکستان بن گیا ہے۔ اُس کی بنیادیں مضبوط ہیں۔ اب

چند ماہ سے مجھے ایسے خیالات آتے رہتے ہیں کہ میں اپنا فرض ادا

کر چکا ہوں۔ قوم کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ قوم کو مل گئی۔ اب یہ

قوم کا کام ہے کہ وہ اس کی تعمیر کرے۔ اُسے ناقابلِ تسخیر اور ترقی

یافتہ ملک بنادے۔ حکومت کا نظم و نسق دیانت داری اور محنت سے

چلائے۔ میں طویل سفر کے بعد تھک گیا ہوں۔ آٹھ سال تک مجھے

قوم کے اعتماد و تعاون پر تہا دو عیار اور مضبوط دشمنوں سے لڑنا پڑا

ہے میں نے خدا کے بھروسے پر اُن تھک کوشش اور محنت کی ہے اور

اپنے جسم کے خون کا آخری قطرہ تک حصولِ پاکستان کے لئے

صرف کر دیا ہے۔ میں تھک گیا ہوں۔ آرام چاہتا ہوں۔ اب مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔" 19

ڈاکٹر ریاض علی شاہ اور ڈاکٹر کرمل الہی بخش نے بیک زبان ہو کر کہا کہ "آپ کے بعد کون ہے جو کشتی ملت کو بھنور سے نکال کر ساحل فتح و نصرت تک لے جاسکتا ہے؟"

یہ سن کر انہوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا۔

"قدرت حالات کے مطابق ایسا آدمی پیدا کر دیا کرتی ہے جس کی وقت اور حالات کو ضرورت ہوتی ہے۔"

انہوں نے مزید کہا۔

"گھبراؤ نہیں خُدا پر اعتماد رکھو۔ اپنی صفوں میں کبھی نہ آنے دو اور انتشار پیدا نہ ہونے دو۔ ملت کے مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح نہ دو۔ انشاء اللہ قدرت تمہیں مجھ سے زیادہ عقیل اور ذہین رہنما عطا کرے گی۔ جو کشتی ملت کو مشکلات کے بھنور سے نکال کر ساحل مراد تک کامیابی سے پہنچادے گا۔"

اُن کی آنکھیں اشک ریز ہو گئیں۔ ایک موٹا سا چمک دار آنسو مسہری پر گرا اور انہوں نے مکمل سے منہ ڈھانپ لیا۔ اُن کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور وہ آہستہ آہستہ فرما رہے تھے۔

"اے خُدا تو نے ہی مسلمانوں کو آزادی عطا کی ہے۔ اب تو ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میری قوم ابھی ابتدائی مراحل طے کر رہی ہے، کمزور ہے، ابھی اس کی صفوں کا کج بھی دور نہیں ہوا۔ تو ہی مدد کرنے والا ہے اور تو ہی اس کا حامی و ناصر ہے۔" 20

قائد اعظم اپنے دوست احباب، عزیز و اقارب اور اپنی قوم کو یہی تاثر دے رہے تھے

کہ وہ خیریت سے ہیں۔ اُن کی بہت محدود اور مخصوص لوگوں کے ساتھ خط و کتابت تھی۔ لیکن وہ اپنے نام آئے ہوئے خطوط کا ہر ممکن جواب دینے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ خواہ وہ جواب چند مختصر الفاظ پر ہی مشتمل کیوں نہ ہوتا۔ خان آف قلات سے اُن کے بہت ہی دیرینہ تعلقات تھے۔ کافی عرصہ سے دونوں کے مابین خط و کتابت تھی۔ وہ اُن کی صحت و زندگی کے بارے میں بہت تشویش مندر بہتے تھے۔ 18 اگست 1947ء کو انہیں تسلی دیتے ہوئے انہوں نے لکھا۔

"مجھے کوئی زیادہ تشویش والا مسئلہ نہیں ہے اور میں روبصحت

ہوں۔" 21

انہوں نے اسی قسم کا ایک خط بھوپال کی محترمہ زہرہ جمال کو بھی املاء کروایا۔ یہ خط اُن کے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری محمد امین کا لکھا ہوا ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں۔

مجھے آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ قائد اعظمؒ کی صحت بہتر ہو رہی ہے اور اخبارات کی اُن خبروں میں کوئی سچائی نہیں ہے کہ وہ شدید بیمار ہیں اور آرام کی غرض سے بیرون ملک مقیم ہیں۔ 22

ملک جس قسم کے حالات سے گزر رہا تھا اس میں ضروری تھا کہ عوام الناس کا حوصلہ پست نہ ہو۔ اُن کی بیماری کی خبر ایسی تھی جس سے لوگ شکستہ دل ہو سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عملے کے اراکین کو سختی سے ہدایت کی ہوئی تھی کہ وہ ہر اس خبر کی تردید کریں جس میں اُن کی بیماری کا ذکر ہو۔ انہی کی زیر ہدایت سرکاری میڈیا (سرکاری اخبارات اور ریڈیو۔۔۔ اُس زمانے میں ٹیلی ویژن متعارف نہیں ہوا تھا) اُن کی صحت کے بارے میں مسلسل یہی تاثر دے رہا تھا کہ وہ بہتر ہیں اور صرف آرام کی غرض سے کوئٹہ میں مقیم ہیں۔ سرکاری مشینری کی جائز و ناجائز تسلیوں سے عوام کی تشویش بڑھ رہی تھی۔

اس ضمن میں 30 اگست 1948ء کو وزیر مالیات جناب غلام محمد کی ایک تقریر ریڈیو سے

نشر ہوئی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں چند روز قبل کوئٹہ میں قائد اعظمؒ سے ملاقات کے بارے میں سامعین کو بتایا۔

"غیر ملکی اخبارات میں قائد اعظمؒ کی شدید علالت کی جو خبریں شائع ہو رہی ہیں وہ اُس جھوٹے اور مکروہ پراپیگنڈے کا نتیجہ ہے جو پاکستان کو بدنام کرنے کیلئے کیا جا رہا ہے۔ میں نے قائد اعظمؒ سے کوئٹہ میں طویل بات چیت کی ہے اور خدا کے فضل سے اُن کی صحت بہت اچھی ہے۔" 23

امریکہ میں پاکستان کے سفیر قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے دیرینہ اور رفیق جناب مرزا ابوالحسن اصفہانی اُن کی صحت کے بارے میں بہت پریشان تھے۔ وہ تین ہفتے قبل اُن سے مل کر گئے تھے۔ انہوں نے 17 اگست کو انہیں ایک خصوصی خط لکھا وہ لکھتے ہیں۔

اگر میں نے آپ کی صحت کے بارے میں وزارت کا وہ بیان نہ پڑھا ہوتا جو دو روز پیشتر شائع کیا گیا تھا تو میں آپ کو یہ خط لکھ کر پریشان نہ کرتا۔ بیان میں بتایا گیا ہے کہ آپ کا ارادہ اس ہفتے کے آخر تک کراچی واپس آنے کا ہے۔ یہ خبر بہت پریشان کن ہے۔

میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ ستمبر کے ختم ہونے سے پہلے کراچی واپس نہ جائیں۔ اگر زیارت میں آپ کو سردی محسوس ہوتی ہے تو آپ کوئٹہ جا سکتے ہیں۔ بہر حال آپ کو مکمل آرام کرنا چاہیے اور کام، ملاقاتوں اور ہر قسم کے فکر سے دور رہنا چاہیے خواہ اُس کے فوری یا طویل المدت نتائج کچھ بھی ہوں۔ آپ کیلئے آرام اور جب تک آپ وہ طاقت جو آپ نے زیادہ تھکن اور کام کی زیادتی کی وجہ سے کھودی ہے، دوبارہ حاصل نہ کر لیں، سستانا

ضروری ہے۔ میں آپ کو یہ بتانے سے کبھی نہیں تھکوں گا۔ آپ نے جس ریاست کو بنایا ہے اُس کے لئے یہ کتنا ضروری ہے کہ آپ آئندہ بہت سالوں تک اُس کے صدر اور سربراہ رہیں۔ آپ بیش بہا گو ہر ہیں۔

آج سہ پہر کو تار کے ذریعے مجھے یہ صیغہ راز یہ اطلاع پا کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کی صحت اُس سے اب بہت بہتر ہے جیسی کہ اُس وقت تھی۔ جب گذشتہ مہینے آخر میں آپ سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ تھوڑے سے اور آرام و سکون سے آپ ایسے تندرست اور طاقتور ہو جائیں گے جیسا کہ آپ کو ہونا چاہیے۔ خدا تعالیٰ آپ کو برکت دے اور آپ کو زندہ سلامت رکھے۔ 24

آمین

آپ کا مخلص

حسن

قائد اعظمؒ نے یکم ستمبر کو انہیں بھی جواب میں یہی لکھا کہ وہ صحت و تندرست ہیں۔ انہوں نے لکھا۔

"آپ کے خط کا بہت شکریہ، جس میں آپ نے میری صحت کے بارے میں فکرمندی ظاہر کی ہے۔"

اپنے کراچی جانے کے بارے میں انہوں نے لکھا۔

"ابھی میری کراچی واپسی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی ہے اور آپ اس خیال سے متفکر نہ ہوں کہ میں اپنی واپسی کی تعیل کروں گا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر بھی مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔"

آپ کی توجہ اور خیال کا بہت شکریہ۔ کوئی فکر کی بات نہیں۔ 25

یہ خط مرزا ابوالحسن اصفہانی کو اُن کی وفات کے دو دن بعد موصول ہوا۔ یہ اُن کے نام اُن کی آخری تحریر تھی۔

قائد اعظم محمد علی جناح جس روز اپنے دوست اور ساتھی ابوالحسن اصفہانی کو تسلی کا خط لکھوا رہے تھے اُسی روز یعنی یکم ستمبر کو اُن کی ٹانگوں کے نچلے حصے اور پاؤں پر ہیمرج (Haemorrhagic spots) کے آثار محسوس کئے گئے۔ 26 ڈاکٹروں نے فوری دواؤں میں رد و بدل کیا۔ تین ستمبر کو

انہوں نے شدید سردی محسوس کی۔ ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے اُن کا درجہ حرارت نوٹ کیا وہ 99 تھا۔ اُن کا ٹمپریچر معمولاً صبح 96 اور شام کو 97.5 درجے سے شاذ ہی بڑھتا تھا۔ پانچ ہفتوں کی

تسلی بخش صحت کے بعد درجہ حرارت کا یوں بڑھ جانا تشویش ناک تھا۔ ڈاکٹر اُن کے یکا یک بخار کا سبب نہ سمجھ سکے۔ اگلی صبح اُن کا درجہ حرارت 98.8 تھا۔ 5 ستمبر کو اُن کا ٹمپریچر نارمل تھا۔ اُن کو

کھانسی نہ تھی لیکن بلغم میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر عالم کو لاہور پیغام بھیجا گیا کہ وہ ایکس رے کے آلات سمیت کوئٹہ پہنچیں۔ ڈاکٹر غلام محمد وہیں تھے۔ انہوں نے لیبارٹری ٹیسٹ لئے۔ اُن کے

تھوک اور بلغم سے نمونیہ کے آثار ملے۔ اس مرحلے پر نمونیہ کا حملہ بہت تشویش ناک بات تھی۔ نمونیہ کیلئے نئی دواؤں نے اثر دکھایا۔ 7 ستمبر کی صبح اُن کا درجہ حرارت نارمل ہو گیا۔ لیکن شام کو پھر

بخار ہو گیا۔ اُسی دن بلغم کا معائنہ بھی ہوا۔ اُس میں نمونیہ کے جراثیم مفقود تھے۔ یہ ڈاکٹروں کیلئے خوشی کی بات تھی۔ لیکن شام کو ایک اور پیچیدگی ہو گئی کہ انہیں تھوڑا تھوڑا پیشاب آنے لگا، جسم کی

کچکی شروع ہو گئی اور تنفس کی تکلیف نے انہیں پریشان کرنا شروع کر دیا۔ 27

7 ستمبر ہی کو مخترمہ فاطمہ جناح نے اپنے بھائی کی حالت پر پریشان ہو کر واشنگٹن (امریکہ) میں پاکستان کے سفیر اور قائد کے انتہائی معتمد ساتھی جناب مرزا ابوالحسن اصفہانی کو تار

بھیجا کہ ڈاکٹر رگنز (Dr. Riggins) کو قائد اعظم محمد علی جناح کے علاج کے لئے پاکستان بلانے سے اجازت دیا جائے۔ اُس ڈاکٹر کا نام ڈاکٹر ریاض علی شاہ اور ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے تجویز کیا تھا

ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ ٹیلی گرام ملنے کے بعد ڈاکٹر امریکہ سے براستہ کراچی زیادہ سے زیادہ 10 ستمبر تک پہنچ جائے گا۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی نے بھرپور کوشش کی کہ وہ مطلوبہ ڈاکٹر کو جلد از جلد پاکستان روانہ کر دیں۔ وہ اس سلسلے میں خود نیویارک گئے اور ڈاکٹر رگنز سے انہوں نے ذاتی طور پر درخواست کی کہ وہ پاکستان جا کر قائد اعظم محمد علی جناح کے علاج کی ذمہ داری سنبھالیں۔ وہ اس کے لیے راضی ہو گئے تھے۔ مرزا اصفہانی کی خواہش تھی کہ وہ اُسی دن یعنی منگل 7 ستمبر ہی کو پاکستان روانہ ہو جاتے لیکن ڈاکٹر رگنز کی اچانک کچھ ایسی مصروفیات آڑے آ گئیں کہ انہیں ایک ہفتے کے لئے اپنا پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔ 28 لیکن اُس وقت تک قائد اعظم علاج اور معالج انوں سے بے نیاز ہو چکے تھے۔

8 ستمبر کو قائد اعظم کی حالت کو تشویش ناک دیکھتے ہوئے ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے کراچی سے ایک ماہر ڈاکٹر ایم اے مستری کو بلوانے کا مشورہ دیا۔ ڈاکٹر ایم اے مستری سال گائیز ہسپتال میں ڈاکٹر کرنل الہی بخش کے کلاس فیلو رہ چکے تھے اور ڈومیسٹک کالج کراچی میں اعزازی ہافیسر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ 9 ستمبر کو ڈاکٹر ایم اے مستری کوئٹہ پہنچ گئے۔ ڈاکٹر مستری نے اُن کے علاج پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اُن کے خیال میں جو کچھ مناسب اور ممکن تھا وہ ہو رہا تھا اسی مزید کارروائی کی گنجائش نہیں تھی۔ 29

وہ اپنی بیماری۔۔۔ شدید بیماری کے دوران بھی مملکت کے فرائض سے غافل نہ رہتے تھے۔ انہوں نے آخری دستخط یو این او میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کیلئے سر محمد ظفر اللہ خان کو اپنے اختیارات دینے کیلئے کئے تھے۔ قائد اعظم اُس وقت اپنی مسہری پر لیٹے ہوئے تھے۔ اُن کے پیکر فرخ امین نے کاغذات اُن کے سامنے رکھے۔ قائد اعظم نے اپنے سیکرٹری کی طرف ہل کر کہا۔

"امین! کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔"

انہوں نے سمجھا کہ شاید روشنی کم ہے۔ انہوں نے بجلی روشن کر دی۔ لیکن پڑھنے میں

ابھی بھی انہیں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ مزید روشنی کیلئے کھڑکی کے پردے بھی سرکا دیئے گئے لیکن قائد اعظم کا غذ کی عبارت اچھی طرح پڑھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ انہوں نے سیکرٹری فرخ امین کو حکم دیا کہ انہیں بٹھایا جائے۔ اُن کی کمر کے پیچھے دو ٹیکے رکھ کر انہیں بٹھانے کی کوشش کی گئی۔ یہ کوشش ناکام رہی۔ فرخ امین نے ہمت اور حوصلہ سے انہیں پیچھے سے پکڑ کر بٹھانے کی کوشش کی وہ لکھتے ہیں۔

"اُس وقت میرے دل کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے میں نے شیشے کی بہت نازک چیز پکڑ رکھی ہے اور میری ذرا سی کوتاہی سے اس نازک شیشے میں بال پڑ جائے گا۔"

وہ بڑی مشقت سے قائد اعظم کو بٹھاسکے اور قائد اعظم نے بھی انتہائی مشکل سے "تکلیف سے اپنی زندگی کے آخری دستخط کئے۔" 30

اُن کی حالت بہت نازک تھی۔ ایسے لحاظ میں بھی مملکت کے کاموں کیلئے وہ حوصلہ، ہمت باندھ لیتے تھے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر عام طور پر اُن کا شاف اور بالخصوص اُن کے سیکرٹری اُن کی خدمت میں نہ جاتے تھے۔ کیونکہ انہیں دیکھتے ہی انہیں کوئی نہ کوئی سرکاری کام آ جاتا تھا۔ 31

قائد اعظم کے آخری ملاقاتی چوہدری محمد علی سیکرٹری جنرل حکومت پاکستان تھے۔ انہیں انہوں نے خود بلوایا تھا۔ وہ 9 ستمبر کو اُن سے ملے۔ قائد اعظم نے اُن سے کشمیر کی تازہ ترین صورت حال سے آگاہی حاصل کی اور آئندہ پالیسی کیلئے ہدایات دیں۔ انہوں نے اپنی ملاقات کے بارے میں محترم جی الانا کو بتایا کہ

"انہیں سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔ اُن کا چہرہ زرد تھا۔ وہ بُری طرح نڈھال تھے۔ لیکن اپنی علالت اور شدید نقاہت کے باوجود اُن کا ذہن حسب معمول بجلی کی طرح کام کر رہا تھا۔" 32

وہ اپنی تصنیف ظہور پاکستان میں اس ملاقات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "وہ بستر علالت پر تھے۔ اُن کا عزم اُسی طرح بلند تھا۔ اُن کی آنکھوں میں وہی چمک تھی اور اپنی قوم کے مقدر میں انہیں پہلے کی طرح یقین تھا۔ جو ہمیشہ اُن کا منفرد وصف رہا تھا۔" 33

قائد اعظم کی انتہائی علالت کے دوران حیدر آباد دکن کے مشہور صنعت کار وزیر اعظم میر لائق علی (1971ء-1903ء) حیدر آباد دکن پر ہندوستان کی متوقع فوج کشی پر حکومت پاکستان کا رد عمل معلوم کرنے کیلئے انتہائی رازداری سے پاکستان آئے، وہ قائد اعظم سے ہدایات لینے کیلئے کوئٹہ بھی گئے۔ قائد اعظم اُس وقت شدید بیمار تھے۔ اُن میں کسی سے بات کرنے کی ہمت نہ تھی۔ ڈاکٹروں نے میر لائق علی کو اُن سے ملنے کی اجازت نہ دی اور وہ بے نیل و مرام واپس لوٹ آئے۔ 34

یہ وہی شخصیت تھی جس کے بارے میں قائد اعظم کے سیکرٹری فرخ امین نے انتہائی رازداری رکھی تھی اور ڈاکٹر کرنل الہی بخش کو بھی اُن کے مقام و مرتبے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اُس کا ذکر ڈاکٹر کرنل الہی بخش نے اپنی یادداشت میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"ایک دن مسٹر امین نے آ کر ایک بہت اہم شخص کے قائد اعظم سے ملنے کی اجازت مانگی جو اُس وقت خاص ہوائی جہاز سے پہنچے تھے۔ میں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک قائد اعظم کی جان سے زیادہ کوئی بات اہم نہیں اور میں کسی کو اُن سے ملاقات کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا، مسٹر امین ایک بار پھر یہی درخواست لے کر آئے اور کہنے لگے کہ اس ملاقاتی کو ایک بہت بڑے معاملے میں قائد اعظم سے گفتگو کرنی ہے۔ میں نے نام پوچھا تو امین صاحب نے کہا کہ یہ راز کی بات ہے، میں اُسے افشاء نہیں کر سکتا۔ میں نے

اس دفعہ بھی انکار کر دیا۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد جب مجھے اُن صاحب کا نام معلوم ہوا، تو میں نے بڑا شکر کیا کہ ملاقات نہ ہونے دی ورنہ اس گفتگو سے قائد اعظم کی صحت پر بہت بُرا اثر پڑتا اور وہ شاید اُس کے صدمے سے جانبر نہ ہوتے، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُس ملاقات سے سیاسی حالات کی رفتار پر کیا اثر پڑتا۔ کیوں کہ کسی کو علم نہیں کہ قائد اعظم اُس ملاقاتی کو کیا مشورہ دیتے۔ میرا تو اُس واقعے سے صرف ڈاکٹر کی حیثیت سے سروکار تھا اور میں نے وہی کیا جو اپنے مریض کے حق میں مناسب سمجھا۔" 35

حیدر آباد کن کو قائد اعظم کی ذات سے بڑا اتقیت تھی۔ جب تک وہ زندہ رہے ہندوستان کو اُس پر جارحیت کی ہمت نہ ہوئی تھی مگر اُن کی وفات کے فوری بعد ہندوستان نے فوج کشی کر کے 17 ستمبر کو حیدر آباد کن پر قبضہ کر لیا۔ اُن دنوں پاکستان اپنے مسائل کے ساتھ ساتھ اپنے قائد کی موت کے صدمے سے دوچار تھا اور اس حیثیت میں نہ تھا کہ وہ جواباً فوج کے ذریعے حیدر آباد کن کی مدد کر سکتا۔ یہ اس لئے بھی ممکن نہ تھا کہ حیدر آباد کن کی سرحد کسی طور بھی پاکستان کے ساتھ نہیں ملتی تھی۔

10 ستمبر کو ڈاکٹروں نے باہمی صلاح و مشورے کے بعد محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ قائد اعظم کی تیزی سے گزرتی ہوئی حالت کے متعلق تبادلہ خیال کیا۔ اُن کے کمزور دل کے لئے کوئٹہ کی بلندی نامناسب تھی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ انہیں جلد سے جلد کراچی لے جانے کا بندوبست کیا جائے۔ 36 اس سے قبل بھی ان قباحتوں کے پیش نظر جو اُن کے کوئٹہ میں وفات پا جانے سے رونما ہوئیں، سوچا گیا تھا کہ انہیں کراچی پہنچا دیا جائے، لیکن اُن کی حالت کو سنبھلتا دیکھ کر یہ ارادہ ترک کر دیا گیا۔۔۔ لیکن اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

11 ستمبر کو صبح گورنر جنرل پاکستان کا خصوصی طیارہ وائی کنگ کوئٹہ پہنچ گیا۔ کراچی روانگی

سے قبل ڈاکٹر کرمل الہی بخش نے جہاز کا معائنہ کرنا ضروری سمجھا۔ اُن کے مشورے سے ہوائی جہاز کی دو نشستوں کو بستر کی شکل دے دی گئی۔ جہاز میں آکسیجن کی مقدار ذرا کم تھی۔ چنانچہ ملٹری ہسپتال سے ایک اور سیلنڈر کا بندوبست کر لیا گیا۔ قائد اعظم کو جہاز کے ہچکولوں سے کیسے بچایا جائے۔ اس سلسلے میں جہاز کے انگریز پائلٹ سکواڈرن لیڈر آر۔ ہیری سن سے مشورہ کیا گیا۔ 37 اور روانگی کی تیاریوں کے بعد قائد اعظم کو مطلع کیا گیا۔

ڈاکٹر کرمل الہی بخش لکھتے ہیں کہ جیسے ہی میں کمرے میں داخل ہوا اور انہیں سلام کیا انہوں نے میری طرف دیکھا اور نحیف سا تبسم اُن کے چہرے پر ظاہر ہوا۔ وہ بہت ہی نحیف و نزار نظر آ رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں کی چمک مانند پڑ گئی تھی۔ مجھے کھڑا دیکھ کر انہوں نے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُن سے میری یہ باتیں ہوئی۔

"کیا آپ کراچی تشریف لے جانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں"

"کیا آپ آج ہی روانہ ہونا پسند فرمائیں گے؟"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"جہاز تیار کھڑا ہے اجازت ہو تو ابھی روانہ ہو جائیں۔"

قائد اعظم نے نحیف آواز میں جواب دیا۔

"بہت اچھا۔"

اُن کی رضامندی سے مجھے بڑا اطمینان ہوا۔ لیکن ساتھ ہی حیرت ہوئی کہ اتنی جلدی وہ کیسے کراچی جانے کے لیے رضامند ہو گئے۔ ہم نے انہیں نہیں بتایا تھا کہ اُن کی حالت کتنی نازک ہے مگر معلوم ہوتا تھا کہ انہیں اپنے بچنے کی امید نہیں رہی تھی اور اسی لیے وہ آخری وقت اپنی جائے پیدائش کا رخ کر رہے تھے۔ 38

محترمہ فاطمہ جناح لکھتیں ہیں کہ جب میں نے اپنے بھائی کو ڈاکٹروں کے اس

مشورے کے متعلق بتایا تو انہوں نے کہا۔

"ہاں۔۔۔ مجھے کراچی لے چلئے۔"

"میں وہاں پیدا ہوا۔۔۔ میں وہیں۔۔۔ دفن ہونا چاہتا ہوں۔"

اُن کی آنکھیں بند تھیں، وہ نیند میں سرگوشی کر رہے تھے۔

کشمیر۔۔۔ اُنہیں فیصلہ کرنے کا حق دیجئے۔

آئین۔۔۔ میں اُسے جلد ہی مکمل کروں گا۔

مہاجرین۔۔۔ انہیں ہر ممکن امداد دیجئے۔

پاکستان۔۔۔ 39

اُس دن اُن کا سانس صبح ہی سے اکھڑا ہوا تھا۔ انہوں نے خوراک بھی نہیں کھائی تھی۔ اُن کی نقاہت میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا اور حالت بہت نازک تھی۔ تمام تیاریاں مکمل کرنے کے بعد محترمہ فاطمہ جناح، ڈاکٹر ریاض علی شاہ، ڈاکٹر ایم اے مسٹری، ڈاکٹر کرمل الہی بخش، سر فلیس ڈنہم، دونوں اے ڈی سی اور اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری فرخ امین قائد اعظم کورینڈینیسی کوئٹہ سے لے کر دو بجے پہر ایئر پورٹ پر پہنچ گئے۔ والی کنگ کے پائلٹ اور دوسرے عملے نے انہیں سلامی دی۔ قائد اعظم نے انتہائی نقاہت کے باوجود لیٹے لیٹے اُن کے سلوٹ کا جس طرح جواب دیا وہ معالجوں کیلئے بڑی حیرت کی بات تھی۔ کیونکہ اُن کی کیفیت یہ تھی کہ وہ بستر پر کروٹ لیتے ہوئے دقت محسوس کرتے تھے اور بڑی کوشش کے باوجود کھانسی بھی نہ کر سکتے تھے اور یہ بات حیرت کی تھی کہ ناتوانی میں سلامی کا اس سرگرمی سے جواب دینے کی طاقت اُن میں کہاں سے آئی تھی۔ اُن کے ہاتھ کی اس قابل یادگار جنبش سے صاف ٹپکتا تھا کہ بستر مرگ پر بھی وہ نظم و ضبط کے تقاضے سے غافل نہ تھے۔ 40

کوئٹہ سے کراچی تک کا یہ سفر قائد اعظم کیلئے اذیت سے کم نہ تھا۔ جہاز کے اندر کافی گرمی تھی۔ راستے میں انہیں بار بار آکسیجن کی ضرورت پڑتی رہی۔ یہ فریضہ کبھی محترمہ فاطمہ جناح

اور کبھی ڈاکٹر کرمل الہی بخش سرانجام دیتے رہے۔ انہیں سانس لینے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ گھبراہٹ سے اپنے اوپر کپل کو بار بار پھینک رہے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح کہتی ہیں کہ انہوں نے سانس میں دشواری محسوس کرتے ہوئے اُن کے گیس ماسک لگایا تو انہوں نے ہاتھ سے پرے ہٹا دیا اور انہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ اُن سے کہہ رہے ہوں۔

"اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔" 41

☆☆☆

ماڑی پور سے گورنر جنرل ہاؤس تک

وائی کنگ تیسرے پہر چار بج کر پندرہ منٹ پر ماڑی پور ایئر پورٹ (موجودہ مسرور ٹیس) پر اترے۔ 1 ملٹری سیکرٹری کرنل جیفرے نوٹو عملے کے چند افراد کے ہمراہ گورنر جنرل پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے معالجوں کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ ایئر پورٹ سنسان اور ویران تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح کو یاد آ رہا تھا کہ صرف ایک برس قبل جب وہ آزادی کی نوید لے کر یہاں اترے تو اس دن ان کے استقبال کو پورا کراچی اُٹھ آیا تھا اور فلک شکاف نعروں سے فضا گونج رہی تھی۔ سب چھوٹے بڑے، اعلیٰ و ادنیٰ ان کی راہ میں دیدہ و دل فرس راہ کئے ہوئے تھے۔ وہ (قائد اعظم) انتہائی پُر امید اور پُر اعتماد قدموں سے چلتے ہوئے انتہائی خوشی میں سرشار ہجوم کے قریب آئے تھے، وہ جانتے تھے کہ ان خوشیوں کی کتنی قیمت چکانی پڑی تھی۔ ان کے دل میں عزم تھا کہ اس قوم کو عظیم قوم بنانا ہے۔

آج بھی ان کی آخری سانسوں میں یہی عزم تھا۔ آج ان کے استقبال کے لئے کوئی ہجوم ایئر پورٹ پر موجود نہ تھا۔ کوئی وزیر، مشیر، سفیر حتیٰ کہ ان کے پرانے رفیق اور وزیر اعظم پاکستان خان لیاقت علی خان ان کے استقبال کو موجود نہ تھے۔ انہوں نے سختی سے منع کر رکھا تھا کہ کسی کو مطلع نہ کیا جائے۔ 2 ان کی آمد کی اتنی رازداری رکھی گئی تھی کہ وزیر اعظم سمیت، ایڈمنسٹریٹر کراچی اور انسپکٹر جنرل پولیس جیسے حساس اداروں کو بھی ان کی آمد کی خبر نہ تھی۔

اُس دن کے منظر کو یاد کرتے ہوئے لیفٹیننٹ کرنل جیفرے نوٹو (ملٹری سیکرٹری) لکھتے

ہیں۔

"میں نے قائد اعظم کے سٹریچر کو ہوائی جہاز سے باہر آتے

دیکھا۔ جب سٹریچر کا رخ سورج کی طرف ہوا تو قائد اعظم نے اپنا

ہاتھ چادر میں سے نکالا اور آہستہ سے اٹھا کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔

تاکہ سورج کی روشنی اُن پر نہ پڑے۔" 3

وہ اتنے لاغر ہو چکے تھے کہ انہیں سورج کی روشنی بھی بوجھل لگتی تھی۔ انہیں سٹریچر کے ذریعے ایسبویٹنس میں منتقل کیا گیا۔ محترمہ فاطمہ جناح اور سسر فلز ڈنہم ایسبویٹنس میں ان کے ہمراہ سوار ہوئیں۔ ڈاکٹر مسٹری، ڈاکٹر کرنل الہی بخش اور ملٹری سیکرٹری گورنر جنرل کی کار میں سوار ہوئے۔ ملازم سامان کے ساتھ ٹرک میں بیٹھ گئے۔ ایئر پورٹ سے گورنر جنرل ہاؤس تک تقریباً نو میل کا فاصلہ تھا۔ اس وقت یہ سارا راستہ غیر آباد تھا۔ تاہم ٹرک کے آس پاس بھارت سے کراچی منتقل ہونے والے مہاجرین کی جھگیاں اور کچھ بستیاں تھیں۔ ایسبویٹنس نے تقریباً چار میل کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ اس کا انجن ایک جھٹکے کے ساتھ بند ہو گیا۔ قائد اعظم کی اس وقت حالت اس قابل نہ تھی کہ راستے میں بلاوجہ زکا جاتا۔ محترمہ فاطمہ جناح بتاتی ہیں کہ وہ پانچ منٹ ایسبویٹنس میں انتظار کرنے کے بعد باہر نکلیں تو انہیں بتایا گیا کہ گاڑی میں پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ 4 ڈاکٹر کرنل الہی بخش کے مطابق انجن خراب ہو گیا تھا۔ 5 ایسبویٹنس کا ڈرائیور بیس منٹ تک انجن کو درست کرنے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ ٹھک آ کر محترمہ فاطمہ جناح نے ملٹری سیکرٹری کو ایک دوسری ایسبویٹنس لانے کے لئے روانہ کیا۔ ڈاکٹر ایم۔ اے مسٹری بھی اُن کے ساتھ گئے۔

انہیں کار میں منتقل کرنا مشکل تھا کیونکہ اُن کا سٹریچر کار کے دروازے سے بڑا تھا۔ وہ اتنے کمزور تھے کہ کار کی پچھلی سیٹ پر نہیں لیٹ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اُن کے کپڑے پسینے میں شرابور تھے اور باہر انہیں ہوا لگنے کا خطرہ تھا۔ 6 عام طور پر کراچی میں تیز سمندری ہوائیں چلتی رہتی ہیں جن کے باعث درجہ حرارت کم رہتا ہے اور گرم موسم کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ مگر اس روز سمندری ہوائیں نہیں چل رہی تھیں۔ اس تکلیف دہ موسمی صورت پر مستزاد وہ بیسیوں کھیاں تھیں جو اُن کے چہرے کے ارد گرد منڈا رہی تھیں ان میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ اپنا ہاتھ اُن کے

حملے سے بچنے کے لئے اٹھائیں۔ 7 سسٹمز ڈنہم نے اپنی ذات کے حوالے سے جو روداد بیان کی ہے وہ بڑی دلگداز ہے۔

"ہم مہاجرین کی بستی اور اُس کی کچھڑ سے زیادہ دور نہ تھے اور کھیلوں نے ہمیں گھیر لیا تھا۔ میں نے ایک دفعتی (گتہ) کا کلرا ڈھونڈ نکالا۔ اُس سے سسٹمز جناح کے منہ پر پٹکھا جھلنے لگی اور اس اثناء میں اُنہوں نے میری دلجوئی اس انداز سے کی کہ میں ساری عمر نہیں بھول سکتی۔ اُنہوں نے اپنا بازو چادر میں سے نکالا اور اپنا ہاتھ میرے بازو پر رکھ دیا۔ وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکے۔ لیکن اُن کی آنکھوں میں اُن کے جذبہ تشکر کا پوری طرح اظہار ہو رہا تھا۔ میں اُن کی جو خدمت کر سکی تھی یہ ایک نگاہ اُس کا مکمل صلہ تھی۔ اس سے بہتر صلہ مجھے کیا مل سکتا تھا۔ اُس وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ قائد اعظمؒ کی ساری روح اُن کی آنکھوں میں اُتر آئی ہے۔" 8

جس جگہ ایسبولینس خراب ہوئی وہاں قریب ہی مہاجرین کی سینکڑوں جھوپڑیاں تھیں۔ وہ لوگ اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ اُنہیں کیا خبر تھی کہ اُن کا قائد جس نے اپنے وعدے کے مطابق ایک وطن دلایا تھا۔ اس وقت ایک ایسبولینس میں لیٹا ہوا تھا۔ آتی جاتی کاریں ہارن بجاتی گزر رہی تھیں۔ بسیں اور ٹرک آ جا رہے تھے۔ لیکن قائد اعظمؒ بے بسی کے عالم میں ایسبولینس میں لیٹے ہوئے تھے۔ ایک قیمتی زندگی کا انجام قریب تر آ رہا تھا۔ ہر سانس کے ساتھ زندگی گھٹتی جا رہی تھی۔ 9 خود قائد کو بھی اس حقیقت کا احساس نہ تھا کہ وہ لہار اور کے نزدیک تھے۔ جہاں بچپن میں وہ کبھی اپنے لہے اور پتلے ہاتھوں سے بڑی مہرتی سے گولیاں کھیلتے تھے۔ کرکٹ کھیلتے تھے اور لٹو گھماتے تھے۔ سسٹمز ڈنہم اور محترمہ فاطمہ جناح باری باری اُن کے چہرے پر سے کھیاں اُڑا رہی تھیں۔ انتظار کا ایک ایک لمحہ کرب میں گزر رہا تھا۔ اور وہ راضی راضی ہو کر دوسری

گاڑی کا انتظار کرنے پر مجبور تھیں۔ 10 کرٹل ڈاکٹر الٹی بخش یہ سوچ کر کانپ رہے تھے کہ یہ کتنی ستم ظریفی ہوگی کہ وہ فضائی سفر میں تو سلامت رہے لیکن سڑک کے کنارے دم توڑ گئے۔ 11

کراچی آنے سے قبل اُنہوں نے تھوڑا سا پھلوں کا رس پیا تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح نے فلاسک میں سے گرم چائے نکال کر اُنہیں چمچے سے پلائی۔ چائے پی کر اُن کی طبیعت بحال ہو گئی۔ بڑے صبر آزمات انتظار کے بعد ایسبولینس نمودار ہوئی۔ انتظار کا یہ ایک گھنٹہ قیامت سے کم نہ تھا۔ اُنہیں دوسری ایسبولینس میں منتقل کیا گیا۔ یہ قافلہ تقریباً چھ بج کر دس منٹ پر گورنر جنرل ہاؤس پہنچا۔ ایر پورٹ سے گورنر جنرل ہاؤس کا فاصلہ چھ منٹ کا تھا جو کہ تقریباً دو گھنٹے میں طے ہوا۔ یعنی دو گھنٹے کو سب سے کراچی اور دو گھنٹے ماڑی پور ایر پورٹ سے گورنر جنرل ہاؤس تک۔ اگر خدا خواستہ قائد اعظمؒ نے ہوائی سفر بخیر و خوبی طے کرنے کے بعد سڑک کے کنارے جان دے دی ہوتی تو کتنا بڑا سانحہ ہوتا اور یہ قوم کتنی شرمسار رہتی۔ 12

ایسبولینس کی خرابی کے اتفاق پر بہت سی کہانیاں اور افسانے بنے، قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی کراچی واپسی کا انتظام، اُن کے ملٹری سیکرٹری کرٹل جفرے نوٹز کر رہے تھے۔ اُنہوں نے قائد اعظمؒ اور محترمہ فاطمہ جناح کی ہدایت پر اس سفر کو خفیہ رکھا تھا اور بیمار قائد کو ایر پورٹ سے لانے کیلئے کسی سرکاری یا حکومتی ادارے کی ایسبولینس کی بجائے کراچی ریڈ کر اس کی ایسبولینس کا انتظام کیا تھا۔ اُن کی دانستہ یا اتفاقی غلطی یہ تھی کہ اُنہوں نے بریک ڈاؤن (فالتو) ایسبولینس کا انتظام نہیں کیا تھا۔ جو کہ بالعموم اعلیٰ شخصیات کیلئے خصوصی طور پر کیا جاتا ہے۔ لیکن فوج کے تربیت یافتہ افراد بہت باتدبیر سمجھے جاتے ہیں۔ اُنہیں ہنگامی حالات سے بچنے کی خصوصی تربیت ہوتی ہے۔ یہ بات بڑی حیرت کی ہے کہ اس سنگین صورت حال میں اُنہوں نے قائد اعظمؒ کو دوسری گاڑی میں منتقل کیوں نہ کیا۔ اگرچہ وہ بہت کمزور تھے اور اُن کا جسم پسینے سے شرابور تھا لیکن وہ موقع ایسا تھا کہ محترمہ فاطمہ جناح کو اعتراض نہ ہوتا اور محترم قائد بھی یقیناً انکار نہ کرتے اور تو اور گاڑی کو کسی دوسری گاڑی کے ساتھ منسلک (ٹو چین) کر کے لے جایا جاسکتا تھا۔ اس میں ممکن تھا کہ بیمار

قائد کو ایک آدھ جھکا محسوس ہوتا لیکن یہ اُس اذیت سے کہیں کم ہوتا جو انہوں نے وہاں دوسری ایسبولینس کے انتظار میں برداشت کی تھی۔

یہ بات الگ حیران کن ہے کہ گورنر جنرل جو کہ بابائے قوم بھی تھے۔ سو اچار بجے ایئر پورٹ پہنچ چکے تھے۔ چند منٹوں کے فاصلے پر اُن کی رہائش گاہ تھی۔ یقیناً اُن کا علم وہاں اُن کا منتظر تھا۔ وہ بروقت اپنی رہائش گاہ پر نہیں پہنچ رہے تھے۔ کسی کو کوئی تشریح نہ تھی۔ کوئی پریشان ہو کر تحقیقات کیلئے نہ نکلا۔ کسی کا بھی ٹیلی فون یا وائر لیس پر ایئر پورٹ سے کوئی رابطہ نہ تھا۔

اس واقعے کا تمام تر الزام لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان کے سر آیا۔ بالخصوص لیاقت علی خان مخالف عناصر اس معاملے میں پیش پیش تھے۔ وہ تحریر تقریر قائد اعظم کی طبعی موت کو ممکنہ قتل کا رنگ دیتے رہے اور اس سلسلے میں ایسبولینس کی خرابی والے واقعے کو خصوصی طور پر اچھالتے رہے۔ وہ اس کے پس منظر میں نام نہاد اختلافات کو پیش کرتے تھے جو بقول ان لوگوں کے دونوں لیڈروں کے درمیان پاکستان کے قیام ہی سے شروع ہو گئے تھے۔ اُن کی فراہم کردہ مشکوک بنیادوں پر ہمارے ملکی اور غیر ملکی مؤرخ اور محقق بھی رائی کا پہاڑ بنانے میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔ اگر خدا خواستہ قائد اعظم محمد علی جناح کی زندگی میں لیاقت علی خان کے قتل کا سانحہ وقوع پذیر ہو جاتا تو یقیناً یہی احباب انتہائی "خصوص و خشوع" کے ساتھ اس الزام اُن پر لگا دیتے اور دونوں کے درمیان اختلافات کی بھی کوئی فرضی کہانی ثبوت کے طور پر مہیا کر دیتے۔ یہاں چند ذمہ دار لوگوں کا حال دیکھئے جو اس واقعے کے تقریباً 31 سال بعد تنقید کر رہے تھے۔ مثلاً سابق وزیر قانون و اٹارنی جنرل پاکستان جناب شریف الدین پیرزادہ نے 12 ستمبر 1979ء کو ہفت روزہ "ملت اسلام آباد" کو ایک انٹرویو میں کہا کہ

قائد اعظم کے ساتھ اُن کی علالت کے آخری دور میں واقعی انتہائی افسوس ناک سلوک کیا گیا۔ انہیں وہ سہولتیں بہم نہیں پہنچائی گئیں جو اس ملک کے قومی ہیرو کو مہیا کی جانی چاہیے تھیں۔ جب وہ کوئٹہ سے

کراچی آئے تو اُن کے لئے دانستہ طور پر ایک انتہائی ناکارہ ایسبولینس بھیجی گئی جو راستے میں خراب ہو گئی۔ قائد اعظم نے ڈرائیور سے کہا کہ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ جس پر انہیں ایسبولینس بے نکال کر باہر دھوپ میں، فٹ پاتھ پر ایک سٹریچر پر لٹا دیا گیا۔ میں کہوں گا کہ وہ اپنی طبعی موت نہیں مرے بلکہ اُنہیں مروایا گیا۔۔۔ کس نے مروایا؟ نام لینا کیا ضروری ہے۔ 13

وہ قائد اعظم کو "مقتول" ثابت کرنے کے جوش میں تاریخی حقائق فراموش کر گئے۔ نہ محترمہ فاطمہ جناح نے اور نہ ہی ڈاکٹر کرمل الہی بخش نے (دونوں احباب اس سفر میں شریک تھے) اپنی یادداشتوں میں فٹ پاتھ پر لٹائے جانے کا ذکر کیا ہے۔ جناب شریف الدین پیرزادہ صاحب نے مزید فرمایا۔

ایک پورا ٹولہ تھا جو قائد اعظم کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ لوگ شروع ہی سے قائد اعظم کے خلاف سازشیں کر رہے تھے اور قائد اعظم بھی سب کچھ جانتے تھے۔ مثال کے طور پر لیاقت علی خان قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل ڈیپائی (بھولا بھائی ڈیپائی، م۔ 6 مئی 1946ء) سے کچھ امور پر باتیں کیں۔ تو ڈیپائی نے لیاقت علی خان سے کہا تم تو مان رہے ہو مگر محمد علی جناح کو کون راضی کرے گا؟ لیاقت علی خان نے جواب دیا کہ جناب۔ جناح مزید ڈیڑھ سال سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ 14

انہوں نے اپنے انٹرویو میں دعویٰ کیا تھا کہ اُن کے پاس حقائق کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں اور وہ مناسب موقع پر ان سب کے بارے میں ضرور لکھیں گے۔ لیکن تا حال اُن کی طرف سے دستاویزی ثبوت منظر عام پر نہیں آئے۔۔۔ یا شاید اُن کی پسند کا مناسب موقع انہیں

میسر نہیں آیا ہے۔

اُن کی تقلید میں سابق ایئر کموڈور ایم کے جنجوعہ بھی پیچھے نہ رہے۔ چند ہی دن بعد 19 اکتوبر 1979ء کو کراچی کے ایک کثیر الاشاعت اخبار روزنامہ جنگ میں اُن کا بیان شریف الدین پیرزادہ کو تقویت دے رہا تھا۔ اُنہوں نے اخبار کو بتایا کہ

وہ قائد اعظمؒ کی وفات کے روز یعنی 11 ستمبر 1948ء کو بحیثیت پاک فضائیہ کے قائم مقام کمانڈر انچیف کے وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خان کی رہائش گاہ پر ایک کانفرنس میں شامل تھے جو تمام دن جاری رہی، وہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ اور ونگ کمانڈر اصغر خان (ریٹائرڈ ایئر مارشل) دونوں شاف کار میں ماڑی پور ایئر ہیڈ کوارٹرز روانہ ہو گئے۔ جب وہ آبادی کے باہر ٹھہروں کے گاؤں کے سامنے سے گزرے تو انہیں سڑک کے کنارے ایک ایبویٹنس خستہ حال میں نظر آئی۔ اُن کا ارادہ تھا کہ وہ رُک کر پوچھتے کہ انہیں کوئی ضرورت ہے، لیکن ایبویٹنس کے سامنے کھڑے آدمی نے انہیں گزر جانے کا اشارہ دیا۔ کار کی رفتار بہت سُست ہو چکی تھی۔ گزرتے وقت ونگ کمانڈر اصغر خان نے مڑ کر دیکھا اور انہیں بتایا کہ "اس میں قائد اعظمؒ ہیں اور اُن کا سر فاطمہ جناح کی گود میں ہے اور یوں لگتا ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں" انہوں نے جُء کر دیکھا تو انہیں بھی ایسا ہی لگا۔ لیکن انہیں جانے کا اشارہ دیا جا رہا تھا۔ 15

ایئر کموڈور جنجوعہ اور اُس وقت کے ونگ کمانڈر اصغر خان دونوں ہی ذمہ دار لوگ تھے۔ یہ بات بڑی حیرت کن ہے کہ بابائے قوم کو شناخت کر لینے کے باوجود۔۔۔ یہ قیاس کر لینے کے

بعد بھی کہ وہ وفات پا گئے ہیں۔۔۔ انہوں نے رُکنا گوارا نہ کیا اور صورت حال کی تصدیق نہیں کی۔ ایئر کموڈور جنجوعہ کا 13 اگست 1982ء کو دل کا دورہ پڑنے سے لندن میں انتقال ہو گیا۔ لیکن ایئر مارشل اصغر خان اُس وقت کے ونگ کمانڈر تھا حال زندہ ہیں وہ اس واقعے کی تائید یا تردید کا حق رکھتے ہیں۔ اُن کی وضاحت سے صورت حال بہت حد تک واضح ہو سکتی ہے۔

ایئر کموڈور ایم کے جنجوعہ لیاقت علی خان کے دور میں راولپنڈی سازش میں ملوث تھے۔ وہ اس الزام میں گرفتار ہوئے اور انہیں عدالت کی طرف سے سزا بھی ہوئی۔ رہائی کے بعد وہ لیاقت علی خان کی کردار کشی کرتے رہتے تھے۔ راولپنڈی سازش کیس کے آئینے میں اگر اُن کے الزامات کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے تو وہ بہتان سے زیادہ نہیں ہیں۔ تاہم اس قسم کے الزامات سے وہ لوگ آسانی سے گمراہ ہو جاتے ہیں جو کسی الزام کو واقعاتی کسوٹی پر پرکھنے کا ہنر نہیں جانتے۔

قائد اعظمؒ کی وفات کے بعد محترمہ فاطمہ جناح اور لیاقت علی خان کے تعلقات میں سرد مہری کی وجہ نام نہاد لیاقت جناح اختلافات نہ تھے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت پاکستان نے قائد اعظمؒ کے جہلم سے قبل اُن سے گورنمنٹ ہاؤس (گورنر جنرل ہاؤس) خالی کرنے کا تقاضا کیا تھا۔ کیونکہ نئے گورنر جنرل کو اس کی ضرورت تھی۔ یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب ہو گا کہ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی پہلی دو برسیوں کے موقع پر محترمہ فاطمہ جناح کا ریڈیو پر کسی قسم کا خطاب نشر نہ ہوا۔ کیونکہ انہوں نے یہ شرط رکھی ہوئی تھی کہ وہ براڈ کاسٹ سے پہلے اپنی تقریر کا متن کسی کو نہیں دکھائیں گی۔ حکومت یہ شرط ماننے پر آمادہ نہ تھی۔ تاہم تیسری برسی کے موقع پر انہیں اجازت مل گئی۔ کہ وہ تقریر پہلے سے سنسکر کیے بغیر ریڈیو سے براہ راست نشر کر سکتی ہیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ دورانِ تقریر ٹرانسمیشن خراب ہو گئی اور اُن کی تقریر کے کچھ فقرے صحیح نشر نہ ہو سکے۔ اس بات پر بڑا شور مچا ہوا۔ اخبارات میں بڑے احتجاجی بیانات بھی آئے۔ اگرچہ ریڈیو پاکستان کے حکام کا مؤقف یہی تھا کہ ٹرانسمیشن کی رُکاوٹ کی وجہ یہ تھی کہ اچانک بجلی چل گئی تھی۔ لیکن اس بات کا یقین کرنے کو کوئی تیار نہ تھا۔ سب کا یہی خیال تھا کہ محترمہ فاطمہ جناح کی تقریر میں ضرور ایسی بات

تھی جسے حذف کرنے کیلئے یہ سارا ڈھونگ رچایا گیا تھا۔ اس واقعہ کو بھی لیاقت جناح اختلافات سے منسوب کیا گیا۔ نشریہ کی خرابی کو جس طرح لیاقت حکومت کے خلاف استعمال کیا گیا۔ شاید اتنا نقصان محترمہ فاطمہ جناح کے تنقیدی جملوں سے نہ ہوتا۔¹⁶

اگر کہیں لیاقت جناح اختلافات اس نوعیت کے ہوتے جو قائد کی موت پر منتج ہوئے ہوتے تو یقیناً محترمہ فاطمہ جناح اُسے کبھی نہ کبھی ضرور آشکار کرتیں۔ وہ لیاقت علی خان کی وفات کے بعد 16 سال حیات رہیں انہوں نے کبھی تحریر یا تقریر اس بات کا اشارہ نہیں دیا کہ لیاقت علی خان اُن کے بھائی کی بے وقت موت کے ذمہ دار تھے۔ وہ چاہتیں تو اس بات کو 1964ء کے اپنے صدارتی انتخابات میں اچھال کر فوائد حاصل کر سکتی تھیں۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے اپنے کاغذات اور اپنے مسودے "میرا بھائی My Brother" میں جو انہوں نے محترم جی الائن کے تعاون سے مرتب کیا تھا، کہیں الزام نہیں لگایا ہے۔ صرف ایک واقعہ زیارت میں قائد اعظم کی بیماری کے دوران کا ہے۔ جب لیاقت علی خان، چوہدری محمد علی کے ہمراہ عیادت کیلئے آئے۔ تو وہ اُن کے حوالے سے لکھتیں ہیں کہ قائد اعظم نے مسکرا کر اُن سے کہا تھا۔

"تم جانتی ہو وہ کیوں آئے ہیں؟ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میری علالت کتنی شدید ہے، میں کتنا عرصہ زندہ رہ سکتا ہوں۔ تم نیچے جاؤ اور پرائم فشر سے کہہ دو کہ میں انہیں ابھی ملوں گا۔"

اُن دنوں قائد اعظم مسلسل بیماری کی وجہ سے زور درنج تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی انہیں بیماری میں معذور اور لاچار دیکھے، انہوں نے خصوصی ہدایت کی ہوئی تھی کہ اُن کی بیماری کو پوشیدہ رکھا جائے۔ اسی وجہ سے وہ زیارت میں مقیم تھے اور صرف محدود لوگوں سے مل رہے تھے۔ اُس دن جب وزیراعظم پاکستان اُن سے ملنے کیلئے گئے وہ اسی زور درنجی کی کیفیت کا شکار تھے۔

گورنر جنرل ہاؤس پہنچ کر ڈاکٹروں نے قائد کی حالت کا جائزہ لیا۔ اُن کا ٹمبر پچر نارمل تھا۔ نبض اعتدال پر تھی۔ وہ سکون سے سوئے ہوئے تھے۔ اُن کی حالت کو بہتر دیکھ کر ڈاکٹر مستری

اجازت لے کر ایک گھنٹہ کیلئے اپنے گھر چلے گئے اور ڈاکٹر کرنل الہی بخش اینما (Enema) کا سامان اور رات کیلئے نرس کا بندوبست کرنے کیلئے، جناح سنٹرل ہسپتال کراچی چلے گئے۔ قائد اعظم کو کراچی لانے کا فیصلہ اتنا فوری اور جلدی ہوا تھا کہ کراچی میں اُن کے لئے کسی قسم کی طبی سہولت کیلئے ہدایات نہ دی جاسکیں تھیں۔ یہ توقع تھی کہ نرس کا بندوبست بڑی آسانی سے ہو جائے گا لیکن وہ دن قائد اعظم سے محبت کرنے والوں کے لئے موافق ثابت نہیں ہو رہا تھا۔ ان کا جناح سنٹرل ہسپتال کے سرجن کرنل سعید احمد سے رابطہ ممکن نہ ہو سکا کیونکہ وہ اس وقت آپریشن میں مصروف تھے اور نرسز ہوم میں کوئی تجربہ کار نرس موجود نہ تھی اور نہ ہی وہاں وارڈن موجود تھی جو اُن کے لئے کسی تجربہ کار نرس کی تلاش میں معاون ثابت ہوتی۔ کراچی میں اُن کے تعلقات اور واقفیت بہت محدود تھے۔ انہیں رہ رہ کر یہ احساس ستا رہا تھا کہ وہ اس کا بندوبست کونسے سے کیوں نہ کر کے چلے تھے۔

اُن کی غیر حاضری میں کرنل جعفرے نولز ملٹری سیکرٹری نے نرس کا بندوبست کر لیا۔ جس کے بارے میں جان کر ڈاکٹر کرنل الہی بخش کو خاصا اطمینان ہوا۔ پونے نو بجے تک ہر چیز ٹھیک ٹھاک محسوس ہو رہی تھی۔ کسی بھی ایمرجنسی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ البتہ اُن کے ڈاکٹر یہ محسوس کر رہے تھے کہ آج کی رات بھاری ہے۔ حالات کو بظاہر اطمینان بخش دیکھ کر کرنل ڈاکٹر الہی بخش قریب ہوٹل میں کھانا کھانے چلے گئے۔ اُس دن انہوں نے قائد اعظم کی پریشانی میں ناشتے کے بعد کچھ نہیں کھایا تھا۔ وہیں ہوٹل میں انہیں یہ تشویشناک خبر ملی کہ بابا نے قوم کی حالت بگڑ گئی ہے۔ وہ فوراً گورنمنٹ ہاؤس پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ اُن کی نبض کمزور تھی اور بے قاعدہ چل رہی تھی اور انہیں ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔ یہ دیکھتے ہوئے انہوں نے فوراً انہیں دل کی دوا کا ٹیکہ لگایا اور خون کے دوران کو طاقت دینے والی دوائی پلائی۔ مگر دوائی اُن کے حلق سے نیچے نہ گئی اور منہ سے باہر آ گئی۔ وہ خون کے دل و دماغ کی طرف دورہ کی تدبیر کرنا چاہتے تھے۔ اس کیلئے بستر کو بالکسی کی طرف سے اونچا کیا جاتا ہے۔ بالعموم ایسے مریضوں کیلئے "Fowler Bed" خاص قسم

کی چار پائی ہوتی ہے۔ لیکن اتفاق سے گورنمنٹ ہاؤس میں اس کا بندوبست نہ تھا۔ کیونکہ وہ وہاں سے ایسی حالت میں کوئٹہ زیارت نہیں گئے تھے کہ ان چیزوں کا اہتمام ہوتا۔ دوسرا اُن کی آمد اور بیماری کو پوشیدہ رکھنے کی خاطر اُن کی آمد پر کسی قسم کی طبی سہولت کا پیشگی بندوبست نہیں کیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کرنل الہی بخش عقیدت اور جذبات میں خود پابندی اٹھانے لگے۔ 17 محترمہ فاطمہ جناح بھی لپک کر آئیں۔ وہ جانتے تھے کہ وہ حد درجہ کمزور تھیں وہ یہ برداشت نہ کر سکیں گی۔ انہوں نے انہیں منع کر دیا اور اُن سے درخواست کی کہ وہ کچھ اینٹوں یا لکڑی کے ٹکڑوں کا بندوبست کر دیں جو پابندی کے نیچے رکھ دیئے جائیں۔ ایسی چیزوں کا وہاں ملنا بہت مشکل تھا۔ انہوں نے فوراً وہاں سے کچھ کتابیں اٹھا کر دیں تاکہ وہ پلنگ کے نیچے رکھ دی جائیں۔

ان ساری کوششوں کے باوجود نبض کی حالت درست نہ ہو سکی۔

اس اثناء میں ڈاکٹر مستری اور ڈاکٹر ریاض علی شاہ بھی آ گئے۔

ڈاکٹر الہی بخش نے ایک اور ٹیکہ لگایا اور قائد اعظم سے کہا۔

"جناب ہم نے آپ کو تقویت پہنچانے کیلئے ٹیکہ لگایا ہے اور جلد ہی

اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ خدا کو منظور ہوا تو آپ زندہ سلامت رہیں

گئے۔"

قائد اعظم نے سر ہلاتے ہوئے بڑی تحیف آواز میں کہا۔

"نہیں۔۔۔ میں نہیں بچوں گا۔"

یہ اُن کے آخری الفاظ تھے جو انہوں نے اپنی وفات سے آدھ گھنٹہ قبل ڈاکٹر کرنل الہی بخش سے کہے۔ دس بجے اُن کی نبض کی حالت بہتر ہوئی۔ کچھ موہوم سی امید پیدا ہوئی۔ لیکن دس ہی منٹ میں اُن کی نبض کمزور ہوتے ہوتے غائب ہو گئی۔ دس بج کر تیس منٹ پر اُن کی نبض ڈوب چکی تھی۔ اسٹیتھسکوپ اُن کی دھڑکنیں ڈھونڈنے میں ناکام ہو چکا تھا۔ 18

ڈاکٹر ریاض علی شاہ قائد اعظم کی وفات کا وقت دس بج کر پچیس منٹ لکھتے ہیں۔

بقول اُن کے قائد اعظم کے آخری الفاظ۔

اللہ۔۔۔۔۔ پاکستان، تھے۔

چونکہ اُن کے مصنوعی دانت پہلے ہی نکال دیئے گئے تھے اس لئے اُن کے دو لفظوں

کے سوا کچھ سمجھ میں نہ آ سکا۔ 19

آخری لمحات میں اُن کے قریب ڈاکٹر مستری، ڈاکٹر ریاض علی شاہ، ڈاکٹر کرنل الہی

بخش محترمہ فاطمہ جناح اور ایک نرس فلس ذہم موجود تھے۔

محترمہ فاطمہ جناح لکھتی ہیں۔ کہ قائد اعظم نے سر اور آنکھوں کے اشارے سے انہیں

اپنے قریب بلایا اور پھر بات کرنے کی آخری کوشش کی اور سرگوشی کے انداز میں کہا۔

فاطمی۔۔۔۔۔ خدا حافظ۔

لا الہ الا اللہ۔۔۔۔۔ محمد۔۔۔۔۔ الرسول اللہ۔ 20

محترم جی الا نا قائد اعظم کی موت کی خبر سن کر پہلے پہنچنے والوں میں سے تھے۔ وہ لکھتے

ہیں۔

"میں جو جھل قدموں سے اُس کمرے میں داخل ہوا جہاں قائد اعظم

ابدی نیند سو رہے تھے۔ وہاں مجھے مولانا شبیر احمد عثمانی، وزارت

خارجہ کے سیکرٹری اکرام اللہ، یوسف ہارون، ایم۔ اے رنگون والا

اور اے۔ ایم قریشی نظر آئے۔ میں نے بستر کی جانب دیکھا۔ اُن

کی میت پر سفید چادر پڑی ہوئی تھی۔ جس نے مجھے سب کچھ سمجھا

دیا۔ میری گویائی سلب ہو چکی تھی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی

لگی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا ملک، جس کی عمر صرف ایک سال

تھی، یتیم ہو گیا ہے۔

اسی اثناء میں ایک ضعیف خاتون ہچکیاں لیتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ انہوں

نے دُعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور رنج و الم میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ 21

☆☆☆

باب نمبر 8

قائد اعظم محمد علی جناحؒ۔ قوم کے کاندھوں پر

قائد اعظمؒ کے انتقال کی خبر رات گیارہ بجے ریڈیو پاکستان نے اپنی معمول کی نشریات روک کر نشر کی۔ اناؤنسر ٹکیل احمد تھے۔ انہوں نے آہوں اور سسکیوں کو ضبط کرتے ہوئے یہ اعلان پڑھا۔

”حکومت پاکستان انتہائی رنج و الم، غم و اندوہ سے اس کا اعلان کرتی ہے کہ موت نے ہمارے محبوب راہنما قائد اعظم محمد علی جناحؒ کو چھین لیا ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حکومت پاکستان ہر مسلمان سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اس جانکاہ صدمے پر صبر و تحمل، بردباری اور نظم و نسق سے کام لے۔ اس بُرے آشوب دور میں جب کہ قائد اعظمؒ کی راہنمائی کی اشد ضرورت تھی۔ قائد اعظمؒ ہمیں داغ مفارقت دے کر جنت الفردوس کو چل دیئے۔

کابینہ پاکستان اس حادثہ جانکاہ پر محترمہ فاطمہ جناح، قائد اعظمؒ کے دیگر رشتہ داروں اور ساری قوم سے گہری ہم دردی کا اظہار کرتی ہے۔“ 1

قائد اعظمؒ کی رحلت کی خبر نشر ہوتے ہی پاکستان کا چپہ چپہ آہ و بکا سے گونج اٹھا۔ وہ رات پاکستان پر ایک قیامت بن کر اتری۔ پورا ملک ایک ماتم کدے میں تبدیل ہو گیا۔ 2 لوگوں کو اُن کی وفات کا یقین نہ آتا تھا۔ لوگ سوچتے تھے وہ مرد مجاہد جو موت سے زیادہ بے رحم اور سنگدل دشمنوں کا سالہا سال تہما مقابلہ کرتا رہا۔ کیا وہ آج سچ مجھ ہمارے درمیان نہیں رہا اور مستقبل

میں بھی کبھی نہیں ہوگا۔

لوگوں کے لئے اُن کی موت کی خبر ایک بہت بڑا چنچا تھا۔ اُن کو تو اُن کی بیماری کے احوال کا بھی پتا نہ تھا۔ حکومت اُن کی بیماری کو صیغہ راز میں رکھتی آئی تھی۔ اگر اُن کی بیماری کا معلوم ہوتا تو وہ شاید ذہنی طور پر اُن کی موت کے لئے تیار بھی ہوتے۔ پاکستان قائم ہوئے عرصہ ہی کتنا ہوا تھا؟ پاکستان کی حمایت اُنہوں نے قائد اعظم کے اعتماد پر ہی کی تھی۔ انہی کے اعتبار پر انہوں نے آگ و خون کا دریا پار کیا تھا۔ ملک کی خوشحالی و ترقی کی توقعات اُن کی ذات سے تھیں۔ اُن کی موت، اربانوں کی موت تھی۔ توقعات کی موت تھی۔ پاکستان کا مستقبل ڈاؤن ڈول دیکھائی دیتا تھا۔ اُن کی موت کی خبر اُن کا یقین چھین رہی تھی۔ کراچی کے لوگ ہجوم کی صورت میں گورنمنٹ ہاؤس کی طرف بڑھنے لگے، گورنر جنرل ہاؤس کے بڑے بڑے آہنی گیٹ جن پر عام حالات میں سخت پہرہ ہوتا تھا، آج وہ گیٹ پُر سامان گنے کے انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔ ہر طرف سے لوگوں کے نہ ختم ہونے والے ریلے گورنر جنرل ہاؤس کے اندر بہتے چلے آ رہے تھے۔ ہر آنکھ میں آنسو جاری تھے۔ ہر پاکستانی یوں رو رہا تھا جیسے اُس کے سر سے شفیق باپ کا سایہ اُٹھ گیا ہو۔ وہ سب پاکستانیوں کا باپ ہی تو تھے۔³

کوئی بھی قائد اعظم کی موت کی خبر کا یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ نیشنل کالج کے پروفیسر مکرم علی خان شیروانی جو قائد اعظم کے انتقال کے وقت طالب علم تھے، وہ 11 ستمبر کی رات کا تذکرہ کچھ ایسے کرتے ہیں کہ

"بولٹن مارکیٹ کے قریب اس زمانے میں اندرون سندھ جانے والی بسوں کا اڈہ تھا اور میرے والد میر پور خاص جا رہے تھے۔ رات چونکہ زیادہ ہو چکی تھی۔ اس لئے میں اُن کو چھوڑنے بس کے اڈہ پر گیا۔ اور کافی دیر بس کے انتظار میں وہاں کھڑے رہے۔ لاؤنج کے قریب ایک شخص بس کا انتظار کرنے والے ہجوم کے قریب آیا۔

اور غم زدہ آواز میں ہجوم کو اطلاع دی کہ قائد اعظم کا انتقال ہو گیا۔ یہ خبر ہم سب کے لیے بڑی دلدور تھی۔ اس سے قبل ہم اس سے مزید تفصیل معلوم کرتے کہ ہم میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر اس اجنبی کے چہرے پر ایک زوردار طمانچہ رسید کرتے ہوئے کہا "کیا بکتا ہے" ایک لمحہ کے لیے وہ اجنبی حیران رہ گیا اور پھر اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ اُس نے طمانچہ مارنے والے کی جانب اپنا دوسرا گال بڑھاتے ہوئے کہا بھائی اس پر بھی طمانچہ مارو اور مجھے یقین دلا دو کہ قائد اعظم زندہ ہیں۔"⁴

جی الانا لکھتے ہیں کہ وہ اوّل اوّل پہنچنے والوں میں سے تھے۔ ہر ایک کا چہرہ غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر آنکھ میں آنسو تھے۔ وہ بوجھل قدموں سے اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں قائد اعظم کی میت پڑی ہوئی تھی۔ کمرے میں محترمہ فاطمہ جناح، مولانا شبیر احمد عثمانی، اکرام اللہ سیکرٹری وزارت خارجہ، یوسف ہارون، ایم۔ اے رنگون والا، اے۔ ایم قریشی موجود تھے۔ انہوں نے بستر کی جانب دیکھا۔ قائد اعظم کے جسم پر ڈالی ہوئی سفید چادر نے بغیر کسی لفظ اور صورت کے تمام داستان سنادی۔ سب کی آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ اُن کی قوم جس کی عمر صرف ایک سال تھی آج یتیم ہو گئی تھی۔⁵

اُن کے دیرینہ رفیق اور دست راست لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان بھی آخری لمحات میں اُن کے قریب نہ تھے۔ انہیں اُن کے کراچی پہنچنے اور اُن کی وفات کی خبر اکٹھی ملیں تھیں۔ وہ آہوں اور سسکیوں کو ضبط کرتے ہوئے گورنر جنرل ہاؤس پہنچے۔ قائد کی میت دیکھ کر یقیناً اُن کے ضبط کے بندھن ٹوٹے ہوں گے۔ مگر انہیں ہوش میں رہنا تھا۔ یتیم قوم کو حوصلہ دے دینا تھی۔ قائد کی آخری رسوم کا اہتمام کرنا تھا۔ انہوں نے فوراً ٹیلی فون کے ذریعے کراچی کے ایڈمنسٹریٹر ہاشم رضا کو گورنر جنرل ہاؤس بلوایا اور انہیں قائد اعظم کی آخری آرام گاہ کے لیے مناسب جگہ کا

بندوبست کر کے سیکرٹری خارجہ اکرام اللہ کو مطلع کرنے کی ہدایت دی تاکہ وہ غیر ملکی سفارت کاروں کو نماز جنازہ کی جگہ اور وقت کے بارے میں مطلع کر دیں۔ انہوں نے انہیں یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ قائد اعظمؒ کا جنازہ پڑھانے کے لئے ممتاز عالم دین علامہ شبیر احمد عثمانی سے درخواست کریں۔⁶

یہ کراچی کے ایڈمنسٹریٹر کے کاندھوں کے اوپر بہت بڑی ذمہ داری تھی۔ اُن کے ذہن میں پرانی نمائش گاہ کا خیال موجود تھا۔ جہاں اُن کی تدفین کے بعد اُن کی شخصیت کے شایان شان مقبرہ بنایا جاسکتا تھا۔ گورنر جنرل ہاؤس سے جنازہ گاہ کے راستے کا تعین اور سوگوار ہجوم کی دیکھ بھال بھی ایک بڑی ذمہ داری تھی۔ کیونکہ اس میں ملک کی اہم شخصیات کے علاوہ غیر ملکی سفارت کاروں نے بھی شرکت کرنی تھی اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ کوئی ملک دشمن تخریب کاری نہ کر دے۔ کراچی کے ایڈمنسٹریٹر کو بھی اوروں کی طرح یہ خبر نہیں ہوئی تھی کہ قائد اعظمؒ کراچی تشریف لائے ہیں۔ اس نے تھوڑے سے مؤدبانہ شکوے کے ساتھ لیاقت علی خان سے کہا کہ اگر انہیں مطلع کر دیا جاتا تو وہ اپنے بھائی سید کاظم رضا (انسپکٹر جنرل پولیس) سے اُن کی مناسب سکیورٹی کا بندوبست کرواتے۔ لیاقت علی خان نے انہیں بتایا کہ اُن کی آمد کا سوائے کرنل نواز کے کسی کو علم نہ تھا۔ اُن کی اور محترمہ فاطمہ جناح کی سختی سے ہدایت تھی کہ اُن کی آمد کی اطلاع کسی کو نہ دی جائے۔⁷

قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی اکلوتی بیٹی دینا (Dina) بھی 12 ستمبر کو بمبئی سے کراچی پہنچیں۔ یہ کراچی میں اُن کی پہلی اور آخری آمد تھی۔ دینا نے اپنے باپ کی مرضی کے بغیر پارسی نژاد عیسائی نیول واڈیا سے شادی کی تھی۔ اس کا انہیں بہت دکھ تھا۔ انہوں نے ایک مسلمان باپ کی حیثیت سے انہیں غیر مذہب میں شادی سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اور جب انہوں نے ایک باپ کے تحکم سے انہیں کہا کہ ہندوستان میں لاکھوں مسلمان لڑکے ہیں، وہ جسے چاہیں اپنا شریک حیات چن لیں۔ اُن کی بیٹی بھی اُن کی طرح مدلل گفتگو کرنا جانتی تھی۔ اُس نے انہیں یہ کہہ کر لاجواب کر دیا تھا کہ ہندوستان میں لاکھوں مسلمان لڑکیاں تھیں،

انہوں نے اُن میں سے کسی ایک سے شادی کیوں نہ کی۔⁸ اُن کا اشارہ اپنی والدہ کی جانب تھا جو پارسی نژاد تھیں اور انہوں نے غیر مذہب میں شادی کی تھی۔ "وہ اُن کی شادی میں شریک نہ ہوئے اور اس شادی کے بعد باپ بیٹی کے تعلقات میں پہلی سی گرجوشتی نہ رہی۔ لیکن لاقلمی قطعانہ تھی۔ اس کا ثبوت اُن کی وصیت تھی۔ جو انہوں نے اُن کی شادی (1938ء) کے بعد 30 مئی 1939ء میں مرتب کی تھی جس میں انہوں نے اپنی بیٹی کے نام دو لاکھ روپے کی خطیر رقم وصیت کی تھی۔

وصیت -

انہوں نے اپنی وصیت میں مسٹر محمد علی چائے والا وکیل (بمبئی) اور نواب زادہ لیاقت علی خان کو عالمین وصیت مقرر کیا تھا۔ وصیت کی رو سے وہ تمام حصص، تمسکات اور حسابات جو محترمہ فاطمہ جناح کے نام تھے، انہی کے نام کر دیئے تھے۔ اس کے علاوہ مالا بارمل بمبئی میں اپنا مکان اس کی تمام زمین، ملحقہ عمارتیں، تمام فرنیچر، چاندی کے ظروف اور موٹر کار سمیت محترمہ فاطمہ جناح کے نام کر دیا۔ انہوں نے عالمین وصیت کو یہ ہدایت کی کہ گزراے اور دیگر ضروریات کے لئے انہیں دو ہزار روپے ماہانہ ادا کئے جائیں اور انہوں نے اپنی بہن مریم، شیریں اور اپنے بھائی احمد علی کے لئے ایک ایک سو روپیہ ماہانہ تاحیات مقرر کیا اور اپنی بیٹی (دینا) کے لئے دو لاکھ روپے کی رقم مختص کی اور اُس کی آمدنی سے ایک ہزار مہینہ تاحیات مقرر کیا اور ان کی موت کی صورت میں ان کا حصہ ان کی اولاد میں تقسیم کرنے کی ہدایت کی۔ ایسی صورت میں کہ ان کی اولاد نہ ہو۔ وصیت کی کہ اس رقم کو باقی جائیداد قرار دے دیا جائے۔ تعلیمی اداروں میں سے انہوں نے پچیس ہزار روپیہ انجمن اسلام اسکول بمبئی، پچاس ہزار روپیہ بمبئی یونیورسٹی اور پچیس ہزار روپیہ اینگلو عربک کالج دہلی کے لئے مختص کیا۔

ان خصوصی رقوم کے بعد اُن کا جو بھی ترکہ یا جائیداد اس وقت موجود تھی یا آئندہ بنے اُس کے متعلق ہدایت کی کہ تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ سندھ مدرستہ الاسلام کراچی، ایک

حصہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ایک حصہ اسلامیہ کالج پشاور کو دیا جائے۔⁹

(قائد اعظمؒ کی وفات کے بعد جب اُن کی جائیداد کی قیمت لگائی گئی تو تقریباً نوے لاکھ کی رقم تھی۔ چنانچہ ہر ادارے کے حصے میں تقریباً تیس لاکھ روپیہ آیا)¹⁰

تحریک پاکستان کی بے پناہ مصروفیات نے قائد اعظمؒ کو اپنی بیٹی سے دُور رکھا۔ دینا کی بھی اپنی خانگی مصروفیات تھیں۔ لیکن گاہے گاہے اُن کی ملاقاتیں رتھیں تھیں۔ باپ بیٹی کے درمیان خطوط کے رابطے موجود تھے۔ اپنے خطوط میں وہ اپنے باپ کی مختلف سیاسی کامیابیوں کو سراہتی اور اُن کی صحت کے بارے میں تشویش مند دکھائی دیتی ہیں۔ وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جب ہندوستان کی تقسیم کے اُصول کو تسلیم کیا تو دینا نے اپنے باپ کو مبارک باد کا خط لکھا۔ انہوں نے لکھا۔

سب سے پہلے میں آپ کو ضرور مبارک باد دوں گی۔ ہم نے پاکستان حاصل کر لیا ہے۔ یہ کہنا ہو گا کہ اُصول مان لیا گیا ہے۔ مجھے آپ پر بہت فخر اور ناز ہے۔ آپ نے اس کے لیے بہت محنت کی ہے۔¹¹

اپنے اس خط میں وہ اُن سے توقع رکھ رہی تھیں کہ جب وہ بمبئی آئیں گے تو وہ ایک دن کے لئے جوہو (جہاں وہ بچوں کے ہمراہ ایک ماہ کے قیام کے لیے جا رہی تھیں) بھی آئیں گے اور ایک دن اُن کے ساتھ گزاریں گے۔

اُن کا ایک اور خط 5 جون کا ہے جس میں انہوں نے اپنے باپ کی 3 جون والی تقریر کی تعریف کی۔ 3 جون 1947ء کو ہندوستان کے سرکردہ لیڈروں نے برطانوی سرکار کو تقسیم کے منصوبے کی باقاعدہ منظوری دی تھی۔ اسی شام لارڈ ماؤنٹ بیٹن، پنڈت جواہر لال نہرو، قائد اعظم محمد علی جناحؒ اور سردار بلدیو سنگھ کی تقاریر پڑھیں۔ پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ کی تقاریر معذرت خواہانہ انداز لئے ہوئے تھیں۔ جبکہ قائد اعظمؒ کی تقریر اُس کامیاب و کامران سیاستدان کی

تقریر تھی جو مشکل مرحلوں سے سرخرو ہو نکلا تھا۔ دینا نے یہ تقریر سنی اور ایک بیٹی سے زیادہ ایک عقیدت مند کی طرح اُن کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے لکھا۔

آپ سب سے اچھا اور بہت برّعل بولے۔ اگرچہ آپ ہر وہ چیز حاصل نہ کر پائے جو آپ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے بڑی طویل جدوجہد کی ہے۔ اب کانگریس کو اپنا غرور چاٹنا ہو گا۔ ہندو پاکستان کو تسلیم کئے جانے اور دو علیحدہ مملکتوں کے قیام پر خوش نہیں ہیں۔ اب آپ کے سامنے سب سے بڑا مقصد پاکستان کو عمل لانے کا ہے۔ میں جانتی ہوں آپ کامیاب ہوں گے۔¹²

وہ اپنے بارے میں اُن کو بڑی تفصیل سے لکھا کرتی تھیں۔ انہوں نے لکھا کہ وہ تیراکی کی وجہ سے گندی رنگ کی ہو گئی ہیں۔ اُن کے خط کا اختتام پُر خوش پیار اور چاہت پر ہوا کرتا تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بھائی کی آخری رسومات اپنے مسلک و عقیدہ کے مطابق ادا کریں۔ اس کے لئے انہوں نے اثنا عشری مسلک کے مولوی انیس الحسین کو بلوایا۔¹³ بعد ازاں مولوی انیس الحسین ہی نے اپنی نگرانی میں رات تین بجے اپنے ہی مسلک کے غسل شخ ہدایت حسین المعروف حاجی کلودلہ عظیم اللہ سے رات تین بجے گورنر ہاؤس کے ایک غسل خانے میں قائد اعظمؒ کی میت کو غسل دلوایا۔ جس کمرے میں اُن کی میت رکھی گئی، اُسی میں مولوی انیس الحسین نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس نماز جنازہ میں بمشکل نو یا دس افراد شریک تھے جن میں یوسف ہارون، ہاشم رضا، کاظم رضا، آفتاب حاتم علوی، حاجی کلودلہ دوسرے غسل شامل تھے۔ کمرے سے باہر ملک کی نمایاں شخصیات سمیت وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان بھی موجود تھے۔ لیکن کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کو بھی معلوم تھا کہ مولوی انیس الحسین اثنا عشری مسلک سے نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں۔ انہوں نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔¹⁴

محترمہ فاطمہ جناح بھی جب فوت ہوئیں تو انہیں بھی اثنا عشری خواتین جن میں

"فاطمہ باجو اور فاطمہ سید نمایاں تھیں" نے غسل دیا تھا اور اثنا عشری مولوی ابن حسن جارچوی نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ بعد میں اُن کا جنازہ پولوگر اوٹل میں مفتی شفیع نے پڑھایا تھا۔ 15

اگلی صبح پاکستان کا جھنڈا ملک کی تمام عمارات پر سرنگوں تھا۔ گورنر جنرل ہاؤس کے باہر ایک جم غیر جمع تھا۔ گورنر جنرل ہاؤس کے دروازے رات ہی کھول دیئے گئے تھے۔ لوگ اپنے قائد، اپنے رہبر کا آخری دیدار کرنے ہجوم کی صورت میں آ رہے تھے۔ قائد اعظمؒ کے جسد کا تابوت بڑے ہال میں رکھ دیا گیا۔ سفید کفن میں ملبوس جسم پھولوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ چہرے پر ابدی سکون جھلکتا تھا۔ لاکھوں انسانوں نے دودو چار چار کے دستوں سے گزرتے ہوئے اُن کے حضور آخری سلام پیش کیا۔ لوگوں کے چہرے رنج و الم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ نالہ شیون کے ساتھ صبح سے پچھلے پہر تک لوگ اپنے محبوب راہنما کے جسد کے پاس سے گزرتے رہے۔ قبر کی کھدائی کی ذمہ داری جناب یوسف ہارون کی تھی۔ 16 عبدالغنی نامی گورکن نے قبر کی کھدائی کی۔ (اسی گورکن کو لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر اور محترمہ فاطمہ جناح کی بھی قبریں تیار کرنے کا موقع ملا۔)

ریڈیو پاکستان سے قائد اعظمؒ کے جنازے کے وقت اور تدفین کی جگہ کے بارے میں بار بار اعلان ہوتا رہا۔ سرکاری اعلان یوں تھا۔

قائد اعظمؒ کا جنازہ 12 ستمبر 1948ء کو تین بجے بعد از دوپہر فوجی اعزاز سے گورنمنٹ ہاؤس سے اٹھایا جائے گا اور پانچ بجے نمائش گراؤنڈ میں جامع مسجد کے قریب شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ جامع مسجد کے احاطے میں قائد اعظمؒ محمد علی جناحؒ کو سپرد خاک کیا جائے گا۔ حکومت پاکستان مسلمانوں کو اپیل کرتی ہے کہ وہ جنازہ کے ہمراہ نظم و نسق کو قائم رکھیں اور صبر و تحمل سے کام لیں۔ 17

قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی ناگہانی وفات پر اب صبر کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن پاکستانی عوام کی ان سے محبت ایسی تھی کہ صبر کا کوئی یارہ نہ تھا۔ لوگ بد حال اور غم میں ڈوبے ہوئے سڑکوں پر فوجہ کناں تھے۔ اہلیان کراچی کی یہ خواہش تھی کہ وہ اب اپنے اس محسن کا آخری دیدار کر لیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس موقع پر کسی قسم کا نظم و نسق انہیں کسی ضابطے کا پابند کرے۔ گورنر جنرل ہاؤس کی کشادگی کم پڑ گئی۔ یہاں کسی اعلیٰ ادنیٰ کی تمیز نہ رہی تھی۔ لوگ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔ دوپہر کے قریب جنازہ اٹھانے سے تھوڑی دیر قبل ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا۔ ہوا یوں کہ گورنر جنرل ہاؤس کے قریب سنٹرل ہوٹل کی بلڈنگ تھی۔ چند نو جوان لڑکے ہوٹل کے لان سے گزر کر گورنر جنرل ہاؤس میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہوٹل کے چوکیدار نے انہیں روکنے کی کوشش کی جس پر جھگڑا ہو گیا۔ لڑکوں نے طیش میں آ کر آگ لگا دی۔ تاہم فائر بریگیڈ والوں نے جلد ہی آگ پر قابو پا لیا۔ پولیس اور دیگر سرکاری ایجنسیاں اس دن کسی بھی غیر متوقع صورت حال سے بچنے کے لئے پوری طرح چوکس تھیں۔ 18

پروفیسر سید وقار عظیم قائد اعظمؒ کے جنازے کے شاہد تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

شہر کی ساری دوکانیں بند ہو گئیں اور شہر کے ہر گوشے سے گورنر جنرل ہاؤس کی طرف جانے والی سڑکوں پر لوگوں کی قطاریں نظر آنے لگیں۔ ان قطاروں میں بے جان، بے سکت بوڑھے بھی تھے اور کمزور اور ناتواں عورتیں بھی۔ ان میں سے ہر ایک اپنے محبوب قائد کی یاد پر آنسوؤں کے موتی نچھاور کرتا اس کے آخری دیدار کے اشتیاق میں اس طرف جا رہا تھا۔ جہاں انہیں آزادی دلانے والا اُن کے حال سے بے خبر ابدی سکون کی نیند سوراہا تھا۔ تھوڑی دیر میں یہ قطاریں ہجوم میں بدل گئیں اور رفتہ رفتہ ہجوم ایک سیلاب میں بدل گیا۔ جسے کسی کی یاد کی کشش اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ دیکھتے دیکھتے گورنمنٹ ہاؤس کے وسیع و عریض میدانوں کے چپے چپے پر اس کے صدر دروازے کے سامنے کی سڑک پر آدمی ہی آدمی اکٹھے ہو گئے۔ گورنمنٹ ہاؤس میں موٹروں اور گاڑیوں کا تانتا بندھ گیا۔ پاکستان کی مرکزی حکومت کے وزیر، غیر ملکی حکومتوں کے سفیر،

شہر کے شریف و امیر سب یکے بعد دیگرے آرہے تھے۔ اور پاکستان کی سب سے عظیم المرتبت شخصیت کی خدمت میں اپنے غم کا خراج پیش کر رہے تھے۔ باہر کھڑے ہوئے تقریباً دو لاکھ عقیدت مندوں میں سے ہر ایک قائد اعظم مرحوم کا آخری دیدار کرنے کے لئے تڑپ رہا تھا۔ اس کا انتظام کیا گیا۔ قائد اعظم کے محبوب جسم کو گورنر جنرل ہاؤس کے صدر ہال میں رکھ دیا گیا اور لوگوں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ قطار در قطار اس کے قریب سے گذر کر آخری دیدار کی حسرت پوری کر لیں۔ لوگ ہال میں داخل ہوئے اور ایک کے پیچھے ایک میت کے قریب سے گزرنے لگے۔ میت کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور اس کے سکون اور نور کو دیکھ کر صرف یہ خیال ہو سکتا تھا کہ قوم کے غم میں زندہ رہنے والا، کام کرتے کرتے تھک کر سو گیا ہے۔ نیند بھر جائے گی تو اٹھے گا اور پھر اپنے کاموں میں لگ جائے گا۔ کتنی قابل رشک تھی یہ موت۔

دیکھنے والے پورے دو گھنٹے تک اسی طرح گزرتے رہے۔ آنسوؤں کے موتی نچھاور کرتے رہے۔ دوسروں کے لیے جگہ خالی کرتے رہے اور آگے بڑھتے رہے۔ حکومت کے وہ وزیر جو 13 مئی تک حکومت کا بھاری بوجھ اٹھانے میں اپنے راہنما کے شریک رہے تھے، ادھر ادھر کھڑے یہ غم ناک منظر دیکھ رہے تھے اور بغیر اس لحاظ کہ گزرنے والے انہیں اشک باردیکھ کر کیا کہیں گے، رو رہے تھے۔ اس لیے کہ سوائے رونے کے اس وقت اور کوئی چارہ نہ تھا۔

میت کے جلوس کی روانگی کے لیے 3 بجے دن کا وقت مقرر کیا گیا تھا۔ 3 بجے سے کچھ پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان، سر محمد ظفر اللہ خاں، سردار عبدالرب نشتر، آرنہیل جو گندرا تھ منڈل، پیر زادہ عبدالستار اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے جنازہ کو صدر ہال سے اٹھا کر اپنے کاندھوں پر رکھا اور ہر زبان نے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (نہیں ہے کوئی خدا سوائے اللہ کے اور محمد اُس کے رسول ہیں۔) صلی اللہ علیہ وسلم

قوم کے اکابر جب اس امانت کو اپنے کاندھوں پر رکھے ہوئے باہر نکلے تو باہر کھڑے ہوئے ہزاروں انسانوں کو ضبط کا یار نہ رہا۔ اور ہر ایک بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔

جنازہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور گورنر جنرل ہاؤس کے صدر دروازے تک پہنچا۔ سرکاری رسوم کو پورا کرنے کی خاطر جنازے کو توپ کے اوپر رکھ دیا گیا۔ اور دو تین لاکھ آوازوں نے پوری قوت سے "قائد اعظم زندہ باد" کا نعرہ لگایا۔ بیچ بیچ قائد اعظم مرے نہیں، وہ زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کی چھوڑی ہوئی یادگار سدا ان کا نام زندہ رکھے گی۔ پاکستان زندہ باد! قائد اعظم زندہ باد!

جنازہ توپ پر رکھا جا چکا تو پاکستان کی بحریہ کے سفید پوش سپاہیوں نے آہستہ آہستہ اسے آگے بڑھانا شروع کیا۔ جنازے کے آگے سب سے پہلے دروہوں میں پولیس کے پچاس سپاہی تھے۔ ان کے پیچھے بحریہ کے پچاس جوان اور اس کے بعد علی الترتیب بری اور ہوائی فوجوں کے پچاس سپاہی اور اس کے پیچھے گورنر جنرل کے باڈی گارڈ کے سواروں کا دستہ، جنازے کے دائیں بائیں حکومت کے وزراء اس کے پیچھے قائد اعظم مرحوم کی دل شکستہ بہن، محترمہ فاطمہ جناح اور مرحوم کی صاحبزادی مسز وادیا (دینا) کی موٹر۔ اس کے بعد کی موٹر میں بیگم ہدایت اللہ اور ان کے پیچھے دو لاکھ آدمیوں کا جھوم، یہ سارا جلوس بڑی خاموشی سے سواتین بجے کے قریب گورنر جنرل ہاؤس کے صدر دروازہ سے روانہ ہوا۔ وکٹوریہ روڈ، الفسٹن اسٹریٹ، گارڈن روڈ اور بندر روڈ ہوتا ہوا نمائش کے میدان میں پہنچا۔ کوئی ڈھائی میل کے اس راستہ کے دونوں طرف سڑکوں پر، بالا خانوں کی کھڑکیوں اور چھتوں پر اور درختوں پر لاکھوں آدمی اپنے مرحوم و مغفور راہنما کا آخری دیدار کرنے اور اس کے محبوب جسم کو آخری سلام کرنے کے لیے گھنٹوں پہلے اکٹھے ہو گئے تھے۔ دو لاکھ آدمیوں کا یہ ماتمی اور سو گوار جلوس جن جن سڑکوں سے گذرتا جاتا، سڑکوں کے کناروں پر کھڑے ہوئے لوگ اس جلوس کے پیچھے شریک ہوتے جاتے۔ اس طرح رفتہ رفتہ دو لاکھ آدمی چار لاکھ ہو گئے۔ ان چار لاکھ سو گواروں میں ہر عمر، ہر جنس، ہر طبقہ اور ہر ملت کے لوگ شامل تھے۔ عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے، غریب سے غریب اور امیر سے امیر، مسلمان، ہندو، یہودی، عیسائی اور پارسی سب کے دل قوم کے اس عظیم غم کو اپنا غم سمجھ رہے تھے۔ ہر دل سو گوار تھا اور ہر آنکھ اشکبار

تھی اور اُن کا محبوب دلوں کی کیفیت سے بے خبر اپنے گہوارہ میں پڑا سو رہا تھا اور اس کا یہ شاندار جلوس اسے اس کی آرام گاہ کی طرف لے جا رہا تھا۔ ساڑھے چار بجے جلوس نمائش کے میدان میں پہنچا اور یہاں سے دو حصوں میں بٹ گیا۔ آگے آگے چلنے والے سپاہیوں اور فوجیوں کے دستے اور گورنر جنرل ہاڈی گارڈ کے سوار قوم کی قیمتی دولت انہیں سوئپ کر آگے بڑھ گئے اور جنازہ داہنی طرف مرکز نمائش کے میدان میں پہنچ گیا۔ جہاں ایک لاکھ آدمی پہلے سے اپنے محبوب قائد کے آخری استقبال کے لیے جمع تھے۔ ایک لاکھ کے اس ہجوم نے جنازہ دیکھتے ہی اللہ اکبر کا فلک شکاف نعرہ لگایا اور کانوں میں اس روح کو گرما دینے والے نعرہ کے ساتھ دل ہلا دینے والی چیخیں بھی سنیں۔ لوگوں کے دل کسی طرح یہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ قائد اعظم اُن سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئے ہیں۔

جنازہ لا کر بانس اور کاغذ کے بنے ہوئے سیاہ مینار کے برابر سینٹ کے چوتھے پر رکھ دیا گیا اور اعلان ہوا کہ پندرہ منٹ بعد نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ اس اعلان پر 5 لاکھ آدمیوں نے صف بندی شروع کی اور دیکھتے دیکھتے انسانوں کا یہ سیلاب جنازے کے دائیں بائیں اور بہت دور پیچھے تک باقاعدہ صفوں میں تبدیل ہو گیا۔

اگلی صفوں میں حکومت پاکستان، سندھ، پنجاب اور بنگال کی حکومتوں کے وزیر اور اسلامی ممالک کے سفیروں اور نمائندوں کے علاوہ بھی جسے جگہ ملی وہ بلا امتیاز صف میں شامل ہو گیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

"قائد اعظم رحلت فرما گئے لیکن جس قوم کو اُن کی ذات نے منظم و مرتب کیا وہ زندہ ہے اور انشاء اللہ اسی طرح زندہ رہے گی اور عزت کے ساتھ اپنی قوت اور مرتبے میں اضافہ کرے گی۔ ہماری قوم کے مستقبل کا انحصار اتحاد اور تنظیم پر ہے۔"

مولانا کی تقریر ختم ہوئی تو لوگ جنازے کو مدفن کی طرف لے چلے۔ وہ جگہ وہاں سے کوئی ایک فرلانگ آگے اس اونچے ٹیلے پر تھی۔ جو قائد اعظم نے کراچی کی جامع مسجد کے لئے منتخب فرمائی تھی۔ جنازہ آہستہ آہستہ روانہ ہوا۔ اس کے دائیں بائیں پاکستان کی بحری، بری اور ہوائی فوجوں کے اعلیٰ افسر تھے اور پیچھے پیچھے وزیراعظم لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، آئر-ہیل جوگندر ناتھ منڈل، خواجہ ناظم الدین، پیر الہی بخش اور میراں محمد شاہ و زرائے سندھ کے علاوہ عراق، افغانستان، برما اور انڈونیشیا کے سفیر تھے اور سب باری باری جنازے کو کاندھا دے رہے تھے۔ وزیروں اور امیروں کے کاندھوں پر جنازہ مدفن کے قریب پہنچا اور اُتار کر زمین پر رکھ دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد قبر تیار ہو گئی اور 6 بج کر 24 منٹ پر جناب لیاقت علی خان، سر ظفر اللہ خان، سردار عبدالرب نشتر، پیر الہی بخش اور سیٹھ یوسف ہارون نے اپنے مرحوم راہنما کو قبر میں اُتار کر آخری خدمت سرانجام دی۔¹⁹

ریڈیو پاکستان کراچی نے قائد اعظم کے جنازے کا آنکھوں دیکھا حال پورے ملک میں نشر کرنے کا خصوصی طور پر اہتمام کیا تھا۔ وسائل کی کمی کے باوجود یہ بڑی کامیاب کوشش تھی۔ تین مختلف جگہوں پر ٹرانسمیٹرز نصب کیے گئے تھے۔ پہلا گورنر جنرل ہاؤس کے باہر دوسرا ریڈیو پاکستان ہیڈ کوارٹر میں، تیسرا نمائش کے میدان میں (یہاں قائد اعظم کو سپرد خاک کرنا تھا)۔ لاہور اور پشاور کے لیے خصوصی ٹیلی فون کی لائنیں لی گئیں۔ گورنر جنرل ہاؤس سے جنازے کا رواں تبصرہ ذوالفقار بخاری نے پیش کیا۔ ریڈیو ہیڈ کوارٹر سے جناب وقار عظیم اور صدیق احمد صدیقی نے جنازے اور لوگوں کے جذبات کا نقشہ کھینچا۔ نمائش کے میدان سے تینوں یعنی ذوالفقار بخاری، وقار عظیم اور صدیق احمد صدیقی نے آنکھوں دیکھا حال نشر کیا۔ یوں ریڈیو کی بدولت پورا پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے جنازے میں بالواسطہ شریک تھا۔²⁰

قائد اعظم کی ناگہانی موت پاکستانی قوم کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔ لوگ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہ تھے۔ انہیں اُن کی بیماری سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ اُن کے لیے یہ اچانک سانحہ تھا۔

یہ انتہائی مشکل گھڑی تھی لوگوں کا عزم بکھر سکتا تھا۔ وہ سب فرد واحد کی قیادت میں آگ و خون کا دریا پار کر کے آئے تھے۔ اُن کی اچانک موت سے اُن کا جذبہ سرد ہو سکتا تھا۔ لیاقت علی خان کو انہیں اس موقع پر دلاسا دینا تھا۔ اپنے خلوص اور نیک نیتی سے انہیں مایوسی کے حصار سے نکالنا تھا اور از سر نو ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے تیار کرنا تھا۔ انہوں نے اسی شام قوم کے ساتھ دکھ بانٹے ہوئے کہا۔

ہماری ملت کے رہبر ہماری مملکت کے سردار اور پاکستان کے معمار آج ہم سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ ہمارے محترم اور محبوب قائد اعظمؒ ملت اسلامیہ کو داغ مفارقت دے گئے ہیں "انا للہ وانا الیہ راجعون" خدا تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ اس وقت پاکستان بلکہ دُنیا کے مسلمانوں کو قائد اعظمؒ کی رہبری اور دانش کی ضرورت تھی۔ لیکن وہ ہم سے علیحدہ ہو گئے۔

قدرتی بات ہے کہ یہ صدمہ ہم پر انتہائی غم طاری کر دے۔ لیکن اس رنج و الم کی گھڑی میں ہر پاکستانی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس درد سے متاثر ہو کر اپنے اوپر مایوسی کو مسلط نہ ہونے دے۔ بلکہ اپنے دل کو مضبوط اور اپنے ارادے کو مستحکم کر کے اپنی زندگی کو پاکستان کی خدمت کے لئے وقف کر دے۔

مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ تاریخ قائد اعظمؒ کا شمار دُنیا کی عظیم ترین ہستیوں میں کرے گی۔ دُنیا میں کم آدمیوں کو یہ نصیب ہوا ہے کہ وہ ایک عظیم الشان کام کو اپنے ہاتھ لیں۔ اور اپنی ہمت، عزم اور دانش سے اس کو اپنی زندگی میں بھی پروان چڑھتے دیکھیں۔ قائد اعظمؒ نے نہ صرف پاکستان کا نصب العین مسلمانوں

کے سامنے پیش کیا بلکہ اس کے لیے جدوجہد کر کے دُنیا میں سب سے بڑی اسلامی ریاست قائم کر دی۔ قائد اعظمؒ ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے جو دُنیا میں کبھی پیدا ہوتی ہیں۔ اپنی تمام زندگی میں انہیں ملت اسلامیہ کی بہبودی منظور تھی۔ اور وہ اس کے لیے کوشاں رہے۔

قائد اعظمؒ کی رہنمائی سے پہلے بھی مسلمان اپنی خامیوں سے خوب واقف تھے اور وہ یہ چاہتے تھے کہ جس انحطاط کو وہ پہنچ چکے ہیں اس سے نکل کر ترقی کی راہ پر گامزن ہوں لیکن وہ واضح طور پر نہیں جانتے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

چنانچہ انہوں نے جتنی جدوجہد اور جو قربانیاں کیں وہ بااثر ثابت ہوئیں لیکن اس حد تک نہیں کہ وہ اپنے مقصد کو پالیں۔

قائد اعظمؒ نے اپنی جہاں میں اور دور رس نظروں سے دیکھ لیا کہ جب تک قوم کے سامنے منزل مقصود واضح طور پر نہ رکھ دی جائے اور جب تک انہیں ایک مرکز پر اور ایک ہی پرچم کے نیچے جمع نہ کیا جائے کسی چیز کے حصول کی امید بے کار ہے۔ قائد اعظمؒ اس عظیم الشان کام کو سرانجام دینے کے لیے کئی خدا داد قوتیں رکھتے تھے۔ اول تو ان میں ایک ایسا تخیل اور سیاست پر ایک ایسا عبور تھا جو باریک بین ہونے کے باوجود گزشتہ اور آئندہ پر ایک ہی حیثیت میں حاوی ہو جاتا تھا۔ مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لینے کے بعد انہیں اچھی طرح سے معلوم ہو گیا تھا کہ ہماری منزل کونسی ہے؟ اور ہمارا نصب العین کیا ہے؟

اس کے ساتھ ہی اُن کو خدا نے ایک ایسا آہنی عزم عطا کیا تھا جو کسی مشکل یا رکاوٹ کی پروا نہ کرتے ہوئے انہیں اور قوم کو آگے لیے چلا جاتا تھا۔ وہ اپنے ارادے پر ایسے ہی مستقل مزاجی سے قائم رہتے تھے جو ہر مسلمان کے دل میں جوش اور نفرت کے جذبات کو ابھارتا تھا۔ اُن کی قیادت میں ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ کوئی مشکل ایسی نہیں جس پر ملت قابو نہ پاسکے۔

اس فہم اور سیاست، اس عزم اور ارادوں کے ساتھ ساتھ قائد اعظمؒ میں یہ خوبی بھی تھی کہ وہ دن رات کام کر سکتے تھے اور کوئی فروغی چیز اُن کی توجہ مبذول نہیں کر سکتی تھی۔ قائد اعظمؒ ابو العزیز سے آخر تک دن رات ملت کے لیے کام کرتے رہے، وہ ملت اسلامیہ کے لیے ہمیشہ ایک مثال کا کام دے گی اور ہر فرد کے لیے مشعل ہدایت بنے گی۔ قائد اعظمؒ کی ذات کے ہی کمالات تھے جنہوں نے ملت اسلامیہ میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اور ہر مرد، عورت اور بچے کے دل میں پاکستان کے حصول کے لیے ایک گہرا جوش پیدا کر دیا۔ اس جوش سے متاثر ہو کر مسلمانوں نے ایسی قربانیاں کیں جن کی مثال تاریخ میں کم ملتی ہے۔ اور پاکستان کو حاصل کیا۔ اب جب قائد اعظمؒ ہم میں نہیں ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ راستے پر اس صراطِ مستقیم پر چلیں جو وہ دل میں رکھا گئے ہیں۔ تاکہ ایک دن اپنی منزل مقصود پر پہنچ سکیں۔ جو لوگ ہمت اور ابو العزیز سے کام لیتے ہیں خدا کی مدد ہمیشہ اُن کے شامل حال رہتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ جس عظیم الشان عمارت کی بنیاد قائد اعظمؒ نے

اُخت، برابری اور آزادی کے اسلامی اصولوں پر رکھی ہے اس کو ہم آسمان تک لے جائیں۔ نہ صرف پاکستان قائم کرنے میں ہمیں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا بلکہ اس کے قیام کے بعد ایک کے بعد دوسری مصیبت کا زیر بار ہونا پڑ رہا ہے۔ بلکہ تمام عالم کے مسلمان مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔

اس وقت ہمیں قائد اعظمؒ کی راہبری کی بہت ضرورت تھی کہ ان کی فراست، اُن کا تجربہ، اُن کا عزم قدم قدم پر ہمارے ساتھ ہوتا۔ لیکن اس صدمے سے ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں وہی کرنا چاہیے جو قائد اعظمؒ چاہتے تھے یعنی پاکستان کی حفاظت اور ترقی کے لیے دن رات کوشش اور محنت۔ آج ہم پر فرض ہے کہ اپنے تمام تفرقے مٹا کر ایک ہو جائیں اور اپنی جانیں پاکستان کے لیے وقف کر دیں۔ میں اور حکومت کے دوسرے وزراء نے آج پھر اپنی زندگیوں کو پاکستان کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ہمت اور عزم کے ساتھ اس کام کو جاری رکھیں گے جس کے لیے قائد اعظمؒ نے پاکستان کے قیام کے بعد اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔

قوم کو قائد اعظمؒ کی وفات سے جو صدمہ پہنچا ہے اور جو رنج سب پر طاری ہے اس کا میں خوب اندازہ کر سکتا ہوں۔ لیکن خود مجھے جو صدمہ ہوا ہے اور میں جس کرب میں مبتلا ہوں اس کا پورا اندازہ شاید اور کوئی نہیں کر سکتا۔ پچھلے بارہ سال سے جب کہ مسلم لیگ کا نیا دور شروع ہوا ہے۔ مجھے قائد اعظمؒ کا رفیق کار ہونے کا فخر

حاصل ہے۔ ہمیں نشیب و فراز سے گزرتا پڑا اور کئی طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس رفاقت کے عرصہ میں جو التفات وہ مجھ سے برتتے تھے اور جس اعتماد کا ہمیشہ اظہار کرتے تھے اس کی یاد میری زندگی کا بہترین خزانہ ہے۔ قائد اعظمؒ کی وفات سے میں اپنی زندگی میں ایک بڑی کمی کا احساس کرتا ہوں۔ لیکن اس فانی دنیا میں بسا صرف اللہ ہی کو ہے اور ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ تمام فروغی اور غیر ضروری چیزیں جو اسے سیدھے راستے سے بھٹکا سکتی ہیں یا جو اس کی توجہ اور انہماک کو مناسکتی ہیں، نظر انداز کر دے تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہمارے بدخواہ یہ کہہ سکیں کہ ہم اس قابل نہ تھے کہ قائد اعظمؒ ہمارے لیے اتنی قربانیاں کرتے۔

اپنے محبوب اور محترم قائد اعظمؒ کے لیے اپنی عقیدت اور محبت کے اظہار کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ ہم اس نصب العین کو ایک لمحہ کے لیے بھی نظر انداز نہ کریں۔ جو قائد اعظمؒ نے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اور پاکستان کو ایسی شاندار مملکت بنادیں جیسی کہ وہ چاہتے تھے۔ قائد اعظمؒ کی شخصیت ہمارے قومی استقلال کا بہترین مظہر تھی اور اسی قومی استقلال کے زیر اثر جو تعمیری کام حکومت پاکستان یا پاکستان کے افراد کریں گے، وہ قوم کی طرف سے ہمارے محبوب راہنما کی یادگار ہوگا۔ ہم میں سے ہر ایک کو یہ جان لینا چاہیے کہ آج ملت پر امتحان کا وقت ہے اور یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ یہ امتحان نہایت کڑا ہے۔

اس امتحان میں ہم ایسی حالت میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک جان و مال سے دریغ نہ کرتے ہوئے پاکستان کے تحفظ کے لیے اپنی انتہائی کوشش کرے۔ ہم اس امتحان میں ناکام نہیں رہ سکتے کیونکہ اس کے نتائج بہت ہولناک ہوں گے۔ اس کے علاوہ ہماری کامیابی تمام اسلامی دنیا کے لیے اشد ضروری ہے۔ اپنی غم زدہ ملت کے نام میرا یہی پیغام ہے اور میں سب سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ وہ مایوسی کو اپنے اوپر مسلط نہ ہونے دیں اور اپنی کوشش کو دوگنا کر کے ایک عظیم الشان اور شاندار پاکستان کے اس خواب کو جو قائد اعظمؒ نے دیکھا ہے، حقیقت میں بدل دیں۔ 21

محترمہ فاطمہ جناح (1967ء-1893ء) قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی محبوب بہن تھیں۔ وہ ان کے ساتھ زندگی کی آخری سانسوں تک رہیں تھیں۔ تحریک پاکستان میں ہمیشہ اپنے بھائی کو حوصلہ اور توانائی فراہم کرتی رہیں تھیں۔ قائد کی قوم کے غم کو وہ بہت بہتر جانتیں اور سمجھتیں تھیں۔ انہوں نے 28 ستمبر کو اپنی ایک نشری تقریر میں غم زدہ قوم کو حوصلہ اور ہمت کی تلقین کرتے ہوئے کہا۔

برادر ملت کی وفات سے نہ صرف مجھ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا بلکہ قوم کو بھی نقصان پہنچا۔ اس زبردست المناک حادثہ پر قوم نے جس خلوص سے اظہار ہمدردی کیا ہے اس کے پیش نظر میں نے ضروری سمجھا کہ میں قوم سے مخاطب ہو کر تہہ دل سے ان کا شکریہ ادا کر دوں۔ ہر مرد، ہر عورت، ہر بچے کے دل سے ہمدردی کے جو کلمات نکلے ہیں، انہوں نے مجھے سراپا تشکر بنادیا ہے۔ دُور دراز

ممالک سے کیا اعلیٰ، کیا ادنیٰ، کیا امیر، کیا غریب ہر طبقے کے لوگوں نے ہمدردی کے پیغامات بھیجے ہیں۔ میں خاص طور پر اُن بے شمار عوام کی شکر گزار ہوں جن کے آنسو ابھی تک خشک نہیں ہوئے اور جنہوں نے انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر اپنے دلی رنج و الم کا اظہار کیا۔ انہی کی ہمدردی نے غم کی اس تاریک ساعت میں میرا بارگراں ہلکا کر دیا۔ رضائے الہی یہ نہ تھی کہ قیام پاکستان کے بعد قائد اعظمؒ کا سایہ ایک سال سے زیادہ ہمارے سروں پر رہتا۔ تاہم پاکستان کی بنیادیں اس طرح اُستوار ہو چکی ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں متزلزل نہیں کر سکتی۔ میں آپ کو قائد اعظمؒ کا وہ آخری پیغام یاد دلانا چاہتی ہوں جو انہوں نے جشن استقلال کے موقع پر آپ کو بھیجا تھا اور جس میں انہوں نے کہا تھا کہ

"فطرت نے آپ کو سب کچھ دیا ہے۔ آپ کے وسائل غیر محدود ہیں۔ پاکستان کی بنیادیں مستحکم ہو چکی ہیں۔ اب تعمیر آپ کے ہاتھ میں ہے۔ قدم بڑھاتے چلیے اور اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔"

وقت کے تقاضے فوری اور اہم ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ پاکستان کو صنعتی اور اقتصادی اعتبار سے زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائیں۔ پاکستان ابھی عہد طفلی میں ہے لیکن یہ ہمیں بانی و معمار اعظمؒ کی جانب سے بطور ورثہ اور امانت ملا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اسے اسلامی عظمت اور روایات کے شایان شان بنائیں گے۔ اور اُن کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لیے پابندہ یادگار قائم

کریں گے۔ اور اُن کی زندگی ہمیشہ مشعل راہ کا کام دیتی رہے گی۔ میری خدمات اب بھی قوم کی خدمت کے لیے اسی طرح وقف ہیں جس طرح پہلے تھیں۔

میری کوشش یہی رہے گی کہ پاکستان کی تعمیر کا وہ مقصد ہمیشہ اپنے سامنے رکھوں جو میرے بھائی کو اس قدر عزیز تھا اور مجھے اُمید ہے کہ آپ سب میری اس کوشش میں میرے مددگار اور معاون ہوں گے۔ 22

مرزا ابوالحسن اصفہانی (1902ء-1981ء) قائد اعظمؒ کے دیرینہ دوستوں میں سے تھے۔ اُن کی قائد اعظمؒ سے 1936ء سے لیکر 1948ء تک خط و کتابت رہی۔ 23 یہ قائد اعظمؒ کی سب سے طویل خط و کتابت تھی۔ وہ اُن کی وفات کے وقت امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے۔ قائد اعظمؒ نے اپنی زندگی کا آخری خط کوئٹہ سے مرزا ابوالحسن اصفہانی ہی کو لکھا تھا۔ جو اُن کی وفات کے دو دن بعد انہیں موصول ہوا۔ اس میں انہوں نے اپنے دوست کو تسلی دی تھی کہ وہ بہت بہتر ہیں اور فکر کی کوئی بات نہیں۔ انہوں نے لکھا تھا۔

آپ کے خط کا بہت شکریہ۔ جس میں آپ نے میری صحت کے بارے میں فکر مندی ظاہر کی تھی۔

ابھی میری کراچی کو واپسی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی ہے اور آپ اس خیال سے متفکر نہ ہوں کہ میں اپنی واپسی میں تعجیل کروں گا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر بھی مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔

آپ کی توجہ اور خیال کا بہت بہت شکریہ۔ کوئی فکر کی بات نہیں۔ 24

قائد اعظمؒ کی مرزا ابوالحسن اصفہانی کے ساتھ خط و کتابت میں یہ سب سے مختصر خط تھا۔

پیروی کریں۔ ہماری زندگی کی اس نازک گھڑی میں ہم سب کا فرض ہے کہ ہم مجتمع ہو کر پختگی عزم اور یکسوئی ارادہ سے اپنے ملک کو ایسا بنانے کی سعی کریں۔ جیسا کہ قائد اعظمؒ اُسے بنانا چاہتے تھے۔ اسی عزم سے اور وہی کرنے کی مسلسل کوشش سے جو ہمارے قائد اعظمؒ کو ناپسند کرتے ہیں۔ ہم اُن کی روح کو آرام و سکون پہنچا سکتے ہیں۔ میں آپ سے بخوبی واقف ہوں اور مجھے پورا اعتماد ہے۔ آپ اُس بلند وصلگی کا ثبوت دیں گے جس کی آپ سے توقع ہے اور اپنے تجربے اور تربیت کی مدد سے ساری قوم کے سفینے کو اُن طوفانی سمندروں اور پوشیدہ خطروں سے بحفاظت گزار دیں گے جن سے آزادی کے بعد سے ہمیں واسطہ پڑتا رہا ہے۔²⁶

انہوں نے بڑا دل اور حوصلہ کر کے محترمہ جناح کو بھی ایک تعزیت نامہ لکھا۔ جس میں انہوں نے تسلی کے علاوہ قائد اعظمؒ کے لیے امریکہ سے ڈاکٹر بھجوانے کی کوششوں کا بھی ذکر کیا۔ وہ لکھتے ہیں۔

اپنے محبوب قائد اعظمؒ کی بے وقت موت کی اندوہناک خبر سننے کے بعد میں نے کئی مرتبہ آپ کو خط لکھنے کی کوشش کی لیکن ہر موقع پر مجھے اپنے رنج و غم کے اظہار کے لیے موزوں الفاظ نہ ملے۔ آپ بہ نسبت کسی اور کے اُس محبت اور عقیدت کو بہتر جانتی ہیں جو مجھے اُن سے تھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں انہیں اپنے باپ کی طرح سمجھتا تھا اور میں نے اُن کی خدمت، وفاداری، اپنی محبت اور اپنی زندگی تک پیش کر دی تھی۔ مس جناح آپ یقین مانیں کہ اُن کے انتقال نے ایک ایسا زخم پیچھے چھوڑ دیا ہے جو کبھی مندمل نہ ہوگا۔ میں انہیں عمر بھر

اس سے قبل ماہ جولائی کے اواخر میں جب وہ زیارت سے مل کر رخصت ہوئے تو انہوں نے قائد اعظمؒ کو انتہائی جذباتی کیفیت میں دیکھا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

انہیں ایک سخت دل اور سرد مہر آدمی سمجھا جاتا تھا۔ میں نے پہلی مرتبہ اُن کے آنسو دیکھے تھے جو اُن کے نحیف و لاغر رخساروں پر بہہ کر نیچے گرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اُن کی آنکھوں کی گہرائیوں سے دیکھے جاسکتے تھے۔ مجھے کراچی واپس جانا تھا اور کراچی سے اپنی جگہ واشنگٹن ہوائی جہاز سے پہنچنا تھا۔ میں نے انہیں آخری بار اس حالت میں دیکھا جب میں اُن کے سونے کے کمرے سے نکل رہا تھا تو وہ ہاتھ ہلا کر مجھے خدا حافظ کہہ رہے تھے۔²⁵

مرزا ابوالحسن کی یادداشت میں آخری خدا حافظ نقش تھا۔ اُن کی موت کی خبر سے اُن کی آنکھوں میں اُن کی رفاقت کے 28 سال جگمگائے ہوں گے۔ انہوں نے اطلاع ملنے پر اپنے دیرینہ رفیق اور ساتھی لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے لکھا۔

ہمارے بابائے ملت اب نہیں رہے وہ ہمیں ایسے وقت چھوڑ کر چلے گئے جب ہمیں ان کے تجربے اور ہمت افزائی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ مسلمانوں کی خاطر اُن کی جدوجہد اُن کی بے غرض خدمت جو انہیں اس قدر عزیز تھی اور جن کے لیے انہوں نے اپنی جان دے دی۔ سب مسلمانوں اور پاکستانیوں کے لیے سرچشمہ ہمت افزائی ہونا چاہیے۔ انہوں نے نہ صرف اپنی زندگی میں ایک عظیم الشان عمارت کی پختہ بنیاد رکھ دی بلکہ وہ اتنی دیر بھی زندہ رہے کہ انہوں نے اسے مکمل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ اب یہ ان کے پیروں کا کام ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں اُن کے اصولوں کی

یاد رکھوں گا اور ہمیشہ اُن کی روح کے سکون و آرام کی دعا کرتا رہوں گا۔ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی دعوت کو ایسے وقت لبیک کہا ہے جب کہ ہمیں اُن کے پختہ تجربے، قابلیت، رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی ضرورت تھی۔ نہ صرف پاکستان بلکہ اسلامی اور عرب دنیا بھی اُن کی رحلت پر رنج و الم سے سوگ منا رہی ہے۔

امین (قائد اعظمؒ کے اسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری) کے پریشان کن تار کے ملتے ہی میں نے انتہائی کوشش کی کہ امریکہ کے کسی چوٹی کے ماہر امراض سینہ کو پاکستان روانہ کر دوں۔ میں بھاگا بھاگا نیویارک پہنچا تا کہ مسٹر رگنر سے ذاتی طور پر اپیل کروں اور انہیں یہ ترغیب دوں کہ وہ براہ راست جہاز سے جو گذشتہ منگل کو روانہ ہونے کو تھا، چلے جائیں اور واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ بیشتر اس کے کہ میں انہیں ذاتی طور پر ملتا، مسٹر رگنر نے کہہ دیا کہ وہ آئندہ ہفتہ کے وسط سے پہلے امریکہ سے روانہ نہ ہو سکیں گے۔ مجھے اس کامیابی پر لوگوں نے واقعی مبارک باد دی۔ لیکن تقدیر یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ آئندہ منگل سے بھی تین روز بیشتر جو کچھ ہونا تھا، ہو جائے۔

آپ کی اور پاکستان کے سات کروڑ قیموں کی اس رنج و الم کی گھڑی میں میں آپ کی خدمت میں اپنی پر خلوص تعزیت پیش کرتا ہوں اور آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ بہادری سے کام لیں اور اُن تصورات کے لیے مسلسل کام کرتی رہیں جن کے لیے اُنہوں نے اپنی زندگی بسر کی اور جان دی۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں آپ

سے یہی توقع تھی اور اس کا بھی مکمل بھروسہ ہے کہ آپ اُن کی اس توقع کو ضرور پورا کریں گی۔

سوم کے روز یعنی کل ساڑھے دس بجے سفارت خانے میں میری قیام گاہ پر فاتحہ کی رسم منعقد ہوئی جو واشنگٹن میں اپنی نوعیت کی پہلی تھی۔ عملے کے ارکان، شہر کے مسلمان باشندے اور عرب اور دیگر مسلمان سفارتی نمائندے بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ کاروائی کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا اور آخر میں فاتحہ خوانی ہوئی۔ ہم یہاں چہلم کی رسم بھی ادا کریں گے۔ جس میں مسلمان اور غیر مسلمان دونوں شرکت کر سکیں گے۔

مجھے بے شمار اور پیغام موصول ہو چکے ہیں جو نہ صرف امریکہ سے بلکہ تمام مغربی ممالک سے آئے ہیں۔ مغربی ممالک کے ہر شہر اور قصبے میں پاکستانیوں نے فاتحہ اور تعزیت کی مجلسیں منعقد کی ہیں۔ قدرتی طور پر سفارت خانوں کے ارکان مجھ سے ملنے آئے تھے اور اب بھی آ رہے ہیں۔ میں ایک دفعہ پھر خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس المناک حادثے کو صبر و سکون سے برداشت کرنے کی طاقت دے۔ خدا کرے ہمارے محبوب قائد اعظمؒ کی

روح کو امن و چین نصیب ہو۔ آمین

مرزا ابوالحسن اصفہانی نے اپنی کتاب "جیسا میں اُنہیں جانتا ہوں" میں ایک نوجوان طالب علم کا خط بھی شائع کیا ہے جو بعد میں ملک کا صدر اور وزیر اعظم بھی رہا۔ اس زمانے میں وہ یعنی ذوالفقار علی بھٹو (1979ء-1928ء) برکے یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے۔ یہ خط اس وقت کے مسلمان نوجوانوں کے جذبات و خیالات کا نمائندہ کہا جاسکتا ہے۔ اُنہوں نے مرزا ابوالحسن

میں اس خط کو اپنے رنج و غم کے مخلصانہ اور ناقابل بیان اظہار سے شروع کرتا ہوں۔ ہماری زندگی کے اس نازک مرحلے میں قسمت کے ناپاک ہاتھ نے ہم پر سخت ظلم کیا ہے۔ لیکن ہمیں مشیت ایزدی میں چون و چرا کرنے کا کیا حق ہے؟

یہ بڑی بد قسمتی کی بات ہے کہ ہم اس فیصلہ کن لمحے میں یتیم ہو گئے ہیں۔ جبکہ کسی اور قوت سے بڑھ کر ہمیں اپنے محبوب قائد اعظم کے بے پناہ لطف و کرم کی ضرورت تھی۔ ہماری بقاء کا انحصار زندگی کے انقلابات کے مقابلے کے لیے لائحہ و عزم و ہمت فراہم کرنے پر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُس ہمت افزا تربیت کی بدولت جسے ہمارے قائد نے ہماری رگوں میں پیوست کر دیا ہے ہم اُن سب روکاؤں کا سامنا کر سکتے ہیں جو ہمیں درپیش ہیں۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے اور ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اگرچہ قائد اعظم اب ہمارے پاس موجود نہیں ہیں تاہم اُن کی پاکیزہ اور معصوم روح ہمارے دل و دماغ میں ہمیشہ تروتازہ رہے گی۔ خدا اُن کی مقدس روح پر اپنا رحم و کرم کرے۔ اس قدر طویل اور تھکا دینے والے کام کے بعد آخر کار انہیں آرام و سکون حاصل ہو گیا ہے۔ اُن کی ساری زندگی اپنی قوم کی فلاح و بہبود اور آزادی کے لیے ایک جدوجہد تھی۔

جناب جو ذمہ داری آپ پر اور پاکستان کے دوسرے رہنماؤں پر عائد ہوتی ہے۔ وہ اب اور بڑھ گئی ہے۔ اور ہم سب کو یقین ہے کہ آپ اپنے فرض کو عزت اور کامیابی کے ساتھ انجام

آپ کا بہت مخلص
ذوالفقار علی بھٹو

قائد اعظمؒ کی وفات سے پورا پاکستان بے یقینی کا شکار تھا۔ پاکستان قائم ہوئے ابھی صرف تیرہ ماہ ہی ہوئے تھے، اسکو ایسی بنیادوں کی ضرورت تھی جن پر مستقبل کی ایک مضبوط عمارت کھڑی کی جاسکے۔ اُن کی وفات سے بنیاد اور عمارت دونوں کی سالمیت خطرے میں تھی۔ اُن ہی کی وجہ سے پانچ مختلف قومی ایک مقصد یعنی پاکستان میں تحلیل ہوئیں تھیں۔ ابتداء ہی سے تقسیم اور صوبائیت کے جو مسائل تھے، اُن پر انہوں نے کمال دانشمندی اور فراست سے قابو پایا تھا۔ اُن کی بے وقت وفات سے یہ مسائل دوبارہ شدت سے سراٹھا سکتے تھے۔ اخبارات کے ادارے جو رائے عامہ کی نمائندگی کرتے ہیں، وہ اُن دنوں سوگ کے ساتھ ساتھ نامحسوس خدشات کا بھی حوالہ دے رہے تھے۔ 13 ستمبر کے روزنامہ زمیندار کی تحریر دیکھئے۔

میرکارواں کا آخری سفر

مت سہل! اسے سمجھو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

ہاتھ کانپ رہے ہیں، قلم لرز رہا ہے، آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور دل غم و اندوہ سے چور چور ہے۔ فضائیں اُداس، شہروں، قریوں، گھروں اور بازاروں میں افسردگی و خاموشی برس رہی ہے۔ اور ہر طرف اندوہ آگیاں ماحول دیکھنے میں آ رہا ہے۔ آج دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے بانی، اسلام کے درخشندہ آفتاب، ملت اسلامیہ ہندوہ کے جانناز رہنما، قائد اعظم محمد علی جناح ہم سے جدا ہو گئے۔ آج پاکستان یتیم ہو گیا۔ اُس کا وہ سہارا نہ رہا

جس پر مسلمانوں کو ناز تھا۔ وہ آنکھ نہ رہی جو مسلمانوں کی خستہ حالی اور پراگندگی پر برسوں سے آشک بار تھی۔ وہ دل نہ رہا جو ملت کی سر بلندی کیلئے تڑپتا تھا۔ آج ملت کا ہر فرد خونناہ بار ہے۔ ہر آنکھ سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ ہر دل سے ہوک اٹھ رہی ہے اور ہر لب پہ آہیں تڑپ رہی ہیں۔ آج ہمارا وہ قائد اعظمؒ، وہ مجاہد کہ جس نے اقبال کے فلسفے کو اپنے عمل سے ایک حقیقت روشن بنا کر پیش کیا۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

موت کے بے مہربانوں نے ہم سے چھین لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اُس راہنما کو ہم سے جدا کر دیا جس کی فراست و سیاست نے ہر میدان میں دشمنانِ ملت کی اجتماعی قوتوں، پُر فریب چالوں، خوفناک سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو شکست فاش دی۔ جس نے کانگریس اور برطانیہ کے ناپاک گٹھ جوڑ کے نیچے اُدھیر دیئے۔ جس نے نہرو کی طاغوتی گرج کا کہہ "ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں، دو قوتیں ہیں ایک کانگریس اور دوسری برطانیہ۔ اگر انتقالِ اختیارات ہو سکتا ہے تو کانگریس کو سوئے جاسکتے ہیں۔"

ختم ٹھوک کر مقابلہ کیا اور مالا بارہل کے گوشہ نشین نے ببا نگ دہل نہ صرف پکارا بلکہ ثابت کر دیا کہ تم غلط کہتے ہو۔

"اس برعظیم ہندوستان میں ایک تیسری قوم بھی ہے اور وہ ہے مسلمان۔ جس کا اپنا تمدن، اپنی معاشرت اور اپنا نظام زندگی ہے۔ جس کی روایات شاندار ہیں اور جس کا ماضی درخشندہ ہے۔ جس نے ہندوستان میں ایک ہزار سال تک اناولا غیری کا ڈنکا بجایا

ہے۔ جس کی تہذیب و تمدن کے نشانات اس برعظیم کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس عظیم روایات و تمدن کی حامل قوم کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔"

وہ آواز صورِ اسرافیل تھی جس نے ملت کی رگ و پے میں کھربائی لہر دوڑادی۔ جس نے ملت کے منتشر اجزاء کو قلوب میں ایک مرکز پر جمع ہونے کا احساس پیدا کر دیا۔ وہ بوڑھا تھا، نحیف تھا، کمزور تھا۔ لیکن اپنے سینے میں فولادی قلب رکھتا تھا۔ اُس کے ارادے جوان تھے۔ وہ ملک کے طول و عرض میں پھر گیا تھا اور اُس نے مسلمان قوم کے بیرو جواں، مردوزن کے دلوں کو آزادی کی تڑپ سے تڑپا دیا۔ ملت منتشر تھی اُس نے اسے ایک مرکز پر جمع کیا اور ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کیا کہ

"مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ جس کی روایات الگ ہیں۔ تمدن الگ ہے۔ تہذیب الگ ہے۔ نظامِ حیات اور طرزِ بود و باش الگ ہے اور ایک قوم کے لیے ایک آزادانہ اور خود مختار ملک کا ہونا ضروری ہے۔ اس بوڑھے جرنیل نے اعلان کیا کہ آزاد ہندوستان میں آزاد پاکستان قائم ہو کر رہے گا۔"

ملت اسلامیہ کے دشمنوں نے شروع میں اُسے مجذوب کی بو قرار دیا لیکن آخر وہ نحیف آواز جو آج سے گیارہ سال پہلے بلند ہوئی تھی، جس کا ہمارے دشمنوں اور برطانوی مدبروں نے مذاق اڑایا، حقیقت بن گئی اور بوڑھے جرنیل کی اُن تھک کوششوں، دن رات کی کاوشوں سے پاکستان بن گیا۔ مسلمانوں کو آزاد مملکت مل گئی اور ایک صدی کے بعد مسلمانوں نے پھر آزادی کی سانس لی۔

آج قائد اعظمؒ ناخداۓ پاکستان ہم میں موجود نہیں لیکن اُن کی روح، اُن کا کام، اُن کے خیالات، اُن کے اقوال اور اُن کا غیر فانی عزم ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے۔

اس وقت جب کہ ملت کو قائد اعظمؒ کی رہنمائی کی اشد ضرورت تھی خدا نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ خدا کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں۔ ہمیں صبر و تحمل، نظم و ضبط، بردباری اور ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے اس صدمہ عظیم کو برداشت کرنا چاہیے اور خدا کے عز و جل کے حضور میں کھڑے ہو کر ہم میں سے ہر مسلمان، بچے، بوڑھے، جوان اور عورت کو عہد کرنا چاہیے کہ ہم قائد اعظمؒ کے نقش پر چلتے ہوئے پاکستان کے استحکام کیلئے جدوجہد کریں گے اور پاکستان کو دنیا کی عظیم ترین مملکت بنانے میں تین من دھن سے مصروف عمل ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس قومی صدمے کو برداشت کرنے اور پاکستان کی خدمت کرنے کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ 29

روزنامہ نوائے وقت تحریک پاکستان میں قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے شانہ بشانہ تھا۔ دو قومی نظریہ اور مسلم لیگ کے فروغ میں اُس کے کردار کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ تقسیم سے قبل پنجاب میں اور اُس سے ملحق مسلم اکثریتی صوبوں میں یہی اخبار مسلم لیگ کا واحد ترجمان اخبار تھا۔ قائد کی وفات کے بعد نظریاتی محاذ کی رکھوالی کیلئے اُس کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئیں تھیں۔ اُس کا 13 ستمبر 1948ء کا ادارہ قائد اعظمؒ کی جدائی کا دکھ یوں لکھ رہا تھا۔

قائد اعظمؒ

عمر ہا اور کعبہ و بُت خانہ می نالہ حیات

تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

یہ بات ہر مسلمان کے دل میں ہے کہ اس وقت جب کہ پاکستان اور ملت اسلامیہ ہر طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں ہمیں قائد اعظمؒ کے تدبیر اور راہنمائی کی بے حد ضرورت تھی اور اسی نازک مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ مگر ایک

طرف ایک عام مسلمان کے یہ دلی جذبات ہیں اور دوسری طرف اُس کا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی موت بے وقت نہیں ہوتی! خدا اپنے بندے کو موت کا پیغام اُسی وقت بھیجتا ہے جب وہ اس دُنیا کے فانی میں اپنا وقت پورا کر چکا ہو۔ اس تاثر کو کوئی دلیل، کوئی دُھار س دل آزرہ سے دور نہیں کر سکتی کہ قوم کو اس وقت قائد اعظمؒ کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ مگر مسلمان کا اس پر بھی ایمان محکم ہے کہ موت کا وقت ہر شخص کیلئے متعین ہے اور اس میں ایک پل کے ادھر اُدھر تبدیلی ہونے کی کوئی گنجائش نہیں۔

قائد اعظمؒ کی وفات حسرت آیات صرف پاکستان کے مسلمانوں کے لئے ہی نہیں پورے عالم اسلام کے لئے ایک صدمہ جانکاہ ہے۔ قدرت کا قانون ہے کہ کسی انسان کو عالم خاکی میں عمر دوام نہیں بخشی جاسکتی اگر یہ اُٹل قانون کسی استثناء کا روادار ہوتا تو حضور ﷺ کیلئے مقرر ہوتی۔ حضور ﷺ کی وفات کا بھی مسلمانوں کو اس قدر صدمہ ہوا کہ اُن کے دل نہیں مانتے تھے کہ اللہ کا رسول بھی مر سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو فوراً غم سے بے حال تھے اور تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر اعلان کرتے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ محمد ﷺ مر گئے ہیں، اُس کا سرتن سے اُڑا دوں گا۔ اُس وقت رسول کریم ﷺ کے حبیب صدیقؓ اور یارِ غار ابو بکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے انہوں نے ابن خطاب سے فرمایا، عمر! صبر و تحمل سے کام لو، پھر با آواز بلند فرمایا۔ اے ایمان والو! جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد ﷺ آج انتقال فرما گئے، لیکن جو شخص اللہ کی

پرستش کرتا تھا وہ سن لے کہ اللہ زندہ ہے اور اُسے موت نہیں۔

قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کے اُن غلاموں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے خلوص اور عمل سے عاشقانِ نبی کی صف میں ایک ممتاز جگہ حاصل کر لی ہے۔ اس صدی میں اُن سے بڑھ کر کسی نے اُمت محمدیہ کی خدمت نہیں کی۔ یہ خدمت رسول پاک کی خدمت گئی جائے گی۔ ہم تو اسے نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز سمجھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام ہندوؤں اور انگریزوں کے مشترکہ محاذ کے خلاف تنہا اور بالکل بے سروسامانی کے ساتھ برس پیکار رہا اور آخر کار اللہ نے اُسی کو فتح بخشی، تاریخ اُس کی مثال پیش نہیں کر سکتی کہ تنہا ایک بے یار و مددگار آدمی کی کوششوں سے ایک عظیم الشان مملکت سات سال کے قلیل عرصے میں معرض وجود میں آئے۔ یہ معجزہ مشیت ایزدی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام کی قسمت میں ہی لکھ رکھا تھا۔

قائد اعظم اور پاکستان لازم و ملزوم تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ قائد اعظم نے اپنے وجود کو پاکستان کے وجود میں مدغم کر دیا تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ مرحوم و مغفور کی صحت گذشتہ دو ماہ سے خراب تھی اور ڈاکٹروں نے انہیں کامل آرام کی تاکید کر رکھی تھی۔ طبی مشورے کے تحت ہی وہ پہلے زیارت میں اور اُس کے بعد کوئٹہ میں قیام فرما تھے۔ مگر پاکستان کے لئے محنت کا یہ عالم تھا کہ کوئٹہ سے ایک نامہ نگار حبیب الرحمن صاحب کا خط ہمیں 12 ستمبر کو موصول ہوا جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

"جناب قائد اعظم مدظلہ تعالیٰ بخیر و عافیت ہیں اور مملکت

پاکستان کے نظم و نسق کے متعلق چھ گھنٹے دفتر میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں۔"

یہ خط 10 یا 11 ستمبر کو لکھا گیا ہو گا۔ نامہ نگار نے اُس دن ڈاک میں ڈالا جب قائد اعظم ابھی کوئٹہ میں تھے۔ مگر ہمارے دفتر میں ایسے وقت پہنچا کہ اُن کی وفات حسرت آیات کی خبر آٹھ گھنٹے پہلے موصول ہو چکی تھی۔ غور فرمائیے 71 برس کی عمر، مرض الموت لاحق، کمزوری کا یہ عالم کہ ڈاکٹر آرام کا مشورہ دے رہے ہیں، مگر فرض کا احساس اور استحکام پاکستان کی دھن ہے کہ اس حال میں بھی چھ گھنٹے روزانہ کام کر رہی ہے۔

خدمت! بے غرض خدمت!! مسلسل خدمت!!!

یہی قائد اعظم کا پیغام ہے جو وہ قوم کے نام چھوڑ گئے ہیں۔ اُن کی روح زندہ ہے اور یہ دیکھ رہی ہے کہ قوم اُن کے اُس پیغام پر کس طرح لبیک کہتی ہے۔

محمد علی جناح پاکستان مجسم تھے۔ اگر پاکستان زندہ ہے تو محمد علی جناح زندہ ہیں۔ انشاء اللہ پاکستان ابدلاً باد تک تک زندہ رہے گا اور محمد علی جناح بھی ابدلاً باد تک زندہ رہیں گے! دو سو سال بعد جب کسی کے لب پر پاکستان آئے گا تو اُس کا ذہن خود بخود محمد علی جناح کی طرف لوٹ جائے گا۔

قائد اعظم زندہ جاوید ہستیوں میں سے ہیں۔ جنہیں موت کا بے رحم ہاتھ بھی نہیں مناسکتا۔

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما!

اُن کا خاکی جسم آج ہمارے درمیان نہیں مگر یہ جو مشعل انہوں نے روشن کی ہے، وہ صدیوں تک ہماری راہنمائی کرتی رہے گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج ہم چاروں طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ مگر قائد اعظمؒ کی موت ہمارے دلوں میں افسردگی و مایوسی کی بجائے ایک نیا عزم اور ایک نیا ولولہ ان خطروں کے مقابلے کیلئے پیدا کرے گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے مگر قائد اعظمؒ کی زندگی سے ہمیں روشنی ملے گی۔

انہوں نے حق کی شمع کو ایسے ہی وقت بلند کیا تھا جب چاروں طرف اُس سے بھی زیادہ گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج ہم میں کوئی ایسا لیدر نہیں ہے جو اُن کی جگہ لے سکے مگر قائد اعظمؒ کو بھی اللہ نے ہماری راہنمائی کیلئے مامور فرمایا تھا اور انہوں نے ہماری راہنمائی کا ذمہ اُسی وقت اٹھایا جب خدا کو یہ منظور ہوا کہ وہ مسلمانان ہند کی کشتی کو گرداب سے نکال کر ساحلِ مراد تک لے جائیں۔ ورنہ یہی قوم اور یہی محمد علی جناحؒ تھے، 1907ء سے اُن کا شمار آل انڈیا لیڈروں میں تھا۔ مگر 1937ء تک کسی نے ایسے گوہر ایک دانہ کی قدر نہ پہچانی۔ لیکن جب خدا کو منظور ہوا کہ وہ مہر کارواں بنیں تو دس سال کے اندر پوری قوم اُن کی پشت پر تھی اور سارے دشمن اُن کے قدموں پر۔ اللہ کو منظور ہوگا تو وہ قائد اعظمؒ کا جانشین بھی پیدا کرے گا، لیکن جب تک وہ مردِ مومن اُس خلاء کو نہیں پورا کر دیتا جو محمد علی جناحؒ کی موت نے پیدا کر دیا ہے۔ اُس وقت تک ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ محمد علی جناحؒ بن

جائے۔ یعنی ہر شخص جہاں کہیں بھی ہے، وزیر ہے یا سرکاری حاکم، کارخانہ دار ہے یا تاجر، دوکان دار ہے یا مزدور، بوڑھا ہے یا جوان، عورت ہے یا مرد، اسی بے غرضی، اسی ہمت، اسی عزم اور استقلال کے ساتھ ملک و ملت کی خدمت پر کمر باندھ لے جو قائد اعظمؒ کے طرہ امتیاز تھے۔ محمد علی جناحؒ جب تک زندہ رہے، سات کروڑ مسلمانوں کا کام کرتے رہے اور چھوٹے بڑے ہر مسلمان کا ہر مسئلہ کے متعلق یہی رد عمل ہوتا تھا کہ قائد اعظمؒ آسے بحسن و خوبی حل کر لیں گے۔ مجھے فکر کی کیا ضرورت ہے؟ اب اُن کی موت کے بعد سات کروڑ پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ مل کر اس کام کو مکمل کرنے کی کوشش کریں، جسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش میں قائد اعظمؒ نے اپنی جان عزیز، جان آفریں کے سپرد کی۔ یہ کام استحکام پاکستان ہے۔ قائد اعظمؒ کی بہترین یادگار پاکستان ہے اور اُن سے محبت کا بہترین مظاہرہ اُسے مضبوط بنانے کی سعی۔

قائد اعظمؒ زندہ باد۔

پاکستان پائندہ باد۔ " 30

روزنامہ احسان اپنے 13 ستمبر کی اشاعت میں "آزمائش کی گھڑی۔۔۔ سنبھلے اور سنبھالنے" کے عنوان سے لکھتا ہے۔

آزمائش کی گھڑی۔۔۔ سنبھلے اور سنبھال لیں!

قائد اعظمؒ کی ظاہری زندگی ختم ہو گئی لیکن ملتِ اسلامیہ کی زندگی کا جو چراغ وہ روشن کر گئے ہیں وہ کبھی گل نہیں ہو سکتا۔ اُن کی ظاہری آنکھیں آج بند ہو گئی ہیں لیکن اُن کی روح ہمیشہ ہمیں دیکھتی رہے گی۔ اُن کی وفات نے ہمیں بیچ منجھدار میں اکیلا چھوڑ دیا ہے لیکن اُن کی زندگی

کے نہ مٹنے والے نقوش ایک روشن مینار کی طرح ہمیشہ ہمارے سامنے رہیں گے۔ اُس کی روشنی کبھی ہمارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔

آج جب کہ ہماری کشتی مشکلات کے ہجوم میں چاروں طرف سے گھری ہوئی ہے قائد اعظم جیسے ناخدا کا ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانا ایک ایسا سانحہ ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اُسے بیان کرتے ہوئے قلم کا جگر شق ہوتا ہے، کلیجہ منہ کو آتا ہے، دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ آہ موت! تیرا بے رحم تیر جب چلتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ اُس کا نشانہ کون بن رہا ہے۔ تو نے قائد اعظم کے جسدِ خاکی کو آرام کی ابدی نیند نہیں سلا یا، انسانیت کے اُس محسن اعظم کو ہم سے چھین لیا جس نے باطل کی آندھیوں اور ضلالت کے خوف ناک طوفانوں میں ہمیشہ صداقت کا چراغ روشن رکھا۔ اُس نے اپنی زندگی کو جسمانی راحت کے لئے کبھی وقف نہیں کیا ورنہ آج اُس کی صحت و تندرستی پر موت کا تیر اس آسانی سے اپنا وار نہ چلا سکتا۔ مشکلات کے طوفانوں نے اُسے چاروں طرف سے گھیرا مگر وہ مشکلات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہمیشہ آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ اُس کا جسم جواب دے رہا تھا مگر اُس کا ہاتھ کام کرنے سے کبھی نہ تھکا۔ اُس کا دماغ تھک تھک کے چور ہو جاتا تھا۔ مگر مظلوم انسانیت کی پکار کا جواب دینے سے وہ کبھی نہ تھکا۔ وہ چاہتا تو پوری زندگی راحت و آرام کی رنگین وادیوں میں گزار دیتا اور اپنی زندگی کے عارضی لمحوں میں کچھ اور اضافہ کر لیتا مگر اُس نے بے فکری کی زندگی کو ہمیشہ فکر مندی کی زندگی پر قربان کیا۔ پچاس سال تک مخالفتوں اور رقابتوں کا ہجوم ہر طرف اُس کا دامن کھینچتا رہا مگر وہ مسکراتا ہوا برابر اُن کا مقابلہ کرتا چلا گیا۔ ہندو امپیریلزم نے بار بار بھرپور وار کئے، لالچ دیئے، ڈرایا دھمکایا، آنکھیں دکھائیں، جھڑکیاں دیں، ایک ہاتھ میں جامِ عشرت اور دوسرے میں زہر قاتل کا منظر دکھا کر اصول پسندی کی کٹھن اور پُر خار وادی سے دور ہٹانا چاہا، اپنوں نے چھوڑا، غیروں نے جھنجھوڑا مگر وہ مردِ حق اندیش لالچ اور خوف کی اُن تمام طوفانی آزمائشوں کو ٹھکراتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

ہوا بھی گو تندو تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا

وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے تھے اندازِ خسروانہ

اُس کے سامنے مشکلات کے میسوں پہاڑ کھڑے کئے گئے۔ خون آشام زبانیں چاروں طرف لپکیں، بجلیاں چمکیں، شعلے بھڑکے، جنہوں نے اُس کے ساتھیوں تک کو بدحواس بنا دیا مگر وہ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ اٹل رہا، برابر آگے بڑھتا گیا، تا آنکہ پاکستان کو ایک زندہ مستقبل اور پائیدار ملک کی حیثیت سے دُنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

پاکستان کے قیام کے بعد ہماری سیاسی و معاشی زندگی کا ہر رشتہ ٹوٹا ہوا تھا۔ بساطِ بچکانی گئی تھی مگر ہر مہرے کو موزوں جگہ پر رکھنے کا کام باقی تھا۔ قائد اعظم کی ستر سالہ عمر کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ آرام فرماتے مگر اس ضعیف العری کے باوجود انہوں نے نوجوانوں سے زیادہ محنت و ہمت سے کام کیا، ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑنے اور نکھرے ہوئے دانوں کو سیننے میں دن رات ایک کر دیا۔ اس بے اندازہ محنت نے قدرتی طور پر آپ کی صحت کو کمزور کر دیا مگر اس کے باوجود آپ نے اس کی پرواہ نہ کی اور ملک کے اُلجھے ہوئے حالات کی بناء پر ایک لمحے کے لئے بھی اپنی ذمہ داریوں سے ہاتھ نہ اٹھایا۔ وہ برابر کام کرتے رہے اور آخر اپنی اسی سعی کی راہ میں شہید ہو گئے۔ 31

روزنامہ امروز 14 ستمبر 1948ء

قائد اعظم زندہ باد!

قائد اعظم محمد علی جناحؒ اپنے سچے مولا سے جا ملے۔ ملتِ اسلامیہ کے نمکسار نے رحمت حق کی آغوش میں جگہ پائی۔ جاہِ حیات وہ سپار اپنے سفر کی آخری منزل پر جا پہنچا جہاں رضوان الہی اُس کا منتظر تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اُس کے نحیف جسم میں ایک طوفانی روح چھپی ہوئی تھی۔ اُس کا عزم کہسار سے زیادہ پائندہ و محکم اور اُس کی ہمت عقاب سے، جو سبکِ خارا کی چٹانوں میں نشین بناتا ہے، زیادہ بلند پرواز اور سبک سیر۔ وہ ایک جری اور بے باک سپاہی تھا جو چٹانوں سے ٹکرانے اور پُر خروش موجوں سے لڑنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا تھا۔ اُس نے کئی

بار کا دونوں کے پہاڑوں کو ٹھوکروں میں اڑایا۔ کئی مرتبہ پتیتوں کو اچھالا اور بلند یوں کو جھکنے پر مجبور کر دیا۔ لوگوں نے کہکشاں کو اُس کی تلاش میں افلاک کی رفتوں سے بھی اترتے دیکھا ہے۔ وہ سکندر یا نپولین کی طرح کوئی فاتح یا کشور کشا نہیں تھا۔ اُس نے شہر فتح نہیں کئے، میدان نہیں مارے، پھر بھی اُس کی فتح مندیاں ایسی ہیں جن پر اُس کی قوم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی اور دنیا کا استعجاب کبھی کم نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر چہ وہ ہندوستان کے بے بس اور مجبور مسلمانوں کا لیڈر تھا جن میں ڈیڑھ سو برس کی مسلسل غلامی نے اولوالعزمی اور بلند ہمتی کی روح باقی نہیں چھوڑی تھی اور وہ اپنی غلامی پر قناعت کر کے بیٹھ رہے تھے، تاہم اُس کی فتح مند یوں کو دنیا نے ہمیشہ حیرت اور تعجب کی نظر سے دیکھا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی پوری تاریخ میں کوئی بڑے سے بڑا شخص ایسا نہیں گزرا جسے مسلمانوں میں ایسی محبوبیت نصیب ہوئی ہو۔ ہم اپنے جھگڑوں میں پڑے ہوئے تھے لیکن جب اُس نے ہمیں پکارا تو اُس کی پکار میں کچھ ایسی کشش تھی کہ ہم اپنے سارے جھگڑے بھول کر اُس کے پیچھے ہو لیے۔ ہمارے کان اُس کی آواز پر لگے رہتے تھے۔ ہماری نظریں اٹھتی تھیں تو اُسی کی طرف اٹھتی تھیں۔ ہمیں کچھ عادت سی ہو گئی تھی کہ اپنے سارے معاملات اُس پر چھوڑ کے مطمئن ہو جائیں۔ ہم اُس سے محبت بھی کرتے تھے اور اُس سے ڈرتے بھی تھے کیونکہ وہ صرف ہمارا رہنما ہی نہیں تھا بلکہ شفیق باپ اور نیکسار دوست بھی تھا۔ ہم اُس سے اسی طرح محبت کرتے تھے جیسے بچے باپ سے محبت کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔ آج وہ ہم میں نہیں لیکن ہمیں یقین نہیں آتا کہ وہ ہمیشہ کیلئے دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ ہم محسوس کر رہے ہیں کہ نہ جانے کب اُس کی آواز جس میں صاعقہ، جلال حق کی کڑک تھی، پھر گونج اٹھے اور کب وہ طوفانوں کو چیرتا، موجوں کے زرخ پھیرتا، ہمیں نئی راہوں اور نئی منزلوں کی طرف لے جائے۔ ہمارے کان اُس کی آواز سننے کے لئے بیتاب ہیں اور ہمارے قدم اُس کی قیادت میں نئی مسافتوں کو قطع کرنے کے مناسب وقت اور موقع کا انتظار کر رہے ہیں یہ صحیح ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ایک نہایت نازک مرحلے سے گزر رہے

ہیں۔ ہمارے سامنے بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کی گتھیاں ابھی تک سلجھ نہیں سکیں۔ پھر اُفتی پر جنگ کی بجلیاں کوند رہی ہیں اور توپوں کی گرج جو بہت دور سنائی دے رہی تھی، روز بروز زیادہ قریب اور زیادہ بلند ہوتی جا رہی ہے۔ اس عالم میں جب ہم اس سانحہ پر غور کرتے ہیں تو غم کا احساس زیادہ شدید اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ قائد اعظمؒ کے فیض تربیت سے ہمیں خود آگہی کی جو دولت نصیب ہوئی ہے وہ ہم میں موجود ہے۔ اُس نے ہم میں اولوالعزمی کی جو غیر مغلوب اور ناقابلِ تسخیر روح پیدا کر دی ہے اُس سے کوئی ہمیں محروم نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ صبح کے تارے کی طرح ہمارے ساتھ رہے گی اور اُس کی روشنی میں ہمارے قدم برابر بڑھتے چلے جائیں گے۔ ابھی آسمان کئی باری جھٹکے گا، کہکشاں کئی مرتبہ افلاک کی بلند یوں سے زمین پر اترے گی۔ پھر ہم یہ کیوں سمجھیں کہ قائد اعظمؒ ہم میں موجود نہیں۔ جب تک ہماری روح غیر مغلوب اور ہمارا عزم پائندہ ہے، پاکستان زندہ ہے اور جب تک پاکستان زندہ ہے ہمارا محبوب بھی زندہ ہے۔

قائد اعظمؒ زندہ باد۔ 32

قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی رحلت کی دلدوز خبر سابق مشرقی پاکستان بچی تو بگلہ زبان کے معروف رومانوی شاعر شہادت حسین نے "آخری سلام" کے عنوان سے انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ انہوں نے اس نظم میں پاکستان کے لوگوں کے جذبات سموئے ہیں۔ اُس کا اردو میں ترجمہ ملاحظہ ہو۔

مسجد کے میناروں سے ابھی موزن کی اذان بلند نہیں ہوئی تھی

خلقت کی آنکھیں ابھی تک محو خواب تھیں

گھٹا ٹوپ کالی رات کی چھاؤں میں

کبھی کبھی نیم بیدار چڑیوں کے چہچہانے کی آواز سنائی دے جاتی

بیداری اور خواب کے عالم میں شب زندہ دار فطرت کی الہامی

بانسری کی لے اب بھی سن رہے تھے
 کہ یکا یک کسی نے اس حادثہ عظیم کا اعلان کیا
 "اللہ" کی آواز بار بار گونجنے لگی
 خواب میں کھوئی ہوئی خلقت چونک اٹھی
 حادثے کی خبر سن کر بجلیاں چمکنے لگیں
 فوق البشر کی موت کل کائنات کیلئے فال بد ہے
 کالی رات آہستہ آہستہ زخمت ہوئی اور صبح نمودار ہوئی
 افق پر سورج کی زرد اور بیمار روشنی پھیلنے لگی

قائد اعظمؒ اب اس دنیا میں نہیں
 دنیا کا قرض چکا کر مہاجر آج ہجرت کر گیا
 مسلمانوں کا رہنما کس کے کروت سے ناراض ہو کر
 آج ہمیشہ کیلئے چلا گیا؟

ساری دنیا میں گریہ و زاری برپا ہے
 اک نیا کر بلا مسلمانوں کے دل میں چھ رہا ہے
 ہر شخص غم و الم میں جان دینے کیلئے تیار ہے
 تاج گر پڑا ہے، سر تنگا ہے

نڈھال مسافر پریشان اور زبوں حال چل رہا ہے
 دنیا ویران اور سنسان نظر آ رہی ہے
 کل جو دو تہند تھا آج وہ یتیم اور مفلس ہے

کون ان کے چہرے کی طرف دیکھے گا، کون دلا سادے گا؟

قائد اعظمؒ اس دنیا میں نہیں۔۔۔ یہ کون کہتا ہے؟
 جس نے موت پر فتح حاصل کی، جس نے دنیا کو خوف سے نجات دلائی
 اُس نے ابدی زندگی حاصل کر لی وہ کبھی نہیں مر سکتا
 موت خود اُس پر سلام بھیج رہی ہے
 اُس کے عظیم کارنامے اُس کے قدموں پر پچھا رہے ہیں
 زمین کے سینے میں اُس کی یاد بطور امانت محفوظ ہے
 بحر عرب کے ساحل پر کراچی کی سر زمین میں
 زندگی کو موت سے کامیاب پا کر وہ میٹھی نیند سو رہا ہے
 بہادر رہنما!۔۔۔ ہمارا آخری عقیدت مندانہ سلام قبول کر! 33

☆☆☆

چند مختصر تعارف

ابوالحسن اصفہانی مرزا

قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے دیرینہ دوست تھے۔ 1902ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کلکتہ سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد خاندانی پیشہ تجارت اپنایا۔ 1937ء میں بنگال لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن چنے گئے۔ 1946ء میں غیر منقسم ہندوستان کی مجلس دستور ساز کے رکن بنے۔ 1948ء میں سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ امریکہ اور برطانیہ میں پاکستان کے سفیر رہے۔ ان کے اور قائد اعظمؒ کے درمیان سب سے لمبی خط و کتابت کا ریکارڈ ملتا ہے۔ قائد اعظمؒ محمد علی جناحؒ نے اپنا آخری خط بستر مرگ سے مرزا ابوالحسن اصفہانی ہی کو تحریر کیا تھا۔ جو انہیں ان کی وفات کے بعد موصول ہوا تھا۔ قائد اعظمؒ کی حیات پر ان کی کتاب "قائد اعظمؒ جیسا میں انہیں جانتا ہوں" بہت مستند سمجھی جاتی ہے۔ اُن کا انتقال 18 نومبر 1981ء کو کراچی میں ہوا۔

الہی بخش کرنل ڈاکٹر

قائد اعظمؒ کے خصوصی معالج قائد اعظمؒ کے آخری ایام میں زیارت میں ان کے ہمراہ رہے۔ انہوں نے "قائد اعظمؒ کے آخری ایام" کے عنوان سے ایک مختصر کتاب بھی لکھی۔ 12 ستمبر 1904ء کو چک مغلائی، ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ 1921ء میں میٹرک کیا۔ آپ نے لندن سے ایم بی بی ایس اور ایم آر سی پی کی ڈگریاں لیں۔ 1931ء میں ایم ڈی کیا۔ تکمیل تعلیم کے بعد انڈین میڈیکل سروس میں شمولیت اختیار کی۔ 1936ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں فارماکولوجی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ وہ پہلے ہندوستانی مسلمان تھے جنہوں نے یہ اعزاز حاصل کیا۔ جنگ عظیم کے دوران انہیں فوجی خدمات کے لیے طلب کیا گیا۔ 1942ء میں ملایا میں جاپانیوں نے انہیں قید کر لیا۔ آزادی کے بعد انہوں

جے۔ اے۔ ایل پٹیل

قائد اعظم محمد علی جناح کے پارسی معالج، وہ بمبئی میں 1899ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1927ء میں پنجاب سے ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ قائد اعظم کے علاوہ برطانوی ملکہ الزبتھ اور روس کے صدر کے بھی معالج رہے۔ 1976ء میں ان کا انتقال ہوا۔ بھارت کی طرف سے انہیں صدارتی میڈل بھی دیا گیا۔ انہوں نے 1946ء میں تشخیص کی تھی کہ قائد اعظم کو تپ دق کا موزی عارضہ ہے۔ قائد اعظم کی درخواست پر انہوں نے اس راز کی ہمیشہ حفاظت کی۔

دینا واڈیا

قائد اعظم محمد علی جناح کی اکلوتی صاحبزادی ہیں۔ وہ ان کی دوسری بیوی رتن بائی المعروف رتی (اسلامی نام مریم) کے کٹن سے 15 اگست 1919ء کو پیدا ہوئیں۔ بمبئی اور انگلستان میں تعلیم حاصل کی۔ قائد اعظم کو ان سے بڑی محبت تھی۔ ان کی والدہ کی وفات 1929ء کے بعد ان کی پرورش نھیال میں ہوئی۔ قائد اعظم اپنی سیاسی مصروفیات کی وجہ سے انہیں مناسب وقت نہ دے سکے۔ 1938ء میں انہوں نے پارسی نژاد عیسائی نیول واڈیا سے شادی کر لی۔ قائد اعظم کو ان کے اس فیصلے پر بڑی پریشانی ہوئی۔ ان کی اس شادی سے ان کے تعلقات ان کے والد سے سرد ہو گئے۔ تاہم منقطع نہیں ہوئے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد وہ پہلی اور آخری مرتبہ پاکستان آئیں آج کل امریکہ میں مقیم ہیں۔

رتن بائی۔ رتی ڈنشا پٹیٹ

رتی بائی، مریم (اسلامی نام) سر ڈنشا پٹیٹ قائد اعظم محمد علی جناح کی دوسری بیوی سر ڈنشا پٹیٹ کی بیٹی تھیں اور پارسی نژاد تھیں۔ انہوں نے 1918ء میں شادی سے قبل بمبئی کی جامع مسجد کے امام نذیر احمد جندی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اگرچہ اسلامی نام مریم رکھا گیا۔ لیکن شہرت "رتی" کے نام سے ہوئی۔ قائد اعظم بھی انہیں رتی ہی کے نام سے بلاتے تھے۔

نے پروفیسر آف میڈیسن اور پرنسپل کے ای میڈیکل کالج کی ذمہ داری سنبھالی۔ علاوہ ازیں میو ہسپتال لاہور اور لیڈی لنگٹن ہسپتال لاہور کے چیف میڈیکل سپرنٹنڈنٹ رہے۔ میڈیکل ریفارمر کمیشن کے چیئرمین کی حیثیت سے کمیشن کی رپورٹ تیار کی جو 1960ء میں صدر ایوب کو پیش کی گئی۔ ان کی وفات 4 اپریل 1960ء کے بعد پنجاب یونیورسٹی نے ان کی خدمات کے پیش نظر انہیں ڈاکٹر آف لاز اور "آنرز کاز" کے ممتاز درجے پر فائز کیا۔ آپ قائد اعظم کے علاوہ سر عبدالقادر اور علامہ اقبال کے بھی معالج رہے۔ جدید طرز علاج پر ایک کتاب بھی تصنیف کی جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

انیس الحسنین

پورا نام سید انیس الحسنین رضوی ہے۔ آپ کا تعلق اثناء عشری مسلک سے تھا۔ آپ 1926ء کو لکھنؤ سے کراچی آئے اور تین برس تک اثناء عشری مسجد میں پیش امام رہے۔ بعد میں مدرسہ کی مسجد کے پیش امام کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ محترمہ فاطمہ جناح نے 11 ستمبر کی رات، تقریباً دو بجے انہیں قائد اعظم محمد علی جناح کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے طلب کیا تھا۔ انہوں نے اپنی زیر نگرانی اپنے مسلک کے غسل شیخ ہدایت حسین المعروف حاجی کلو سے قائد اعظم کی میت کو اثناء عشری طریقے سے غسل دلوا دیا۔ بعد میں اسی کمرے میں جہاں ان کی میت رکھی ہوئی تھی اثناء عشری مسلک سے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس میں جناب یوسف ہارون (مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ممبر)، ہاشم رضا (ایڈمنسٹریٹر کراچی)، کاظم رضا (انسپیکٹر جنرل پولیس)، آفتاب حاتم علوی، حاجی کلو اور دیگر غسل شریک ہوئے۔

سید انیس الحسنین کا انتقال کراچی میں 1975ء میں ہوا اور وہ کراچی ہی میں دفن

ہوئے۔

20 فروری 1929ء کو ان کا انتقال ہوا۔ ان کی آخری رسوم مسلمانوں کے طور طریقے سے ہوئیں۔
ان کی آخری آرام گاہ آرام باغ بمبئی میں ہے۔

ریاض علی شاہ ڈاکٹر

ڈاکٹر کرنل الہی بخش کی خصوصی درخواست پر قائد اعظم محمد علی جناح کے معائنے کے لیے زیارت آئے۔ میوہپتال کے معروف فیزیشن تھے۔ ان کا قائد اعظم محمد علی جناح کے آخری ایام کے بارے میں ایک بڑا ہی یادگار مضمون "قائد اعظم بستر مرگ پر" کراچی کے اخبارات میں شائع ہوا۔ آپ آخری لمحات میں بھی قائد اعظم محمد علی جناح کے قریب تھے۔

عبدالرحمن کرنل ڈاکٹر (ڈاکٹر رحمن)

قائد اعظم محمد علی جناح کے فیزیشن (معالج) 1882ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے کلکتہ اور ایڈنبرا میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں ریاست بھوپال میں چیف میڈیکل آفیسر رہے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ قائد اعظم کے فیزیشن رہے۔ 1951ء میں گورنر جنرل غلام محمد کے بھی ذاتی معالج مقرر ہوئے۔ ان کا انتقال 20 اپریل 1955ء کو ہوا۔

عبدالغنی (گورکن)

پیدائش 1907ء۔ اسے قائد اعظم محمد علی جناح کی قبر کھودنے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس کے علاوہ لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر اور محترمہ فاطمہ جناح کی قبریں بھی اس نے تیار کی تھیں۔

غلام محمد ملک

سابق گورنر جنرل۔ پہلے وزیر خزانہ۔ 1895ء میں لاہور کے محلہ سکے زیاں میں پیدا ہوئے۔ ایف اے کا امتحان کپورتھلہ سے پاس کیا۔ پھر علی گڑھ چلے گئے وہیں سے ایم اے، ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں اور پھر (فنانس) میں مقابلے کا امتحان پاس کیا۔ کچھ مدت ریلوے

میں رہے۔ پھر حکومت ہند کی ملازمت اختیار کر لی۔ نواب حمید اللہ خان والی بھوپال والیان ریاست کے چانسلر کی حیثیت سے دوسری گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے تو ملک صاحب بھی مشیر مالیات کی حیثیت میں گئے۔ مالیات میں غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے 1941ء میں دولت آصفیہ، حیدر آباد دکن میں وزیر مالیات مقرر ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد 15 اگست 1947ء کو پاکستان کے پہلے وزیر خزانہ مقرر ہوئے۔ جب انہوں نے پہلا متوازن بجٹ پیش کیا تو قائد اعظم نے ان کی قابلیت و مہارت کا اعتراف کرتے ہوئے جادوگر "Wizard" کہا۔ وزیر خزانہ کی حیثیت سے انہوں نے سٹیٹ بینک آف پاکستان، نیشنل بینک آف پاکستان، زرعی مالیاتی کارپوریشن اور صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کی بنیاد رکھی۔ 16 اکتوبر 1951ء کو پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کی شہادت پر گورنر جنرل خولجہ ناظم الدین ان کی جگہ وزیر اعظم بن گئے اور خولجہ صاحب کی جگہ ملک غلام محمد گورنر جنرل بن گئے۔ ملک غلام محمد نے 29 اگست 1955ء کو وفات پائی۔ آپ کراچی میں دفن ہیں۔

غلام محمد ڈاکٹر

لاہور کے معروف ڈاکٹر کلیدی کل نیٹ کے ماہر تھے۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے نیشنوں کے سلسلے میں 27 جولائی 1948ء کو زیارت پہنچے۔ وہ قائد اعظم کے کلیدی کل نیشنوں کے لیے دودفعہ لاہور سے زیارت اور چار دفعہ لاہور سے کوئٹہ گئے۔

غضنفر علی خان راجہ

سیاست داں۔ 16 اگست 1895ء کو پنڈ دادن خان، ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن کی۔ 1924ء تا 1926ء آزاد امیدوار کی حیثیت سے مرکزی اسمبلی کے رکن۔ 1927ء میں قائد اعظم کی انڈیپنڈنٹ پارٹی میں شامل ہوئے۔ 1928ء میں ریاست الور میں وزیر رہے۔ 1933ء تا 1937ء کونسل آف سٹیٹ کے رکن رہے۔ 1937ء تا 1945ء

پنجاب اسمبلی کے رکن۔ 1937ء تا 1946ء پنجاب اسمبلی میں پارلیمانی سیکرٹری رہے۔ 22 اکتوبر 1946ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کی جانب سے عبوری حکومت میں وزیر صحت کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

1948ء میں آپ کو ایران کے سفیر کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ایران روانگی سے قبل آپ قائد اعظم محمد علی جناح سے 29 جولائی 1948ء کو زیارت میں ملے۔ قائد اعظم آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے ایران کی سفارت کے لیے آپ کو خصوصی ہدایات بھی دیں۔ آپ کا انتقال 17 اپریل 1963ء کو ہوا۔

جی اے الانا

کراچی میں 22 اگست 1906ء کو پیدا ہوئے۔ فرگوسن کالج پونا سے بی اے کیا۔ 1942ء میں سندھ مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ وہ اعلیٰ پائے کے مصنف اور شاعر تھے۔ ان کی تصانیف میں منظوم ترجمہ شاہ عنایت سندھی، شاہ عبداللطیف بھٹائی، پچل سرمست اور قائد اعظمؒ۔ ایک قوم کی سرگزشت مشہور ہیں۔ 8 مارچ 1985ء کو ان کا انتقال ہوا۔

فرح امین

قائد اعظم محمد علی جناح کے اسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری۔ وہ قائد اعظمؒ کے گورنر جنرل سے لے کر ان کی وفات تک ان کے سیکرٹری رہے۔ ان کا انتقال 12 ستمبر 1969ء کو ہوا۔ قائد اعظمؒ کے آخری ایام کے بارے میں ان کا مضمون "حیات قائد کا آخری سال" بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ مضمون نومبر 1948ء میں شائع ہوا تھا اور بعد میں پندرہ روزہ "خدمت" لاہور میں یکم ستمبر 1974ء کو شائع ہوا۔

کلو حاجی

اصلی نام ہدایت علی تھا۔ حاجی کلو کے نام سے مشہور تھے۔ 1914ء سے اثنا عشری

جماعت میں ملازم ہوئے۔ ان کا پیشہ میٹوں کو غسل دینا تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی میت کو غسل انہوں نے دیا تھا۔ 12 مئی 1985ء کو دل کا دورہ پڑنے سے ان کا انتقال ہوا۔ انہیں علی باغ میو شاہ قبرستان میں دفن کیا گیا۔

ایس۔ ایس عالم ڈاکٹر

پورا نام ڈاکٹر شیخ سلطان عالم تھا۔ ڈاکٹر ایس ایس عالم کے نام سے مشہور ہیں۔ ریڈیالوجسٹ کے ماہر ہونے کی حیثیت سے بڑا نام کمایا۔ 1948ء میں ان کے پاس اپنی پورٹریٹ (سفری) ایکس رے مشین تھی۔ اس سفری مشین سے انہوں نے قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے ایکس رے لیے تھے۔

شبیر احمد عثمانی علامہ

معروف عالم دین، فقیہ اور مفسر قرآن۔ آپ 10 محرم 1305ھ (1885ء) کو بجنور، یوپی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا فضل الرحمن عثمانی انجیکٹر مدارس تھے۔ آپ دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد دیوبند میں بڑی جماعتوں میں مدرس کے فرائض سرانجام دینے لگے۔ 1907ء میں جمعیت الانصار میں شرکت کی اور اپنی عالمانہ تقریروں سے پورے ملک میں ممتاز عالم کی حیثیت سے مقبول ہو گئے۔ جمعیت کا مقصد مسلمانوں میں مذہبی اور سیاسی بیداری پیدا کرنا تھا۔ بعد ازاں آپ صدر مہتمم دیوبند یعنی وائس چانسلر کے اعلیٰ عہدے پر بھی فائز رہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے مرشد مولانا اشرف علی تھانوی سمیت تحریک پاکستان میں شامل تھے۔ 46-1945ء کے انتخابات اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم 1947ء میں آپ کا کردار بہت یادگاری ہے۔ قیام پاکستان کے بعد قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے انہیں آزاد پاکستان کا پہلا پریچم لہرانے کا اعزاز دیا۔ 12 ستمبر 1948ء کو انہوں نے قائد اعظمؒ کی نماز جنازہ پڑھائی اور نماز کے بعد مختصر تقریر میں فرمایا کہ

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں

نے قائد اعظمؒ جیسا آہنی عزم کا انسان پیدا نہیں کیا۔

1949ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی بہاول پور تشریف لے گئے۔ وہاں انہیں دل کا دورہ

پڑا اور 12 دسمبر 1949ء کو وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کراچی میں اسلامیہ کالج میں دفن

ہیں۔

زیڈ اے بخاری

پورا نام ذوالفقار علی بخاری ہے۔ پطرس بخاری کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ 1904ء

میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پشاور سے حاصل کی۔ بعد ازاں منشی فاضل اور منٹل کالج

لاہور سے کیا۔ ملازمت کا آغاز شملہ سے ایک فوجی بورڈ سے بطور مترجم کیا۔ اداکاری کا بھی شوق

تھا۔ شملہ میں سید امتیاز علی تاج کے مشہور ڈرامے "انارکلی" میں "سلیم" کا کردار ادا کیا۔

1935ء میں آل انڈیا ریڈیو (سٹیشن دہلی) میں ملازمت اختیار کر لی۔ 1938ء میں بی بی سی لندن

میں براڈ کاسٹنگ کی تربیت حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد ریڈیو پاکستان کے پہلے ڈائریکٹر

جنرل اور 1964ء میں جب پاکستان ٹیلی ویژن متعارف ہوا تو اس کے پہلے جنرل منیجر بنائے

گئے۔ 12 ستمبر 1948ء کو آپ نے قائد اعظمؒ کے جنازے کا آنکھوں دیکھا حال ریڈیو سے نشر کیا

تھا۔ آپ کی تصانیف میں سرگزشت بخاری اور راگ دریا قابل ذکر ہیں۔ آپ 21 جولائی

1975ء کو فوت ہوئے اور کراچی ہی میں دفن ہوئے۔

☆☆☆